Presented by: https://jafrilibrary.com

حماسہ حسینی

جلد دوم

باب چہارم

حسینی تحریک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عنصر

پہلی مجلس

"حسینی تحریک کے اصلی عناصر(۱"(

الحمد اللہ......{ان اللہ...وبشر المومنین} (۲)

ہماری گفتگو تحریک حسینی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنصر کے بارے میں ہے اور گفتگو اس بارے میں ہے کہ کیا حسینی تحریک میں اس عنصر کا دخل رہا ہے یا نہیں؟ دوسرے لفظوں میں جن باتوں نے امام حسینؑ کو اس سفر اور تحریک پر مجبور کیا۔ کیا ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی شامل تھا یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اس تحریک میں اس عنصر کا دخل کس حد تک ہے؟ ہم سب جانتے ہیں کہ امام حسینؑ کی عزاداری اور یادگار فلسفہ، جس کی آئمہ اطہارؑ کی وصیت کے مطابق سال بہ سال تجدید ہونا چاہئے، درس کی خاطر ہے اور اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک بہت بڑا تاریخی درس ہے۔ اگر انسان کسی درس سے کچھ استفادہ حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے اسے سمجھے اور اس کو تحلیل کرے۔ آج رات کو میں ان تمام اصلی عناصر کے بارے میں جو حسینی تحریک پر اثر انداز رہے ہیں مختصر طور پر بحث کروں گا۔ اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں جو اس تحریک کا اصلی عنصر ہے زیادہ تفصیل اور تشریح کے ساتھ بحث کروں گا۔

۱۔ یہ تقریر ۱۳۴۸/۱۲/۲۳ بمطابق ۶ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۰ھ کو کی گئی۔

۲۔ توبہ: ۱۱۲، ۱۱۱۔

حسینی تحریک میں بہت سے عوامل کا دخل رہا ہے اور انہی متعدد عوامل کے دخل کے سبب جو حادثہ باوجودیکہ تاریکی اور سطحی واقعات کے لحاظ سے زیادہ طویل اور مفصل نہیں ہے، تفسیر کے لحاظ سے اور اس بڑے تاریخی واقعہ کی ماہیت کو درک کرنے کی نظر سے بہت زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس حادثے کی مختلف

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تفسیریں کی گئی ہیں اور کبھی کبھی اس عظیم حادثہ سے غلط نتائج بھی نکالے گئے ہیں۔اس داستان کی پیچیدگی کا ایک سبب یہ عناصر ہیں جو اس حادثہ کے وجود میں آنے پر اثر انداز ہوئے۔ہمیں اس حادثہ میں بہت سے مسائل ملتے ہیں: ایک جگہ امام حسینؑ سے بیعت طلب کرنا اور آپؑ کا بیعت سے انکار کرنا ہے۔ دوسری جگہ اہل کوفہ کا امامؑ کو دعوت دینا اور امامؑ کا ان کی دعوت قبول کرنا ہے۔ایک اور مقام پر امامؑ بیعت مانگنے اور بیعت سے انکار کرنے کے مسئلے پر بالکل توجہ دیئے بغیر اور اس مسئلے پر بھی بنیادی توجہ دیئے بغیر کہ کوفہ والوں نے ان کی بیعت کرنا چاہی اور ان کو بلایا ہے یا نہیں بلایا، اس وقت کے حالات اور حکومت وقت پر تنقید کرتے ہیں، خرابیاں پیدا ہونے اور پھیلنے کا ذکر کرتے ہیں، اسلام کی حقیقت بدل جانے کا ذکر کرتے ہیں، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دینے کا ذکر کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان حالات کے پیش نظر خاموش نہ بیٹھے۔اس مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نہ بیعت کی بات کرتے ہیں اور نہ بلاوے کی، نہ اس بیعت کی بات کرتے ہیں جو یزید ان سے چاہتا ہے اور نہ اس دعوت کا ذکر کرتے ہیں جو اہل کوفہ نے انہیں دی ہے۔معاملہ کیا ہے؟ کیا یہ مسئلہ بیعت کا مسئلہ تھا؟ کیا یہ مسئلہ دعوت کا مسئلہ تھا؟ کیا یہ مسئلہ اعتراض، نکتہ چینی یا برائیاں پھیلنے کا مسئلہ تھا؟ ان میں سے کونسی بات تھی؟ ہم اس مسئلہ کی کس طرح توجیہ کریں؟ اس کے علاوہ امامؑ کے زمانے میں یعنی یزید کے دور حکومت اور پہلے کے ادوار میں کون سا واضح فرق تھا؟ خاص طور پر اس دور میں اور معاویہ کے دور میں کیا فرق تھا کہ جب امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی تھی اور امام حسینؑ کے پاس یزید سے صلح کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور نہ ایسی صلح کو جائز شمار کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حادثے میں ان تمام اسباب کا دخل اور اثر رہا ہے یعنی یہ سب عوامل موجود تھے اور امامؑ نے ان تمام عوامل کے مقابل اپنے ردعمل کا اظہار کیا ہے۔امامؑ کے کچھ ردّعمل اور عمل کی بنیاد یزید کی بیعت سے انکار پر ہے، امام کے چھ ارادے اور فیصلے کوفہ والوں کے بلاوے کی بنیاد پر قائم ہیں اور کچھ ان برائیوں اور خرابیوں کے خلاف جدوجہد کرنے پر مبنی ہیں جو اس وقت ہر صورت میں پائی جاتی تھیں۔

حادثہ کربلا میں جو اباعبداللہؑ کی ذات گرامی کے ردعمل اور ارادوں اور فیصلوں کا مجموعہ ہے ان تمام عناصر کا دخل رہا ہے۔ہم پہلے بیعت کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہیں کہ...اس عمل کا کتنا دخل تھا؟ امامؑ نے بیعت طلبی کے سوال پر کیا ردعمل ظاہر کیا اور صرف بیعت طلبی امامؑ پر کون سا فریضہ عائد کرتی تھی؟

ہم سب جانتے ہیں کہ معاویہ ابن ابوسفیان حکومت اور خلافت پر کس طرح سے پہنچا۔جب امام حسنؑ کے اصحاب نے کافی کمزوری دکھائی تو امام حسنؑ معاویہ سے ایک وقتی معاہدہ کر لیتے ہیں لیکن یہ معاہدہ معاویہ کی خلافت اور حکومت کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اس بنیاد پر تھا کہ معاویہ اگر حکومت کرنا چاہے تو ایک محدود مدت تک حکومت کرے اس کے بعد مسلمان اپنے اختیار سے جس کسی کو مناسب اور موزوں سمجھیں خلافت کیلئے منتخب کر لیں۔دوسرے الفاظ میں اس شخص کی طرف رجوع کر لیں جو پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے مقرر اور متعین ہوا ہے۔معاویہ کے دور تک حکومت اور خلافت کا مسئلہ موروثی نہیں تھا بلکہ یہ ایسا مسئلہ تھا جس کے متعلق صرف دو قسم کے خیالات پائے جاتے تھے۔ایک خیال یہ تھا کہ صرف وہی شخص خلافت کا سزاوار تھا جسے پیغمبرؐ نے خدا کے حکم سے منصوب کر دیا اور دوسرا طرز فکر یہ تھا کہ لوگوں کو خود اپنا خلیفہ چننے کا حق حاصل ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا کہ پچھلا خلیفہ اپنے بعد کے خلیفہ کا تعین لوگوں پر کر دے، اپنا جانشین مقرر کرے اور وہ پھر اپنا جانشین مقرر کرے اور...یعنی پھر خلافت کا مسئلہ نہ پیغمبرؐ کے حکم کے دائرے میں رہے اور نہ مسلمانوں ہی کو اس کے انتخاب میں کوئی دخل باقی رہے۔امام حسنؑ نے صلح نامے میں ایک

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شرط (جس پر معاویہ نے دوسری شرائط کی طرح صریحاً عمل نہیں کیا بلکہ امام حسنؑ کو خاص کر زہر دلوا کر شہید کر دیا تاکہ نہ مدعی رہے نہ دعویٰ) یہ رکھوائی تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد کوئی حق نہ ہو گا کہ مسلمانوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے، خود تو دنیائے اسلام کیلئے جتنے مصیبت ہے وہ ہے لیکن بعد میں اختیار مسلمانوں کو ہو گا بہر حال معاویہ کو اختیار نہ ہو گا، لیکن معاویہ کا پختہ ارادہ پہلے ہی دن سے یہ تھا کہ خلافت کو اپنے خاندان سے باہر نہ جانے دے اور مؤرخین کے قول کے مطابق ایسا کام کرے کہ خلافت کو سلطنت کی شکل دیدے لیکن وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کام کیلئے فی الحال فضا سازگار نہیں ہے۔ وہ اس بارے میں بہت کچھ سوچتا تھا اور اپنے خاص دوستوں سے بھی مشورہ کرتا رہتا تھا لیکن ظاہر کرنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا اور یہ سوچ نہیں پاتا کہ یہ بات عمل میں بھی آسکتی ہے۔

جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے وہ شخص جس نے اسے اس کام کی ہمت بندھائی اور اسے اطمینان دلایا کہ یہ بات عمل میں بھی آسکتی ہے مغیرہ بن شعبہ تھا۔ اسے حکومتِ کوفہ کا لالچ تھا کیونکہ وہ پہلے کوفہ کا حاکم اور والی رہ چکا تھا اور چونکہ معاویہ نے اسے برخاست کر دیا تھا اس لئے ناراض تھا۔ وہ شام پہنچا۔ وہ بڑا نقاش اور زیرک عرب کا دیہاتی تھا، اس نے اس غرض سے کہ دوبارہ کوفہ کی حکومت حاصل ہو جائے اس طرح اسکیم بنائی۔ ایک دن اس نے یزید بن معاویہ کو دیکھا تو بولا نہ جانے معاویہ تیرے بارے میں کیوں کوتاہی کر رہا ہے، دیر کس بات کی ہے؟ لوگوں کے سامنے تجھے اپنے جانشین کی حیثیت سے پیش کیوں نہیں کرتا؟ اس نے جواب دیا: میرا باپ سوچتا ہے کہ یہ بات ناقابل عمل ہے۔ اس نے کہا: نہیں... قابل عمل ہے۔ تمہیں کس طرف سے خوف ہے؟ تمہارے خیال میں کس جگہ کے لوگ عمل نہیں کریں گے؟ جو کچھ معاویہ کہے گا شام والے اس کی اطاعت کریں گے، ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے، رہے مدینہ والے تو اگر فلاں کو تم وہاں بھیج دو تو وہ یہ کام انجام دے گا... عراق (کوفہ) البتہ سب مقامات سے زیادہ اہم اور خطرناک ہے...... وہاں کا کام میں انجام دے سکتا ہوں۔

یزید معاویہ کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مغیرہ نے یہ بات کہی ہے... معاویہ مغیرہ کو بلاتا ہے۔ اس نے اپنی چرب زبانی اور پختہ دلیلوں سے معاویہ کو مطمئن کر دیا کہ فضا سازگار ہے اور کوفہ کا کام جو سب جگہوں سے زیادہ سخت اور زیادہ مشکل ہے وہ میں انجام دے دوں گا۔ معاویہ نے اسے دوبارہ حکم دیا کہ کوفہ چل اجائے (البتہ یہ واقعہ حضرت امام حسنؑ کی وفات کے بعد اور معاویہ کے آخر عمر کا ہے۔) واقعات یہ ہیں۔ کوفہ اور مدینہ والوں نے یہ بات قبول نہیں کی۔ معاویہ مجبور ہوا کہ مدینہ جائے، مدینہ کے رؤسا یعنی ان لوگوں کو جن کی پبلک میں عزت تھی مثلاً حضرت امام حسینؑ، عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر کو بلایا۔ اپنی چرب زبانی سے کوشش کی کہ اسلامی مصلحت کے خیال سے فی الحال اس طرح منظور کر لیں کہ ظاہری حکومت یزید کے ہاتھ میں رہے لیکن کام سب آپ کے اختیار میں ہوتا کہ لوگوں میں کوئی اختلاف نہ ہو، آپ لوگ فی الحال بیعت کر لیجئے، عملی طور پر حکومت کی باگ ڈور آپ ہی لوگوں کے ہاتھ ہوگی۔ اس نے ان لوگوں کو مطمئن کرنے کی بہت کوشش لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا، یہ کام بھی اس طریقے سے جیسے معاویہ چاہتا تھا عمل میں نہیں آسکا، پھر چالاکی سے مدینہ کی مسجد میں یہ چاہا کہ لوگوں کے سامنے یوں ظاہر کرے کہ یہ لوگ ثاصر ہو گئے تھے اور انہوں نے قبول کر لیا تھ الیکن یہ چالاکی بھی کام نہیں دے سکی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

معاویہ مرتے وقت اپنے بیٹے یزید کے طور طریق سے بہت پریشان تھا۔اس نے اسے نصیحت کی کہ بیعت لینے کیلئے عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ اس طرح پیش آنا، عبداللہ ابن عمر کے ساتھ اس طرح عمل کرنا، امام حسینؑ سے یوں سلوک کرنا، اس نے خاص طور پر یہ حکم دیا کہ امام حسینؑ سے بہت محبت اور نرمی کا برتاؤ کرنا، اس نے کہا کہ وہ پیغمبر خداؐ کے فرزند ہیں، مسلمانوں میں عظیم مرتبے کے مالک ہیں۔ اسے اس بات سے ڈر تھا کہ امام حسینؑ سے سخت رویہ رکھے اور اپنے ہاتھ ان کے خون میں رنگے کیونکہ پھر تو خلافت نہیں کر سکے گا بلکہ خلافت ابوسفیان کے خاندان سے ہی نکل جائے گی، معاویہ بہت ہوشیار اور چالاک تھا، وہ ہر ماہر سیاست داں کی طرح حالات کو پہلے سے خوب بھانپ لیتا تھا یعنی خوب سمجھتا تھا اور خوب پہلے سے اندازہ لگا لیتا تھا۔ اس کے برعکس یزید اول تو جوان تھا دوسرے ایسا شخص تھا جو شروع ہی سے ریاست اور شہزادگی کی حالت میں پلا بڑھا تھا، کھیل تماشوں سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا، سیاست داں کی طرح حالات کو پہلے سے خوب بھانپ لیتا تھا یعنی خوب سمجھتا تھا اور خوب پہلے سے اندازہ لگا لیتا تھا۔ اس کے برعکس یزید اول تو جوان تھا دوسرے ایسا شخص تھا جو شروع ہی سے ریاست اور شہزادگی کی حالت میں پلا بڑھا تھا، کھیل تماشوں سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا، سیاست کو واقعاً نہیں سمجھتا تھا، جوانی اور ریاست کا غرور تھا، دولت اور شہوت کا غرور تھا۔ اس نے وہ کام کیا جس نے سب سے زیادہ نقصان ابوسفیان کے خاندان کو پہنچایا اور اس معاملے میں سب سے زیادہ اسی خاندان کی شکست ہوئی، ان لوگوں کا کوئی روحانی مقصد تو تھا نہیں۔ یہ سلطنت اور حکومت کے سوا دوسری چیز سے غرض نہیں رکھتے تھے اور اسے بھی ہاتھ سے دے دیا۔ امام حسینؑ قتل تو ہوئے لیکن اپنے روحانی ہدف تک پہنچ گئے جبکہ ابوسفیان کا خاندان کسی طرح اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکا۔

نصف ماہ رجب ۶۰ ہجری میں جب معاویہ مر جاتا ہے تو یزید مدینہ کے حاکم کو، جو بنی امیہ ہی سے تھا۔ ایک خط لکھتا ہے جس میں وہ معاویہ کے مرنے کی خبر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگوں سے میرے لئے بیعت لو۔ وہ جانتا تھا کہ مدینہ مرکز ہے اور سب کی نگاہیں مدینہ کی طرف لگی ہوئی ہیں، وہ اپنے ایک خصوصی خط میں سختی سے حکم صادر کرتا ہے کہ امام حسینؑ کو بلا کر ان سے بیعت لے اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو ان کا سر اس کے پاس بھیج دے چنانچہ امام حسینؑ کو جو بات درپیش تھی وہ یزید بن معاویہ کی اسی بیعت کا تقاضا تھا جس میں دیگر برائیوں کے علاوہ دو برائیاں ایسی تھیں جو معاویہ کے معاملے میں بھی موجود نہیں تھیں۔ ایک یہ کہ یزید کی بیعت امام حسینؑ کی طرف سے موروثی خلافت کی توثیق ہو جاتی یعنی خلافت کا مسئلہ انفرادی مسئلہ نہ رہتا بلکہ خلافت موروثی ہو جاتی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دوسراموضوع خود یزید کی شخصیت تھی جواس زمانے کے طور طریق کو ہر دوسرے ادوار کے حالات سے الگ امتیاز دے رہا تھا۔ وہ صرف فاسق اور فاجر شخص ہی نہیں تھا بلکہ کھلم کھلا فسق وفجور میں مبتلا رہتا تھا اور پھر سیاسی اہلیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ معاویہ اور بہت سے عباسی خلفاء بھی فاسق اور فاجر گزرے لیکن وہ ایک بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے، وہ جانتے کہ اگر وہ اپنا ملک اور حکومت باقی رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں زیادہ سے زیادہ اسلامی مصلحتوں کا خیال رکھنا چاہئے، اسلامی مظاہر کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کرنا چاہئے، وہ سمجھتے تھے کہ اگر اسلام نہ رہا تو وہ بھی نہیں ہوں گے، وہ جانتے تھے کہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ کی مختلف نسلوں کے کروڑوں افراد ایک حکومت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ہیں اور شام یا بغداد کی حکومت کی پیروی کرتے ہیں اور اوراس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں، قرآن پر عقیدہ رکھتے ہیں اور خلیفہ کو بہر حال اسلامی خلیفہ جانتے ہیں بصورت دیگر جس دن انہیں یہ احساس ہو گیا کہ خلیفہ خود اسلام سے برگشتہ ہے اور اس کے خلاف عمل کرتا ہے وہ بھی خلیفہ سے بغاوت کر دیں گے۔

آخر کیا یہ لازم تھا کہ خراسان، شام، سوریہ اور افریقہ کے ایک حصے کے باشندے بغداد یا شام کے حاکم کی اطاعت کریں اور کوئی سبب نہیں تھا لہٰذا جو عقلمند، سمجھدار اور سیاست داں خلفاء تھے وہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ وہ اسلام کی مصلحتوں کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنے پر مجبور ہیں لیکن یزید بن معاویہ کو اس کا بھی شعور نہیں تھا، بدزبان انسان تھا، دوسروں کی توہین کیا کرتا تھا، اسے اچھا لگتا تھا کہ مسلمانوں اور اسلام سے بے اعتنائی برتے، اسلامی حدود کو توڑے۔ معاویہ بھی شاید شراب پیتا تھا (میرا لفظ ''شاید'' تاریخی لحاظ سے ہے مجھے یاد نہیں پڑتا ممکن ہے تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس بارے میں کوئی قطعی اور حتمی بات کہہ سکیں) (۱) لیکن تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ معاویہ نے کسی محفل میں کھلم کھلا شراب پی ہو یا مستی کی حالت میں وہ مجلس میں آیا ہو جبکہ یہ شخص عام مجالس میں کھلم کھلا شراب پیتا تھا، نشے میں دھت ہو جاتا تھا اور پھر بے ہودہ بکواس شروع کر دیتا تھا۔ تمام معتبر مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ شخص بندر اور کتے پالتا تھا اور اس بندر کی کنیت ابا قیس رکھا تھا، یہ بندر کو بہت پسند کرتا تھا چونکہ اس کی ماں بدو عورت تھی اور یہ خود بھی صحرا میں پلا بڑھا تھا اس میں بھی بدوی اخلاق پیدا ہو گئے تھے، کتوں، شکاری کتوں اور بندروں سے خصوصی رغبت اور دلچسپی رکھتا تھا۔

مسعودی اپنی کتاب ''مروج الذھب'' میں لکھتا ہے: یہ بندر کو خوشنما ریشمی کپڑے پہناتا تھا اور اپنے برابر ملکی اور فوجی افسروں سے بلند جگہ پر بٹھاتا تھا۔ یہی وجہ ہے جو امام حسینؑ نے فرمایا تھا: ''وعلی السلام... مثل یزید'' (۲) اس میں اور دوسروں میں فرق تھا۔ یہ شخص دراصل اسلام کے خلاف تبلیغ کرتا تھا، ایسے شخص کی بیعت امام حسینؑ سے طلب کر رہے تھے۔ امامؑ نے بیعت سے انکار کیا اور فرمایا: ''میں کسی صورت میں بیعت نہیں کروں گا۔'' ادھر وہ لوگ بھی کسی طرح بیعت طلبی سے صرف نظر نہیں کر رہے تھے۔ یہ ایک سبب اور واقعہ تھا۔ ان لوگوں کا یہ سخت مطالبہ کہ ہم تم جیسی شخصیت کو بیعت لئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، ایک ایسا شخص جو بیعت نہیں کرتا اور یہ کہتا ہے کہ اس حکومت کی جانب سے مجھ پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا، مجھے اس پر اعتراض ہے۔ وہ لوگ کسی طرح اس کیلئے تیار نہیں تھے کہ امام حسینؑ بیعت نہ کریں اور آزادی کے ساتھ بے روک ٹوک عوام سے ملیں جلیں۔ یہ لوگ اس بیعت نہ کرنے کو اپنی حکومت کیلئے خطرہ سمجھتے تھے، وہ اچھی طرح جان گئے تھے اور بات بھی یہی تھی۔ امام کا بیعت نہ کرنا یعنی معترض ہونا، منظور نہ کرنا، یزید کی اطاعت کو لازم نہ گردانا بلکہ اس کی مخالفت کو واجب جاننا...... وہ لوگ مصر تھے کہ آپؑ بیعت کیجئے۔ امامؑ فرماتے تھے کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ اب اس تقاضے کے پیش نظر، ان اسباب کو دیکھتے ہوئے امام کا کیا فرض ہے؟ ایک مخالفت کے اقدام کے سوا اور کوئی عمل نہیں ہو سکتا، میں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بیعت نہیں کروں گا، دوسری کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ کیا آپ بیعت کرتے ہیں؟ نہیں!...اگر بیعت نہیں کرتے تو قتل کر دیئے جائیں گے!...میں قتل ہونے کو تیار ہوں لیکن بیعت نہیں کروں گا...اس مقام پر امام کا جواب فقط ایک ''نہیں'' ہے۔

مدینہ کے حاکم نے امام حسینؑ کو بلوایا، وہ بنی امیہ کا ایک فرد تھا (یہ بات ضرور کہنا چاہئے کہ اگرچہ قریب قریب تمام بنی امیہ ناپاک عنصر تھے لیکن یہ شخص ایک حد تک دوسرے سے مختلف تھے) اس وقت امام حسینؑ مدینہ کی مسجد (مسجد نبویؐ) میں تشریف فرما تھے، عبداللہ ابن زبیر بھی آپ کے پاس تھے۔

حاکم کے گماشتہ نے دونوں کو حاکم کے پاس چلنے کی دعوت دی اور کہا کہ حاکم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں، ان لوگوں نے کہا: تم جاؤ ہم بعد میں آئیں گے۔ عبداللہ ابن زبیر بولے: اس موقع پر جو حاکم نے ہم لوگوں کو بلایا ہے آپؑ کا کیا اندازہ ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ''اظن ان طاغیتھم قد ھلک'' میرا خیال ہے کہ ان کا فرعون تلف ہو گیا ہے اور ہمیں بیعت کیلئے بلایا ہے۔ عبداللہ ابن زبیر نے کہا: آپ نے خوب اندازہ لگایا، میرا بھی یہی خیال ہے، اب آپ کیا کریں گے؟ امامؑ نے فرمایا: میں جارہا ہوں، تم کیا کروگے؟ یہ میں بعد میں دیکھوں گا۔ عبداللہ ابن زبیر راتوں رات غیر معروف راستے سے ہوتے ہوئے بھاگ کر مکہ پہنچے اور وہاں پناہ گزیں ہو گئے۔ امامؑ گئے اور بنی ہاشم کے کچھ جوانوں کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ آپؑ نے ان سے فرمایا کہ تم باہر کھڑے رہنا، اگر میری آواز بلند ہو تم اندر گھس آنا لیکن جب تک میری آواز بلند نہ ہو اندر نہ آنا۔ ناپاک بدنام زمانہ اموی مروان بن حکم بھی جو کبھی مدینہ کا حاکم رہ چکا تھا وہاں موجود تھا۔ (۱) حاکم نے کھلا ہوا خط امام کو سنایا۔ امامؑ نے فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ حاکم نے چرب زبانی سے باتیں شروع کیں کہ لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے، معاویہ کی یہی خواہش تھی اور اسلام کی بھلائی بھی اسی میں ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپؑ بھی بیعت کر لیں، اسلام کی بھلائی کا یہی تقاضا ہے بعد میں آپؑ جس طرح فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا، تمام خرابیاں دور کر دی جائیں گی۔ امامؑ نے فرمایا: تم مجھ سے کس لئے بیعت چاہتے ہو؟ لوگوں سے بیعت لینے کیلئے بیعت چاہتے ہو یعنی خدا کیلئے نہیں چاہتے، اس لحاظ سے کہ خواہ خلافت شرعی ہے یا غیر شرعی، میں بیعت کر لوں تاکہ شرعی ہو جائے جو نہیں ہے، تم میری بیعت اس لئے چاہتے ہو کہ دوسرے لوگ بھی بیعت کر لیں۔ اس نے کہا: ہاں! آپؑ نے فرمایا: تو اسی خالی کمرے میں جہاں صرف ہم تین شخص ہیں تم کو میری بیعت سے کیا فائدہ ہوگا؟ حاکم نے کہا: آپؑ درست فرمارہے ہیں، پھر بعد میں ہو گی۔ امامؑ نے فرمایا: مجھے جانا چاہئے۔ حاکم نے کہا: بہت بہتر، تشریف لے جائیں۔ مروان بن حکم بولا: کیا کہہ رہے ہو کہ چلے جائیں؟ اگر یہ یہاں سے چلے گئے تو کیا بیعت کریں گے؟ خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرو۔ امامؑ نے مروان کا گریبان پکڑ کر اسے اوپر اٹھا کر پھر زمین پر زور سے چھوڑ دیا اور فرمایا: تو نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کی۔

امامؑ باہر تشریف لے گئے اور اس کے بعد تین راتوں تک مدینہ ہی میں رہے۔ راتوں کو پیغمبر اکرمؐ کی قبر پر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں دعا مانگتے تھے۔ اے خدا! مجھے وہ راستہ دکھا جس میں تیری رضا ہو۔ تیسری رات کو امامؑ پیغمبر اکرمؐ (۱) کی قبر پر جاتے ہیں، دعا مانگتے ہیں اور بہت روتے ہیں، وہیں

۱۔ کتاب الغدیر ج ۱۰ ص ۱۷۹ کی طرف رجوع کریں وہاں پر تاریخی حوالہ سے مسلم مطالب بیان ہیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۔ مقتل مقرم ص ۱۴۶۔

۱۔ یہ شخص مدتوں مدینے کا حاکم رہ چکا ہے، اس عرصے میں مدینے کی آبادی کافی بڑھ گئی تھی۔ مدینے میں مروان ابن حکم کا جاری کیا ہوا ایک چشمہ ہے جس میں اب تک پانی جاری ہے۔

)۱(۔ جس جگہ آج کل پیغمبر اکرمؐ کی قبر ہے وہ پیغمبرؐ کا گھر اور جناب عائشہ کا حجرہ تھا۔ پیغمبر اکرمؐ کو اس حجرے کے جنوبی حصے میں دفن کیا گیا تھا جس سے دیوار تک ایک بالشت سے زیادہ کا فاصلہ نہیں تھا۔ حضرت ابو بکر کو پیغمبرؐ کے پیچھے کی جانب اس طرح دفن کیا گیا کہ حضرت ابو بکر کا سر پیغمبر اکرمؐ کے پشت پر شانوں کے مقابل تھا۔ حضرت عمر کے بارے میں اختلاف ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ انہیں حضرت ابو بکر کے پیچھے کیطف اس طرح دفن کیا گیا کہ حضرت عمر کا سر حضرت ابو بکر کے شانے کے مقابل ہو گیا لیکن کچھ دوسروں نے جن کے دلائل زیادہ مستحکم ہیں کہا ہے کہ حضرت عمر کو پیغمبر اکرمؐ کے پائوں کی طرف دفن کیا گیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد عائشہ نے گھر کے بیچ میں ایک دیوار اٹھادی تھی۔ جنوبی حصے میں پیغمبر اکرمؐ کی قبر تھی اور وہ خود اس گھر کے شمالی حصے میں رہتی تھی۔ جس کمرے میں پیغمبرؐ کی قبر تھی اس میں خصوصیت سے ایک دروازہ کھول دیا تھا، جس سے ہو کر لوگ آپ کی زیارت کو جاتے تھے۔ اس وقت (عہد امام حسینؑ) جناب عائشہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ معلوم نہیں کہ دیوار ہٹادی گئی یا نہیں، یہ حجرہ شریفہ جو اس وقت پیغمبر اکرمؐ کا مدفن ہے اسی وقت سے زیارت کیلئے مخصوص ہو گیا تھا اور اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔

آپ کی آنکھ لگ جاتی ہے، خواب میں پیغمبر اکرمؐ کو دیکھتے ہیں۔ یہ خواب آپؑ کیلئے الہام اور وحی کا درجہ رکھتا تھا۔ حضرت امام حسینؑ اس کے دوسرے روز مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور راستے سے بچ کر نہیں بلکہ اسی عام راستے سے مکہ کی طرف چل دیئے، بعض ساتھیوں نے عرض کیا: ''یابن رسول اللہ لو تنکبت الطریق الاعظم''، بہتر ہے کہ آپ شاہراہ سے نہ جائیں ممکن ہے کہ حکومت کے کارندے آپ کو واپس کردیں، روکیں، لڑائی جھگڑا ہو جائے (ایک بہادر قوی روح ایسا کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوتی) آپؑ نے فرمایا: میں پسند نہیں کرتا کہ ایک فرار ہونے والے کی شکل اختیار کروں، میں اسی شاہراہ سے جارہا ہوں جو خدا چاہے گا وہی ہوگا۔

پہلا سبب۔ بیعت کا مسئلہ

بہر حال حسینی حادثہ کا پہلا مسئلہ اور سبب جس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا ''بیعت کا مسئلہ'' ہے، یزید کی بیعت جو تاریخ کی صحیح شہادت کے مطابق امام حسینؑ سے طلب کی گئی۔ یزید خصوصی خط میں یوں لکھتا ہے: ''خذ الحسین بالبیع اکذا شیدا'' امام حسینؑ کو بیعت کرنے کیلئے گرفتار کرو، سختی کرو اور وہ جب

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تک بیعت نہ کریں رہا نہ کرو۔امام حسینؑ نے بھی پامردی سے اس مطالبے کی نفی کی اور کسی طرح یزید کی بیعت کیلئے تیار نہیں تھے،ان کا جواب صرف انکار تھا یہاں تک کہ امام حسینؑ کی عمر کے آخری دن میں جب امام حسینؑ کربلا میں تھے عمر بن سعد آیا اور اس نے امام حسینؑ سے مذاکرات کئے۔بظاہر اس کا انداز یہ تھا کہ وہ امام حسینؑ کو یزید سے صلح پر مجبور کرے لیکن حقیقت میں یہ صلح بیعت کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی،امام حسینؑ تیار نہیں ہوئے۔امام حسینؑ کی ان باتوں سے جو آپ نے عاشور کے دن کہی ہیں پورے طور پر ظاہر ہے کہ آپؑ اپنے پہلے دن کے ہی قول پر قائم تھے "لا واللہ...العبید"(۱) (نہیں خدا کی قسم میں اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہرگز نہیں دوں گا،میں یزید کی بیعت ہرگز نہیں کروں گا)۔یہاں تک کہ ان حالات میں بھی جو آج ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ قتل کر دیا جاؤں گا اور دیکھ رہا ہوں اپنے عزیزوں کا قتل،دوستوں کا قتل اور اپنے خاندان کی اسیری۔مگر یزید کی بیعت کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

یہ سبب کب پیدا ہوا؟معاویہ کے آخری زمانہ میں معاویہ کے مرنے کے بعد جب یزید کو حکومت ملی اس میں سختی اور عجلت بڑھی۔

۱۔ارشاد مفید ص ۲۳۵۔

دوسرا سبب۔مسئلہ دعوت

دوسرا سبب مسئلہ دعوت کا مسئلہ تھا۔شاید بعض کتابوں میں آپ نے پڑھا ہوگا خصوصاً ان نام نہاد تاریخ کی کتابوں میں جو مدرسے کے بچوں کے ہاتھوں میں دے دی جاتی ہیں،لکھتے ہیں کہ سنہ ۶۰ ہجری میں معاویہ مر گیا تو کوفہ والوں نے امام حسینؑ کو بلایا تاکہ آپؑ کو خلیفہ منتخب کر لیں،امام حسینؑ کوفہ آئے کوفہ والوں نے غداری اور بے وفائی کی آپؑ کی مدد نہیں کی،امام حسین قتل ہو گئے۔انسان جب یہ تاریخیں پڑھتا ہے تو سوچنے لگتا ہے کہ امام حسینؑ ایک ایسے شخص تھے جو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے ہوئے تھے،انہیں کسی سے کوئی سروکار نہیں تھا اور نہ کسی بات کی انہیں کوئی فکر تھی،صرف وہ بات جس نے انہیں اپنی جگہ سے ہلایا کوفہ والوں کی دعوت تھی جبکہ امام حسینؑ رجب کے آخر میں جو یزید کی حکومت کا آغاز تھا بیعت سے انکار کیلئے مدینہ سے نکل گئے اور چونکہ مکہ خدا کی جانب سے جائے پناہ اور وہاں دوسرے مقامات کے مقابلے میں امن کا زیادہ امکان ہے اور مسلمان اس جگہ کا زیادہ احترام کرتے ہیں اور حکومت بھی مکہ کا زیادہ احترام کرنے پر مجبور ہے اس لئے آپ وہاں چلے جاتے ہیں۔(معاویہ کو مرے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے اور شاید ابھی اس کی موت کی خبر کوفہ میں نہیں پہنچی تھی)نہ صرف اس لئے کہ وہ بہتر پناہ گاہ ہے بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں کے اکٹھے ہونے کا بہتر مرکز ہے۔

رجب اور شعبان کے مہینوں میں عمرہ کے ایام ہوتے ہیں لوگ چاروں طرف سے مکہ آتے ہیں اور ان کو بہتر طور پر تعلیم اور معلومات فراہم کی جاسکتی ہے۔ پھر حج کا زمانہ آجاتا ہے جو تبلیغ کیلئے زیادہ موزوں اور مناسب وقت ہوتا ہے،تقریباً دو ماہ کے بعد کوفہ والوں کے خطوط پہنچتے ہیں،کوفہ والوں کے خطوط مدینہ میں نہیں آئے ہیں جبکہ امام حسینؑ نے اپنی تحریک مدینہ سے شروع کر دی ہے۔کوفیوں کے خطوط مکہ میں امام حسینؑ کے پاس پہنچتے ہیں یعنی اس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وقت جب امام حسینؑ بیعت سے انکار کرنے کا عزم مصمم کر چکے تھے اور اسی عزم نے ان کیلئے ایک بہت بڑا خطرہ پیدا کر دیا تھا (خود امامؑ اور دوسرے سبھی یہ بات جانتے تھے کہ نہ وہ لوگ بیعت لینے کے مطالبے سے دستبردار ہو سکتے ہیں اور نہ امامؑ ہی بیعت پر آمادہ ہو سکتے ہیں) اسلئے کوفیوں کی دعوت اس تحریک کا اصلی سبب نہیں تھا بلکہ ثانوی سبب تھا البتہ کوفیوں کی دعوت کا زیادہ سے زیادہ اثر یہ مانا جا سکتا ہے کہ اس بلاوے نے لوگوں کے نقطہ نظر اور تاریخ کے فیصلے کے مطابق مستقبل میں امام کیلئے بظاہر ایک مناسب موقع فراہم کر دیا۔

کوفہ ایک بڑا صوبہ اور اسلام کا فوجی مرکز تھا (۱) یہ شہر جو حضرت عمر بن الخطاب کے زمانے میں بسایا گیا تھا، ایک فوجی چھاؤنی تھا اور اسلامی ممالک کی تقدیر پر بہت گہرا اثر رکھتا تھا۔ اگر کوفی اپنے وعدے پر قائم رہتے تو ممکن تھا کہ امام حسین علیہ السلام کامیاب ہو جاتے۔

اُس وقت کے کوفہ کا اِس وقت کے مدینہ یا مکہ سے موازنہ نہیں ہو سکتا، اس وقت کے خراسان سے بھی موازنہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا مد مقابل فقط شام تھا۔ کوفیوں کی دعوت کا اثر زیادہ سے زیادہ اس تحریک کی شکل میں ہو سکتا تھا کہ امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہو جائیں اور اسے مرکز نہ بنائیں (بلاشبہ خود مکہ میں بھی ایسی دشواریاں تھیں کہ اسے مرکز نہیں بنایا جا سکتا تھا) ابن عباس کی بھی یہ تجویز کہ یمن چلے جائیں اور وہاں کے کوہستان میں پناہ لیں قبول نہیں کرتے، اپنے نانا کے مدینہ کو بھی مرکز نہیں بناتے بلکہ کوفہ چلے آئیں۔ پس کوفیوں کے بلاوے کا دخل ایک ثانوی امر تھا کہ یہ عراق میں تحریک اور قیام کی صورت میں ہوتا ورنہ یہ اصلی سبب نہیں تھا۔

امامؑ جس وقت کوفہ کی سرحد کو پہنچتے ہیں جناب حر کے لشکر کا سامنا ہوتا ہے۔ آپ کوفہ والوں سے فرماتے ہیں: تم نے مجھے بلایا، اب اگر تم نہیں چاہتے تو لوٹ جاتا ہوں ور یزید کی بیعت کئے لیتا ہوں اور ان باتوں سے چشم پوشی کئے لیتا ہوں جو میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ملک میں فسادات کے پھیلائوں اور ان حالات میں مسلمانوں کے فرائض کے بارے میں کہی ہیں، بیعت کر کے اپنے گھر میں خاموش بیٹھ جاتا ہوں اور سکوت اختیار کر لیتا ہوں۔ نہیں! میں اس حکومت کو صالح اور نیک نہیں سمجھتا اور اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کا بھی قائم ہوں۔ تم اہل کوفہ نے مجھے دعوت دی، تم نے کہا اے حسینؑ! آپ کے پیش نظر ہدف کے حصول میں ہم آپ کی مدد کریں گے، اگر تم بیعت نہیں کرتے تو نہ کرو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نقطہ نظر سے تمہیں اس حکومت پر اعتراض ہے اور اس کے خلاف قیام کیا ہے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے، میں بھی ایسے ہی لوگوں کی تلاش میں آیا ہوں جنھوں نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اب تم کہتے ہو کہ اہل کوفہ اپنے وعدے پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو بہت اچھا، ہم بھی کوفہ نہیں جاتے۔ ہم اس جگہ واپس جاتے ہیں جو ہمارا اصل مرکز ہے، ہم مدینہ یا مکہ چلے جاتے ہیں۔ دیکھیں خدا کیا چاہتا ہے؟ بہر حال ہم بیعت نہیں کریں گے اگرچہ بیعت نہ کرنے پر ہم قتل ہی کیوں نہ ہو جائیں چنانچہ اس سبب یعنی کوفیوں کے بلاوے کا زیادہ سے زیادہ دخل اتنا تھا کہ انہوں نے امامؑ کو مکہ سے باہر نکالا اور وہ کوفہ کی طرف چل پڑے۔

یہ تو میں نہیں کہنا چاہتا کہ واقعی یہ لوگ اگر نہ بلاتے تو امام قطعی طور پر مدینہ یا مکہ ہی میں رہتے... نہیں! تاریخ بتاتی ہے کہ امامؑ اس سے معذور تھے، کوفہ کے مقابلے میں مکہ کے بھی ظاہری حالات کچھ بہتر نہیں تھے۔ تاریخ میں بہت سے قرائن نشاندہی کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں امامؑ کو حج کے زمانے میں ہی قتل کر ڈالیں۔ صرف طریحی کا بیان ہی نہیں ہے بلکہ اوروں نے بھی بیان کیا ہے کہ امامؑ کو یہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بات معلوم ہو گئی تھی کہ اگر وہ حج کے زمانے میں مکہ میں رہ گئے تو ممکن ہے کہ اسی احرام کی حالت میں جب کوئی اصولاً ہتھیار بند نہیں ہوتا بنی امیہ کے ہتھیار بند کارندے ان کا خون بہادیں اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہو جائے۔ حج کی توہین ہو اور اسلام کی بے حرمتی ہو، دوہری بے حرمتی ہو فرزند پیغمبرؐ عبادت کی حالت میں خانہ خدا کی چار دیواری میں قتل بھی کر دیئے جائیں اور ان کا خون رائیگاں بھی جائے۔ بعد میں وہ یہ مشہور کر دیں کہ امام حسینؑ کا فلاں شخص سے معمولی جھگڑا ہو گیا تھا، اس نے حضرت کو قتل کر دیا اور خود روپوش ہو گیا نتیجہ یہ نکلے کہ امامؑ کا خون ضائع ہو جائے۔

امامؑ نے اپنے ارشادات میں اس موضوع کے متعلق اشارہ بھی کیا ہے۔ اثنائے سفر میں کسی نے امامؑ سے پوچھا: آپ کس لئے نکل کھڑے ہوئے؟ اس کی مراد یہ تھی کہ آپ مدینہ میں محفوظ تھے، وہاں اپنے جد کے حرم یعنی پیغمبرؐ کی قبر کے پہلو میں کوئی شخص آپ سے تعرض نہیں کر سکتا تھا آپ مکہ میں ہی رہتے جہاں آپ خدا کے گھر کے قریب تھے، اب جو آپ وہاں سے باہر نکل آئے تو گویا آپ نے خود ہی خطرہ مول لے لیا ہے! آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: تم کو دھوکا ہوا ہے، چاہے کسی بل میں بھی چھپ جائوں یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے جب تک میرا خون نہیں بہا لیں گے، میرے اور ان کے درمیان نہ ختم ہونے والا جھگڑا ہے۔ وہ مجھ سے ایسی بات کے طالب ہیں جس کیلئے میں کسی طرح آمادہ نہیں ہوں اور میں بھی ایسی بات کا خواہاں ہوں جسے وہ کسی طرح قبول نہیں کریں گے۔

تیسرا سبب۔ امر بالمعروف کا مسئلہ

تیسرا سبب امر بالمعروف ہے۔ یہ بھی خود امامؑ کے کلام کا صریحی اظہار ہے، تاریخ لکھتی ہے: امام کے بھائی محمد ابن حنفیہ کا اس وقت ہاتھ مفلوج ہو چکا تھا، بیکار ہو گیا تھا۔ آپ جہاد کے قابل نہیں تھے لہٰذا آپ نے شرکت نہیں کی۔ امامؑ ایک وصیت نامہ لکھ کر ان کے سپرد فرماتے ہیں: ''ھذا ما اوصی بہ الحسین بن علی اخاہ محمد المعروف بابن حنفیۃ۔'' اس مقام پر امامؑ کے جملے ہیں۔ حسینؑ خدا کی یکتائی اور پیغمبرؐ کی رسالت پر گواہی دیتا ہے (کیونکہ امامؑ جانتے تھے کہ بعد میں کچھ لوگ یہ کہہ دیں گے کہ امام حسینؑ اپنے نانا کے دین سے خارج ہو گئے تھے) یہاں تک کہ آپؑ اپنے قیام کا راز بیان فرماتے ہیں:

''انی ما خرجت...ابن ابی طالب علیہ السلام''۔)۱(

اب یہاں اہل کوفہ کی دعوت کی کوئی بات ہی نہیں ہے یہاں تک کہ بیعت سے انکار کا بھی ذکر نہیں کرتے یعنی طلب بیعت اور بیعت سے انکار کے علاوہ اور مسئلہ ہے۔ اگر یہ لوگ مجھ سے بیعت نہ بھی چاہیں تب بھی یہں خاموش نہیں بیٹھوں گا، دنیا والے جان لیں۔: ''ما خرجت اشرا ولا بطرا'' حسینؑ بن علیؑ کوئی جاہ طلب نہیں تھے، منصب اور دولت کے طالب نہیں تھے، فسادی اور تخریب کار بھی نہیں تھے، نہ ظالم اور ستمگر تھے، وہ ایک مصلح انسان تھے:

''ولا مفسد...امہ جدی...

''الا وان... وطھرت) ''۲)

پہلے دن سے آخری لحظہ تک، یہی روح حسین بن علیؑ کے وجود اقدس میں جلوہ گر تھی۔ خود آپؑ ہی کے قول کے مطابق آپؑ کے خون اور زندگی کا جزء بن گئی تھی۔ امام حسینؑ کا اس کام سے الگ ہونا ممکن نہیں تھا۔ اپنے آخری لحات میں امام حسینؑ جس وقت قتل گاہ کے نشیب میں پڑے ہوئے ہیں اور ہلنے کی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

طاقت بھی نہیں رکھتے، دشمن سے لڑنے کی بھی طاقت نہیں، اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے اور مشکل سے ہل پاتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کے کلام سے غیرت ٹپکتی ہے، امام حسینؑ کے کلام سے عزت آشکار ہے، امام حسینؑ کے کلام سے عظمت نمایاں ہوتی ہے۔ فوج یزید آپؑ کا سر مبارک جسم سے الگ کرنا چاہتی ہے لیکن ان پر آپؑ کی شجاعت اور ہیبت طاری ہونے سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ بعض لشکری کہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ امام حسینؑ نے کوئی جنگی چال چلی ہو کہ جیسے ہی کوئی پاس پہنچے تو اس پر جھپٹ پڑیں، ان کے حملے کے سامنے ٹھہرنے کی کسی کو مجال نہیں ہے۔ ایک ناپاک اور بزدلانہ چال چلتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر ہم حسینؑ کے خیموں پر حملہ کر دیں تو ان میں بچاؤ کی طاقت نہیں

۱۔ مقتل خوارزمی ص ۱۸۸۔

۲۔ تحف العقول ص ۲۴۱۔

ہو گی...... امام حسینؑ پڑے ہوئے ہیں۔ میں آپ کی اس حالت کا نقشہ نہیں کھینچ سکتا، یزیدی لشکر اہل حرم کے خیموں پر حملہ کرتا ہے ایک شخص چلاتا ہے: حسینؑ تم زندہ ہو؟ فوج نے اہل حرم کے خیموں پر حملہ کر دیا ہے۔ امامؑ بہت مشکل سے اپنے زانوؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اپنے نیزے کا سہارا لے کر فریاد کرتے ہیں:

"ویلکم یاشیعۃ... دنیاکم'(۱) "اے ابوسفیان کی اولاد کے ہاتھوں بکے ہوئے لوگو! اے آل سفیان کے پیرو! اگر تم خدا کو نہیں پہچانتے، اگر تم قیامت پر ایمان اور اعتقاد نہیں رکھتے، تو بھی تمہاری انسانی آزادی اور شرافت کہاں چلی گئی؟"

ایک کہتا ہے:

"ماتقول یابن فاطمۃ؟" (اے فاطمہؑ کے بیٹے! کیا کہتے ہو؟)

آپؑ نے جواب دیا:

"انا اقاتلکم وانتم تقاتلونی والنساء لیس علیھن جناح" (میں تمہارا مد مقابل ہوں، حسینؑ کا یہ جسم حاضر ہے، اس پر تیر اور تلواروں کی ضربیں لگاؤ لیکن حسینؑ کی روح کو یہ گوارہ نہیں کہ وہ زندہ ہو اور کوئی شخص اس کے خیموں کے قریب پہنچ رہا ہو)۔

دوسری مجلس

عوامل میں سے ہر ایک کی ارزش و قیمت)ا(

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

الحمد رب...الرحیم۔ {اناالله اشتری...وبشر المومنین} (۲

مقدس تحریک حسینی کی ساخت میں تین بنیادی عناصر ہیں اور مجموعی طور پر تین عوامل نے اس بڑے حادثہ کو صورت بخشتی ہے۔ایک سبب یہ ہے کہ معاویہ کی موت کے فوراً بعد یزید بن معاویہ حکم دیتا ہے کہ امام حسینؑ سے ضرور بیعت حاصل کی جائے،امامؑ بیعت سے انکار کرتے ہیں۔وہ غیر معمولی طور پر مصر ہیں اور اس تقاضے سے باز نہیں آتے اور امامؑ شدت سے منع کرتے ہیں اور کسی قیمت پر بیعت کیلئے تیار نہیں ہیں چاہے جان چلی جائے۔یہیں سے سخت ضد اور جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

دوسرا سبب جس کا اس تحریک پر اثر رہا ہے اور جسے دوسرے بلکہ تیسرے درجے کا سبب شمار کرنا چاہئے یہ ہے کہ جب صورتحال ایسی ہو گئی کہ یزید کی طرف سے اصرار اور امامؑ کی طرف سے انکار ہوتا

۱۔یہ تقریر ۲۴/۱۲/۱۳۴۹ بمطابق ۷ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۰ ہجری کو کی گئی۔

۲۔توبہ: ۱۱۲،۱۱۱۔

ہے تو امامؑ مکہ کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔مکہ میں دو ایک مہینے قیام کے بعد اہل کوفہ کو کسی طور حالات کی خبر ملتی ہے،اس وقت اہل کوفہ ہوش میں آتے اور امامؑ کو بلاتے ہیں۔ہم جو کچھ سنتے ہیں اور خاص طور پر جو بعض درسی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اس کے برعکس امامؑ کی تحریک کا سبب اہل کوفہ ک دعوت کا بلاوا نہیں ہے بلکہ امامؑ کی تحریک اہل کوفہ کی دعوت کا سبب ہے۔امامؑ نے اہل کوفہ کی دعوت پر قیام نہیں کیا بلکہ امامؑ حرکت میں آتے ہیں۔بیعت کی مخالفت کرنے اور امامؑ کے قیام سے مطلع ہونے پر چونکہ کوفہ کا ماحول نسبتاً سازگار تھا وہ لوگ متحد ہو گئے اور انہوں نے امامؑ کو بلوا بھیجا۔

تیسرا سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔اس سبب کا خود امامؑ نے صراحت کے ساتھ مکرر بیعت کے مسئلے اور اہل کوفہ کی دعوت کا ذکر کئے بغیر ایک مستقل اور بنیادی سبب کے طور پر ذکر کیا ہے اور اس بات کا حوالہ دیا ہے۔

ان تینوں اسباب کی اہمیت ایک جیسی نہیں ہے۔امامؑ کی تحریک میں ہر ایک کی معینہ اہمیت ہے البتہ اہل کوفہ کی دعوت کا مسئلہ...اس سبب سے تحریک امام کو جو اہمیت ملتی ہے وہ بہت سادہ اور معمولی سی ہے (امام حسینؑ کے عمل کی سطح پر نہ کہ ہمارے کاموں کی سطح پر) کیونکہ اس سبب سے ایک ولایت اور ایک علاقہ جو اپنے اندر طاقت رکھتا ہے اپنی آمادگی کا اعلان کر دیتا ہے۔قاعدے کے مطابق زیادہ سے زیادہ پچاس فیصدی کامیابی کا امکان رکھتا تھا،اس سے زیادہ کامیابی کا امکان نہیں رکھتا تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جب اہل کوفہ متفق ہو گئے اور فرض کیجئے کہ انہوں نے اتفاق بھی کر لیا اور اپنے عہد پر قائم بھی رہ جاتے اور خیانت نہ بھی کرتے تب بھی کوئی یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ امامؑ کی کامیابی سو فیصد ہے کیونکہ تمام لوگ کوفہ کے باشندے نہیں تھے۔ اگر ہم شام کے لوگوں کو نظر میں رکھتے جو بالکل آل سفیان کے وفادار تھے تو کامیابی کے امکان کو پچاس فیصد گھٹا دینا کافی ہوتا (وجہ یہ ہے کہ یہی شامی تھے جو امیر المومنینؑ کی خلافت کے دور میں جنگ صفین میں کوفہ کے باشندوں کے مد مقابل ہوئے اور اٹھارہ مہینے تک کوفیوں سے لڑتے مرتے اور مقابلہ کرتے رہے تھے) بہر حال زیادہ سے زیادہ تیس یا چالیس فیصد کامیابی کا امکان ہے۔ لوگ اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہیں اور امامؑ ان کی دعوت کا مثبت جواب دیتے ہیں۔ اس کی جس مقررہ حد تک اہمیت ہے وہ وہی معمولی حد ہے یعنی بہت سے عام لوگ ان حالات میں مثبت میں ہی جواب دیں گے لیکن بیعت کے مطالبے اور امامؑ کے انکار کا سبب جو انہی ابتدائی دنوں سے ظاہر ہو گیا تھا حسینی تحریک کو اہل کوفہ کی دعوت کی بہ نسبت زیادہ قدر و قیمت عطا کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ابھی ابتدائی ایام ہے لوگوں نے حمایت اور مدد کا اعلان نہیں کیا ہے وفاداری کا اعلان کیا ہے ایک جابر اور سخت حکومت یہ جس کی سختی پچھلے بیس سال میں معاویہ کے زمانے میں اپنے عروج کو پہنچی ہے (ایسی حکومت بیعت طلب کر رہی ہے)۔ معاویہ نے خاص طور پر اپنی حکومت اور سلطنت کی دوسری دہائی میں اس قدر سختی دکھائی کہ سب کی جان نکال لی۔ ایک کام یہ کیا کہ اس کی پوری سلطنت یہاں تک کہ مدینہ اور مکہ میں بھی لوگ جمعہ کی نمازوں میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو کھلم کھلا ایک عبادتی عمل کے طور پر برا بھلا کہتے تھے اور اگر کوئی چوں وچرا بھی کرتا تھا تو اس کے سر کی خیر نہیں ہوتی تھی، اس نے اس قدر دہشت زدہ کر دیا تھا کہ کسی شخص کیلئے آخری دنوں یوں تو زبان پر حضرت علیؑ کا نام لانا بھی جرم ہو گیا تھا۔ یہ تاریخ کی عبارت ہے... اگر لوگ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کہنا چاہتے تھے تو اشاروں اور سرگوشی میں کہتے تھے۔ حد یہ ہو گئی تھی کہ اگر حضرت علیؑ سے متعلق کوئی ایسی حدیث ہوتی جس حدیث میں حضرت علیؑ کی چھوٹی سی چھوٹی خوبی کا ذکر ہوتا بھی تو وہ محدث اور راوی جو ایک دوسرے سے روایت کرتے تھے ان خالی کمروں پر جہاں صندوق رکھے ہوتے تھے پردے کھینچ دیتے تھے، دروازے بند کر دیتے تھے۔ ایک دوسرے کو قسمیں دلا دیتے تھے کہ اس بات کو ظاہر نہ کرنا، میری بات ہر جگہ نقل نہ کرنا، اگر روایت کرنا چاہو تو ایسے آدمی سے کہنا جو سو فیصدی راوی ہو۔ اس روایت کو پی جائے اور ظاہر نہ کرے۔

ایسے مشکل حالات میں اس شخص کا جانشین خلیفہ ہوا ہے جو اس سے زیادہ جوان، زیادہ مغرور، زیادہ ظالم و بے رحم اور سیاست سے اتنا زیادہ بے خبر کہ سیاسی مراعات بھی نہیں دیتا۔ اس وقت ایسی طاقت کے سامنے "نہ" کہنا کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں ہے (تم بیعت کرو۔ نہیں، میں بیعت نہیں کرتا، میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو گے تو بھی میں بیعت نہیں کروں گا) ایسی حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ امام تن تنہا صرف اپنی ذات سے ایک نہایت جابر حکومت کے ناجائز مطالبے کے سامنے ڈٹے کھڑے ہیں اور کوئی ایک مددگار اور حامی بھی نہیں ہے، یہاں تک کہ دس فیصدی کامیابی کا بھی امکان نہیں ہے۔ آپ اس لحاظ سے اپنی رائے اور اپنا عقیدہ بیچنے کو یا محض دکھاوے کو بھی تیار نہیں ہیں کیونکہ بعد میں تاریخ یہ نہیں کہے گی کہ امام حسینؑ نے جبر وزور کے تحت بیعت کر لی ہے یہی لوگ جو جبر سے بیعت لیتے ہیں پیسے کے زور سے تاریخ بھی لکھوا لیتے ہیں۔ جیسی کی انہوں نے لکھوائی ہے۔

معاویہ... اس کے ساتھی اور رشتہ دار مسلمانوں کے بیت المال کا کچھ حصہ آج کل کی اصطلاح میں اس زمانے کے مذہبی لوگوں اور عالموں کو ملازم رکھنے پر صرف کرتے تھے۔ آزاد، بے قید، بے ایمان اور بے ضمیر راویوں کو پیسے سے خریدتے تھے جو پیغمبرؐ کی حدیثیں بدل دیتے تھے، پیغمبرؐ کی حدیثوں میں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لوگوں کے نام بدل دیتے تھے، حضرت علیؑ کے دشمنوں کی تعریف میں حدیثیں گھڑتے تھے۔ مورّخین نے لکھا ہے کہ ''ثمرۃ بن جندب'' نے آٹھ ہزار مثقال سونا لے کر حضرت علیؑ کے خلاف ایک حدیث گھڑ ڈالی چنانچہ ان کیلئے تاریخ کا بدل دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اب اس کے بعد جتنی تاریخ بچ رہی وہ حسینی تحریک جیسے عملیات کی بدولت بچی اور اگر امام حسینؑ بھی خاموش ہو جاتے تو تاریخ بھی بدل دی گئی ہوتی۔ پس یہ پہلو حضرت اباعبداللہؑ کی تحریک کو اہل کوفہ کی دعوت کے مقابلے میں زیادہ اور اعلیٰ قدر و قیمت عطا کرتا ہے۔

البتہ تیسرا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہے اور حضرت اباعبداللہؑ کامل صراحت کے ساتھ اس سبب کا حوالہ دیتے ہیں، اس سلسلے میں پیغمبرؐ کی حدیثوں اور اپنے نصب العین کا حوالہ دیتے ہیں اور بار بار نیکی کے حکم اور برائی کی ممانعت کا ذکر کرتے ہیں اور کوفہ والوں کی بیعت اور دعوت کا نام نہیں لیتے۔

یہ سبب دوسرے دو اسباب کی نسبت حسینی تحریک کو بہت زیادہ منزلت بخشتا ہے۔ اسی سبب کی بدولت اس تحریک میں وہ شائستگی پیدا ہوئی جو ہمیشہ قائم رہے گی، ہمیشہ یاد رہے گی، سبق دیتی رہے گی باوجودیکہ تمام اسباب سبق آموز ہیں لیکن اس میں سبق آموزی زیادہ ہے کیونکہ اس سبب کا تکیہ نہ اہل کوفہ کی دعوت پر ہے اور نہ بیعت کے مطالبے پر یعنی اگر امامؑ کو بلایا بھی نہ جاتا تب بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قانون کے تحت امام حسینؑ تحریک ضرور شروع کرتے۔ ان سے بیعت کا مطالبہ نہ بھی ہوتا پھر بھی وہ خاموش نہ بیٹھتے۔ موضوع بہت دور ہوا جا رہا ہے۔ پہلے سبب کے مطابق چونکہ اہل کوفہ نے دعوت دی ہے اور پچاس فیصدی یا اس سے قدرے کم کامیابی کا نقشہ بن گیا ہے اس لئے امامؑ سفر کرتے ہیں یعنی اگر صرف یہی سبب حسینی تحریک کی تشکیل میں کارگر ہوتا، اگر اہل کوفہ دعوت نہ دیتے تو امام حسینؑ اپنی جگہ سے نہ ہلتے۔ دوسرے سبب کے مطابق وہ لوگ امامؑ سے بیعت مانگتے ہیں اور آپؑ فرماتے ہیں کہ میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا یعنی اگر صرف یہی سبب ہوتا اگر حکومت وقت امام حسینؑ سے بیعت نہ مانگتی تو امام حسینؑ کو بھی ان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور آپؑ فرماتے کہ نہ تمہیں مجھ سے کوئی غرض ہے اور نہ میں تم سے کوئی سروکار رکھتا ہوں۔ تم مجھ سے بیعت نہیں چاہتے بس بات ختم ہے چنانچہ اس سبب کے مطابق اگر وہ لوگ بیعت کا مطالبہ نہ کرتے تو حضرت اباعبداللہ بھی سکون، امن اور چین سے رہتے، اپنی جگہ بیٹھے رہتے۔ کوئی سانحہ یا ہنگامہ برپا نہ ہوتا۔

البتہ تیسرے سبب کے مطابق امام حسینؑ تنقید اور اعتراض کرنے والے شخص ہیں۔ ایک انقلابی شخصیت ہیں، ایک قیام کرنے والے مرد ہیں، مثبت سوچ رکھنے والے انسان ہیں۔ اب کوئی اور محرکات ضروری نہیں ہیں، ہر جگہ خرابی پھیلی ہوئی ہے، خدا کا حلال، حرام اور خدا کا حرام، حلال ہو چکا ہے۔
مسلمانوں کے بیت المال پر نالائق لوگوں کا قبضہ ہے اور اس کا مال ان طریقوں پر خرچ ہو رہا ہے جن کیلئے خدا کی رضا نہیں ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا: جو شخص ایسے حالات و اطوار دیکھے ''فلم یغیر علیہ بفعل ولا قول'' پس اگر اسے اپنے قول و فعل سے تبدیل نہ کرے ''کان... خلہ''(۱) تو یہ سزاوار ہے (خدا کے قانون سے ثابت ہے) کہ خدا ایسے شخص کو وہاں لے جائے گا جہاں ظالم، جابر، ستم گار اور خدا کا دین بگاڑنے والے جائیں گے اور انہیں کے ساتھ ان کا حشر کرے۔ آپ اپنے جد کے قول کا حوالہ دیتے ہیں کہ ایسے حالات میں جو شخص جانتا اور سمجھتا ہے اور اعتراض نہیں کرتا اس کا حشر گنہگاروں کی جماعت کے ساتھ ہوگا۔ صرف یہی حدیث نہیں ہے بلکہ اس ضمن میں پیغمبر اکرمؐ کی دوسری حدیثیں بھی موجود ہیں، ایک حدیث امام رضاؑ جناب پیغمبر خداؐ سے روایت فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے: ''اذا تواکلت الناس الامر بالمعروف والنھی عن المنکر'' جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک دوسرے پر

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ٹالنے لگیں یعنی ہر شخص خاموش رہے اور یہ انتظار کرے کہ دوسرا نیکی کا حکم دے گا اور بدی سے منع کرے گا اور یوں نتیجے میں کوئی بھی کھڑا نہ ہو "فلیاذنوا بوقاع من اللہ"(۲) تو پھر لوگوں کو عذاب الٰہی کا منتظر اور اس کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ کیسا عذاب؟ آسمان سے پتھر برسیں گے؟ نہیں! قرآن شریف کی آیتوں میں عذاب الٰہی کی یوں تفسیر کی گئی ہے:

{قل ھوالقادر... باس بعض}(۳)(کہہ دے اے رسولؐ! کہ خدا قادر ہے، تم خدا کے عذاب سے ڈرو۔ خدا اس پر قادر ہے کہ تمہارے سروں پر عذاب نازل کرے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے عذاب کو جوش میں لائے یا تمہیں گروہوں میں بانٹ دے یا خود تمہارا نقصان تم تک پہنچا دے یعنی تمہیں ایک دوسرے سے لڑا کر مار دے۔) اہل بیت اپنی روایتوں میں یہ معانی بیان فرماتے ہیں۔ سر پر عذاب کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم پر اوپر سے عذاب نازل کریں گے تم اپنے پاؤں تلے سے یعنی زیر زمین سے عزاب دیکھو گے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا جس وقت لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیں تو وہ منتظر ہیں کہ ان کے پیچھے سے عذاب الٰہی آنے والا ہے۔ پیغمبرؐ کی ایک اور حدیث بھی ہے جسے علماء شیعہ نے اپنی معتبر کتابوں جیسے اصول کافی

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۰۴

۲۔ فروع کافی ج ۵ ص ۵۹۔

۳۔ انعام: ۶۵

میں درج کیا اور سنی علماء نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ غزالی نے یہ حدیث احیاء العلوم میں نقل کی ہے اور اس کی سند اہل تسنن کی کتب احادیث میں ملتی ہے۔ "لتامرن... یستجاب لھم"(۱)(یعنی نیکی کا حکم دیتے رہو اور بدی سے منع کرتے رہو ورنہ خدا تم پر بدوں کو مسلط کر دے گا، پھر تمہارے نیک لوگ بھی بلاتے رہیں گے تو انہیں جواب نہیں دیا جائے گا) لوگ زیادہ تر یوں مطلب بیان کرتے ہیں کب برے تم پر مسلط ہو گئے تو تم میں سے نیک لوگ خدا کی درگاہ میں فریاد کریں گے لیکن خدا ان کی دعا کو قبول نہیں کرے گا یعنی جو لوگ امر بالمعرورف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیتے ہیں ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ خدا انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ وہ چاہے خدا سے جتنی فریاد کریں اس گناہ کی وجہ سے ان کی دعا قبول نہیں ہوتی لیکن غزالی نے اس آیت کے ایک باریک معنی بیان کئے ہیں حالانکہ وہ ایک درویش صفت انسان ہے اور اجتماعی مسائل میں نہیں پڑتا، پھر بھی یوں کہتا ہے اس جملے: "فید عواخیار کم فلایستجاب لھم" کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ خدا سے فریاد کرتے ہیں اور خدا ان کی دعا قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں: جب لوگ امر بالمعروف اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نہی المنکر کو چھوڑ دیں گے تو اتنے حقیر اور پست ہو جائیں گے کہ ان کا رعب، دبدبہ، عزت، کرامت ختم ہو جائے گی چنانچہ جس وقت وہ ظالموں کی درگاہ میں جائیں گے تو چاہے جتنی ندا کریں گے ان کی کوئی نہیں سنے گا یعنی پیغمبرؐ نے فرمایا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری عزت قائم رہے اور دوسرے تمہارے سامنے حساب وہ ہوں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرو البتہ جس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عامل نہیں رہو گے تو پہلی خاصیت تو یہ تمہاری کمزوری ہوگی، تم پست اور ذلیل ہو جاؤ گے اور پھر دشمن بھی تمہیں کچھ نہیں سمجھے گا۔

بردر ارباب بی مروت دنیا

)دنیا کے بے مروت اربابوں کے دروازے پر(

چند نشینی کہ خواجہ کہ بدر آید

)تو کب تک اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ خواب کب باہر آتا ہے(

اس وقت تم ایک غلام کی طرح چاہے جتنی خوشامد کرتے رہو کوئی تمہیں جواب بھی نہیں دے گا۔ یہ معنی بہت لطیف ہے۔ ہمارے اسلام کا یہ قطعی اصول اور امام حسینؑ کی پاک ہستی نے اس اصول کا

)۱(۔فروع کافی ج۴ص۶۵۔

حوالہ دیا ہے چنانچہ وہ یوں سمجھاتے ہیں: فرض کیجئے کہ اہل کوفہ مجھے دعوت نہ دیتے، فرض کیجئے کہ یزید حکومت مجھ سے بیعت نہ مانگتی پھر بھی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کے مطابق خاموش نہیں بیٹھتا۔ ضروری ہے کہ ہم خود اس اصل کے بارے میں مزید گفتگو کریں، ہمیں بنیادی طور پر اس بات کی ضرورت ہے کہ اس اصل کو پہچانیں، یہ وہ اصل ہے کہ اگر ہم پیغمبر اکرمؐ کی احادیث اور آئمہ اطہارؑ کے فرمودات کی طرف توجہ نہ دیں اور اس فقہ اسلامی کی طرف بھی رخ نہ کریں جس کی ہر کتاب میں اور اس کے مختلف ابواب میں ابتدائے اسلام سے امر بالعروف و نہی عن المنکر کا ایک باب چلا آتا ہے(۱) اور صرف قران ہی کو نظر میں رکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس مقدس آسمانی کتاب میں یہ موضوع کتنا تکرار ہوا ہے اور جن گزشتہ قوموں نے امر بالعروف اور نہی عن المنکر پر عمل نہیں کیا ہے ان کی حد درجہ بد بختی کا حوالہ دیتا ہے {فلولا کان ...فی الارض} (۲) قدیم نسلوں میں کچھ لوگ صاحب سرمایہ (سرمایہ عقلی، فکری، روحی) کیوں نہیں ہوئے جو فسادوں کے خلاف لڑتے جس سے یہ قومیں ان فسادوں سے تباہ نہ ہوتیں، نابود اور ہلاک نہ ہوتیں؟ دوسری قوم کے بارے میں فرمایا گیا ہے: {کانوالایتناہون ...یفعلون} (۳) یہ لوگ مجبور اور مصیبت زدہ ہوگئے، ہلاک ہوگئے، مٹ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

گئے۔کیوں؟اس لئے کہ یہ برائیوں سے منع نہیں کرتے تھے،بگاڑ کے خلاف جدوجہد نہیں کرتے تھےاور بہت سی برائیاں کرتے تھے۔مسلمانوں سے خطاب فرمایاگیا:{ولکن منکم...ہم المفلحون}) ۴(

تمہارے درمیان ایک ایسی امت،ایک ایسی جماعت ہوناچاہئے جس کاکام نیکی کا حکم دینااور بدی سے روکناہو۔اگر لفظ ''من ''کو تبعیضی کہیں اور دوسری طرح تفسیر کریں تواس کے معنی یہ نکلتے ہیں:تمہاری امت ایسی امت بنائی جائے یعنی تم سب کوایک ایسی امت بن جاناچاہئے(تم نیکی کا حکم دواور بدی سے

)ا(۔یعنی جس طرح عبادت کے باب میں کتاب الصلوۃ!کتاب الصیام،کتاب الحج،کتاب الجہادہے،معاملات میں کتاب البیع،کتاب الاجارہ یہ،کتاب الطلاق،کتاب الارث،کتاب الدیات،اور کتاب الحدود علی قصاص ہے اسی طرح کتاب الامر بالعمروف والنہی عن المنکر بھی ہے۔

۲۔ہو:۱۱۶

۳۔مائدہ:۷۹

۴۔آل عمران:۱۰۴

روکو)یہ دونوں تفسیریں درست ہیں اوران میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ نیکی کا حکم اور بدی کی روک ٹوک تمام لوگوں کیلئے ایک عام فریضہ ہےاور ایک مقررہ طبقے کیلئے خصوصی فریضہ ہے جواس بارے میں ایسی خصوصی ذمہ داری رکھتاہے جو عام الناس کی حد سے باہر ہے۔

تمہارے درمیان ایک ایسی جماعت ہو یاتم ایسی امت بن جائو جس کاکام نیکی کی طرف بلانا(امر بالمعروف)اور برائی سے روکنا(نہی عن المنکر)ہو {واولئک ھم المفلحون} صرف ایسی ہی امت جس میں نیکی کی طرف بلانااور برائی سے روکناہو،نجات یافتہ،باعزت،بابرکت اور ثابت قدم ہوسکتی ہے اور بھلائی اور نجات پاسکتی ہے۔سورۂ آل عمران میں امر بالمعرورف اور انہی عن المنکر سے متعلق بہت سے آیتیں ملتی ہیں۔میں نے جو آیت پڑھی وہ اس آیت کے بعد آتی ہے:

{واعتصمو بحبل اللہ جمیعاولا تفرقو})ا(

یہ آیت لوگوں کواتحاد کی دعوت دیتی اور تفرقے سے روکتی ہے:اے مسلمانو!اپنے درمیان تفرقے اوراختلاف کاوجود نہ ہونے دو،جواختلاف پیدا ہوگئے ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش کرو،اختلافات کو کم کرو،یہ شگاف نہ بڑھنے دو،ان تفرقوں سے جوروز بروز شگاف بڑھتے جارہے ہیں کسے فائدہ پہنچ سکتاہے؟کیااسلام کے دشمن کے سوا بھی کسی کو فائدہ پہنچ سکتاہے؟دشمن ہم سے کیاچاہتاہے؟کیاوہ اس کے سوا بھی کچھ اور چاہتاہے کہ ہم مذہب اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فرقے کے مختلف ناموں پر سدا ایک دوسرے سے دست و گریباں رہیں، ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے رہیں؟ قرآن کہتا ہے تفرقے سے بچو! پھر فرماتا ہے: {ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر} گویا یہاں "الخیر" سے قران کی بیشتر مراد وہی اتحاد ہے یعنی تمہارے درمیان ایک جماعت ہونا چاہئے جو مسلمانوں کو برابر اتحاد اور اتفاق کی تلقین کرتی رہے۔ مسلمانوں میں جو تفرقے اور جھگڑے ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش کرتی رہے۔ پھر فرماتا ہے: {ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا} (۲)

ان جماعتوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق اور مختلف ہو گئیں، فرقہ فرقہ اور گروہ گروہ ہو گئیں، ٹکڑیوں اور ٹولیوں میں بٹ گئیں۔ آیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ اتحاد کی تلقین کرنے والی اور الگ الگ ہونے سے روکنے والی دو آیتوں کے درمیان یہ آیت آتی ہے: {ولتکن منکم ... ھم المفلحون}

۱۔ آل عمران: ۱۰۳۔

۲۔ آل عمران: ۱۰۵

یہ بالکل درست نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کیلئے افہام و تفہیم، وحدت اور اتفاق کو ایک ایسی نیکی سمجھتا ہے جو تمام نیکیوں کی ماں اور سرچشمہ ہے اور اختلاف اور فرقہ کو چاہے وہ کسی نام اور عنوان سے ہو سب سے بڑی برائی، غلاظت اور ناپاکی بتاتا ہے، دوسری آیت فرماتی ہے: {کنتم خیر امۃ... للناس} (اے مسلمانو! تم وہ بہترین امت ہو جسے بشریت کی بھلائی کیلئے ظہور کیا ہے) یعنی انسانی کی بھلائی کیلئے تم سے بہتر امت آج تک پیدا نہیں ہوئی ہے۔ کیوں؟ کس صفت کے لحاظ سے؟ {تامرون... عن المنکر} (۱) اس وجہ سے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اس لئے منطقیوں کے قول کے مطابق ہم اس کی ضد کو یوں سمجھیں: ہم مسلمان قوم انسانیت کیلئے بہترین امت نہیں ہیں کیونکہ ہم نیکی کا حکم نہیں دیتے اور بدی سے نہیں روکتے۔ اس کے نتیجے میں ہم عزت اور عظمت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے، کوئی فخر نہیں کر سکتے۔ ہمارا اسلام حقیقی اسلام نہیں ہے۔

اگر ہم اس بات کی اہمیت اور عظمت کے موضوع پر قرآن، سنت، حدیث اور ان باتوں کی رو سے جو اس ضمن میں کہی گئی ہے گفتگو کرنا چاہیں تو بہت سی روایتیں ملتی ہیں جو بتاتی ہیں کہ اسلام نے اس موضوع کو کس قدر اہمیت دی ہے۔۔

البتہ اس کیلئے ایک تاریخی گفتگو کی ضرورت ہے جس سے یہ واضح ہو سکے کہ اس عظمت و اہمیت کا یہ موضوع وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کس وجہ سے اسلامی دنیا میں روز بروز کمزور اور چھوٹا ہوتا چلا گیا۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ علمی نقطہ نظر سے یعنی کتابوں میں سنیوں نے ہم شیعوں سے زیادہ اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اگر ہم "کتاب الصلوٰۃ" سے لے کر "کتاب الدیات" تک شیعی فقہ کی کتابیں سنی فقہ کی کتابوں کے مقابلے میں رکھ دیں تو ہم دیکھیں گے کہ تمام ابواب میں شیعی فقہ مجموعی طور پر زیادہ قطعی، زیادہ شرح، زیادہ مفصل، زیادہ سنجیدہ اور زیادہ مدلل ہے اور میں اس بات کو ثابت بھی کر سکتا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوں لیکن بد قسمتی سے ہماری فقہی کتابوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا باب تمام ابواب میں بہت چھوٹا ہو گیا ہے لیکن سنیوں میں عملاً چھوٹا ہو گیا ہے۔۔

معتزلہ جو سنی متکلمین کا ایک فرقہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اصول دین سمجھتا ہے فروع دین نہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اصول دین پانچ ہیں اور فروع دین آٹھ یا دس ہیں اور ان دس میں امر بالمعروف

ا۔ آل عمران: ۱۱۰

اور نہیں عن المنکر کو شمار کرتے ہیں۔ معتزلہ دین کے پانچ اصولوں کے قائل ہیں جن میں سے ایک امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی ہے لیکن خود انہو ں نے اپنی کتابوں میں رفتہ رفتہ اس بحث سے بچتے بچتے اسے بالکل چھوٹا کر دیا۔ تمام مؤرخین کہتے ہیں کہ اس کا سبب وہ ٹکراؤ تھا جو اس موضوع پر گفتگو نے اپین وقت کیس یاست س یپیداک رلیا تھا چونکہ یہ گفگو خلفائے وقت کو عریاں کرتی تھیں اور وہ اسے روکتے تھے اس لئے معتزلہ مجبور ہو گئے کہ اسے اپنی کتابوں میں بیان نہ کریں یا کم بیان کریں اگرچہ یہ ان کے مذہبی اصولوں میں سے ایک اصول شمار ہوتا تھا۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ ہم شیعوں میں بھی یہ موضوع بہت مختصر رہ گیا ہے۔ یہاں تک چند صدیوں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں رسالہ عملیہ میں کچھ بھی نہیں لکھا جا رہا ہے۔ حد یہ ہے کہ رسالہ عملیہ جس میں یہ موضوع پیش کیا گیا ہے آخری کتاب شیخ بہائی کی "جامع عباسی" ہے جو تقریباً ساڑھے تین صدی قبل کی ہے۔ اس کے بعد پھر یہ موضوع رسالہ عملیہ سے بھی مکمل طور پر نکال دیا گیا ہے۔ جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر نماز، روزے کی طرح ہیں تو اسے دفن نہیں ہونا چاہئے۔ یہ کوئی غلامی کا مسئلہ نہیں ہے جو ہم کہیں کہ آج دنیا میں غلامی نہیں ہے جو ہم اس پر بحث کریں اور یہ معقول بات ہے۔ جس وقت وہ مسئلہ موجود تھا اس وقت اسلام میں غلاموں کے فائدے کیلئے احکام موجود تھے اور ان پر بحث درست تھی۔ جب غلامی ہی نہیں رہی تو اب اس کے بارے میں گفتگو غلط اور بے فائدہ ہے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسا موضوع نہیں ہے جو کبھی ختم ہو سکتا ہے۔ یہ ہمیشہ موجود رہا ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا اس لئے اسے سب مسئلوں سے اوپر رہنا چاہئے۔ یہ کس لئے حذف کیا جائے؟ یہ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے تاکہ ہم اسے بھول نہ سکیں۔

یورپ کے کچھ مستشرقین، اسلام کے خلاف دعویٰ کرتے ہیں یا یہ کہوں کہ اسلام پر الزام لگاتے ہیں اور اپنی بہت سی کتابوں میں اسے بار بار دہراتے ہیں۔ یہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ قضا و قدر کا دین ہے، یہ ایک ایسا دین ہے جو انسان کے کسی فعال کردار اور ذمہ داری کا قائل نہیں ہے، یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسانی فرائض کو خدا کے سپرد کر دے، تم یوں ہی انتظار کرتے ہو، جو کچھ ہے خدا اور اس کا ارادہ ہے، بنیادی طور پر انسان اس سلسلے میں کسی کام کا فاعل نہیں ہے، اسی لئے اس پر کوئی ذمہ داری یا فریضہ بھی عائد نہیں ہوتا، یہ بالکل جھوٹ ہے... اتفاق سے قرآن مجید یہودیوں پر یہی جرم عائد کرتا ہے، جس وقت

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

موسیٰ نے ان سے کہا: {یا قوم ادخلوا...لکم} (۱) تو انہوں نے موسیٰ کو جواب دیا: {فاذھب ... قاعدون} (۲) اے موسیٰ! ہم تو اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں تم اور تمہارے خدا دونو جاؤ، جنگ کرو اور دشمن کو ہماری سرزمین میں سے نکال دو، بعد میں ہم بھی پہنچ جائیں گے۔ بدر کی لڑائی میں جس وقت پیغمبر اکرمؐ اپنے اصحاب سے مشورہ کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا تھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اب قافلہ بھاگ گیا ہے آیا ہم دشمن کا پیچھا کریں یا مدینہ کو پلٹ جائیں؟ ہر شخص نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ حضرت ابوذر غفاری یا جناب مقداد کندی میں سے کسی ایک بزرگ نے کہا یا رسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے: {فاذھب... قاعدون} تم اور تمہارا خدا چلے جاؤ کام انجام دو، ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپؐ جو حکم دیں گے وہی ہوگا، اگر آپ حکم دیں کہ دریا میں کود جاؤ تو ہم کود جائیں گے، اگر آپ فرمائیں گے کہ آگ میں کود جاؤ تو ہم کود پڑیں گے۔ اس کے علاوہ یہ قرآن ہی ہے جو انسانی آزادی اور انسان کی شخصی ذمہ داری اور فریضے کے موضوع پر پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

{انا...واما کفورا} (۳) {انا ھدیناہ...النجدین} (۴) {ومن اراد... مشکورا} (۵) قرآن کی ایسی بہت سی آیتیں ہیں جن میں {بما کسبت ایدیکم} آیا ہے ہم خدا کو جن برائیوں اور خرابیوں سے نسبت دیتے ہیں خدا کا ان سے پاک اور بری ہونا قرآن بار بار بیان کرتا ہے: {وما ظلمناھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون} (۶) اگر لوگ مصیبت زدہ اور مجبور ہو گئے تو ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

ان افترا پردازیوں اور جھوٹی باتوں کے بالکل برعکس ایک اور بات یہ ہے کہ اسلام میں ایک ایسا مسئلہ موجود ہے جو دوسری قوموں (آج کی دنیا اور قوموں) میں دینی قانون کی حیثیت سے نہیں ملتا۔ (البتہ یہ میں نہیں کہتا کہ قدیم پیغمبروں کے یہاں نہیں تھا) اور وہ یہ ہے: اسلام تنہا ایک فرد کو اپنے لئے اور خدا کے

۱۔ مائدہ: ۲۱۔

۲۔ مائدہ: ۲۴۔

۳۔ دہر: ۳۔

۴۔ بلد: ۱۰

۵۔ اسراء: ۱۹

۶۔ نحل: ۱۱۸

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سامنے ذمہ دار، جواب دہ اور مکلف نہیں جانتا ہے بلکہ فرد کو جماعت کے لحاظ سے بھی ذمہ دار اور جواب دہ سمجھتا ہے۔ "امر بالعروف اور نہی عن المنکر" یہی ہے کہ انسان! تنہا بطور ایک شخص یا ایک فرد اپنے پروردگار کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہے بلکہ سماج کے سامنے بھی ذمہ دار ہے۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا دن قضاوقدر کا دن ہے؟ البتہ قضاوقدر اس مفہوم میں جس میں وہ کہتے ہیں یعنی خدا کا پورے کرتا ہے اور انسان اس وقوع اور دائرے سے باہر ہو انسان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، ایسی قضاوقدر جو انسان کی خود مختاری اور ذمہ داری چھین لیتی ہے، قرآن ایسی قضاوقدر کو تسلیم نہیں کرتا۔ کیا آپ اس سلسلے میں اس چھوٹی سی آیت سے بہتر کوئی جملہ پیش کر سکتے ہیں۔ قرآن میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ دو مقامات پر آیات ہے؟ {ان اللہ لایغیر... بانفسھم} (۱)

یہ آیت ان لوگوں کو جو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ خدا ہمیشہ کسی غیر معمولی طریقے پر کاموں کو درست کردے گا صاف صاف بتاتی ہے کہ بے فائدہ انتظار نہ کرو۔ "ان" یعنی تحقیق کی رو سے بات یہ ہے، حقیقت اور واقعی یہ ہے کہ وہ لوگوں کے حالات اور اطوار اس وقت تک نہیں سدھارتا "حتی یغیروا بانفسھم" جب تک کہ وہ لوگ خود ان باتوں کو تبدیل نہیں کرتے جو ان سے متعلق ہیں، جو ان کے اندر ہیں: اخلاق، ذہنیت، صلاحیتیں، غرض، نیت اور آخر میں خود ان کی ذاتی... کیا آپ اس سے بھی واضح اور صاف ذمہ داری دکھا سکتے ہیں؟... کسی جماعت کی پیش نظر ذمہ داری۔

ایک اور آیت میں ایک قدیم بگڑی ہوئی امت کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: {ذلک بان اللہ... بانفسھم} (۲)

ایک لحاظ سے اس آیت میں تاکید نسبتاً زیادہ ہے۔ یہ کہنے کے بعد کہ وہ لوگ یوں بگڑ گئے اور چونکہ انہوں نے اپنی حالت خراب کرلی ہم نے بھی اس کو اچھی حالت کو بری حال تمیں تبدیل کردیا فرماتا ہے: "ذلک بان اللہ' یہ اس وجہ سے ہے کہ خدا ایسا نہیں ہے یعنی جب ہم کہتے ہیں "کان اللہ' یا کہتے ہیں "ماکان اللہ" تو بات ایک سنت کی ہو رہی ہے کہ خدا ایسا نہیں ہے یعنی خدا کی خدائی کا تقاضا ہے کہ وہ ایسا نہ ہو (جس وقت انسان کہتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں، میں ایسا نہیں رہا ہوں تو وہ اپنی شخصیت پر بھروسہ کر کے یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں ایسا شخص ہوں کہ میری شخصیت کا لازمہ ہے کہ میں گزرے زمانے میں ایسا تھا، آج بھی ایسا ہی ہوں): {ذلک بان... بانسھم} خدا ایسا نہیں ہے۔ کیا ہم اس سے بہتر ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟ کیا ہم اس سے زیادہ اطمینان دلا سکتے ہیں وہ "انتظارات" جس شکل میں ہم انتظار کر رہے ہیں وہ بیہودہ ہیں؟ یہاں نص قرآن ہے، ہم قرآن کی نص سے ٹکرا نہیں سکتے۔

علامہ اقبال نے اسی آیت سے ایک نکتہ پیدا کیا ہے جو بہت ہی اعلیٰ ہے۔ "حتی یغیروا" کی ضمیر سے استفادہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں (۲) قرآن فرماتا ہے: "حتی یغیروا ما بانفسھم" اور یوں نہیں فرماتا ہے "حتی یغیر وا ما بسنھم" اگر ایسا کہتا تو اس کے معنی یہ ہوتے: خدا آدمیوں کے احوال کو چاہے وہ اچھے ہوں یا برے اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ خود ان سے متعلق یعنی روح، اخلاق اور ان خصوصیات سے متعلق جو ان کے اختیار اور عمل میں ہیں احوال اور اضاع بدل نہیں جاتے۔ نہیں ایسا نہیں فرماتا بلکہ "یغیروا" فرماتا ہے یعنی جب تک وہ خود اپنی ایجاد، اختیار اور سوچ کے ثبات میں پیشرفت نہیں کرتے ان کی وضع اور حالت نہیں بدلتی یعنی اگر کوئی اور قوم آکر لوگوں کے اطوار واحوال زور زبردستی سے بدلنا چاہے جب تک کہ وہ لوگ خود ارادہ نہیں کرلیتے جب تک کہ وہ لوگ خود سوچ بچار میں ثبات پیدا نہیں کرتے ان کی وضع نہیں بدل سکتی۔ اے لوگو! انتظار نہ کرو کہ باہر سے دوسرے آئیں اور تمہاری

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وضع درست کریں، جو قوم یہ چاہے کہ باہر کے مشیر اس کیلئے کوئی ارادہ کریں تو کبھی بھی وہ آدمی نہیں بن سکے گی چونکہ وہ ''یغیروا'' نہیں ہے اسے ''یغیروا'' ہونا ہی چاہیے۔اس کے پاس ایجاد، خیال اور اسکیم ہونا

ا۔اسراء:۱۵

۲۔اقبال شناسی مصنف سید غلام رضا سعیدی۔

چاہئے، اسے خود اپنے لئے فیصلہ اور انتخاب کرنا چاہیے، جس وقت کوئی قوم ایسے مقام پر پہنچ گئی جہاں اس نے اپنے لئے کوئی فیصلہ کیا، خود ہی اپنا راستہ منتخب کیا، خود ہی اپنے کام میں طباعی دکھائی وہ قوم خدا کی رحمت اور تائید کی آس لگا سکتی ہے اور ان چیزوں کا انتظار کر سکتی ہے جن کے قرآن نام گناتا ہے خدا کے فیوض، خدا کی امداد اور خدا تائید کی توقع کر سکتی ہے۔اگر بیکار انتظار کرنا درست ہوتا اور انسان اپنی انسانی شخصیت پر ہی بھروسہ کرتا تو امام حسینؑ ہر شخص سے زیادہ اس بات کے لائق تھے کہ اس وقت تک انتظار کرتے رہتے جب تک خدا اپنی رحمت ان پر اور ان کی امت پر نازل نہ کرتا۔پھر انہوں نے انتظار کیوں نہیں کیا؟ امام حسینؑ چاہتے تھے {ان اللہ لا یغیر... بانفسھم} ہو۔آپؑ چاہتے تھے کہ اپنی طباعی سے کام لیں۔سماجی حالات میں تبدیلی لائیں اسی تعبیر سے جسے خود آپؑ نے پیغمبر اکرمؐ کی زبان سے کام لیتے تھے: ''فلم یغیر... مدخلہ'' کیسے تبدیل کریں؟ کیا ارادہ کریں؟

سیدھے سادے کاموں سے ہم بھی واقف ہیں، انجام دے سکتے ہیں۔سادہ مسائل کی سطح پر کام ہو تو سبھی خوب کر لیتے ہیں مثلاً اسلام نے کہا ہے کہ حاجی کی زیارت کو جاؤ (خوب، ہم جاتے ہیں، چائے پیتے ہیں، مٹھائی کھاتے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں، آجاتے ہیں) یا تشیع جنازہ میں شریک ہو جاؤ، فاتحہ کی مجالس میں شرکت کرو۔یہ اسلام کے آسان کام ہیں، ہر شخص یہ آسان کام کر سکتا ہے۔اسلام ہمیشہ ایسے کاموں سے نہیں چلتا، ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ اس وقت امام حسینؑ کی طرح کھڑا ہونا اور حرکت کرنا چاہئے، امام حسینؑ کی طرح قیام کرنا چاہئے جو نہ صرف اس دن کے اسلامی معاشرے کو جھنجھوڑ ڈالے بلکہ اس اس کی لہر پانچ سال کے بعد ایک رنگ میں اپنا اثر دکھائے، دس سال بعد دوسرے رنگ میں اثر ڈالے، تیس سال بعد ایک اور شکل میں ساٹھ سال کے بعد کسی اور شکل میں سو سال، پانچ سو سال کے بعد اور شکلوں میں اور ہزار سال کے بعد تحریکوں میں روح پھونکے۔اس کو کہتے ہیں:

{یغیروا ما بانفسھم}

ہم اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔کیا امام حسینؑ اپنے بچوں سے محبت نہیں کرتے تھے؟ یقیناً وہ زیادہ محبت کرتے تھے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ ایسے نہیں تھے کہ ہم سے کم اپنے اسماعیلؑ کو پیار کرتے تھے، بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہم سے بہتر انسان تھے اور یہ جذبات انسانی جذبات ہیں، وہ ہم سے بہتر انسان تھے اور ناگزیر طور پر ان کے انسانی جذبات بھی زیادہ بہتر تھے۔امام حسینؑ بھی ہم سے زیادہ اپنے بچوں کو پیار کرتے تھے لیکن

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس کے ساتھ ساتھ وہ خدا کو سب انسانوں اور سب چیزوں سے زیادہ دوست رکھتے تھے۔ وہ خدا کے سامنے اور خدا کی راہ میں کسی کو گنتی میں نہیں لاتے تھے۔

لکھا ہے کہ جن دنوں اباعبداللہؑ کربلا کی طرف بڑھ رہے تھے ان کا پورا خاندان ان کے ساتھ تھا۔

دراصل ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جب انسان سفر پر جاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے ساتھ ہوں تو اس کے سامنے ایک فطری ذمہ داری جاگ اٹھتی ہے اور ان کیلئے وہ برابر فکر مند رہتا ہے کہ کیا ہوگا؟

لکھا ہے کہ اسی طرح سفر کر رہے تھے کہ حضرت امام حسینؑ کو نیند آگئی اور اسی سواری کی حالت میں غنودگی طاری ہوگئی۔ ذرا سی دیر کے بعد آپؑ نے سر اٹھا کر فرمایا: ''اناللہ وانا الیہ راجعون''۔ جس وقت آپؑ نے یہ جملہ کہا اور کلمہ استرجاع زبان پر جاری کیا سب لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ امامؑ نے یہ جملہ کس لئے ادا کیا، کیا کوئی نئی خبر ہے امامؑ کے ایک عزیز بیٹے تھے، وہی جنہیں امام حسینؑ بہت چاہتے تھے اور اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔ ان صفات کے علاوہ ایک خاص صفت جس کے باعث یہ اپنے والد بزرگوار کو بہت زیادہ عزیز تھے آپ کی پیغمبر اکرمؐ سے کامل شباہت تھی (جب ایسا فرزند خطرے میں گھرا ہو تو باپ کو جتنا دکھ ہو کم ہے) یعنی جناب علی اکبرؑ سامنے آکر عرض کرتے ہیں: ''یاابتاہ! لم استرجعت؟'' آپؑ نے ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' کیوں کہا؟ آپؑ نے فرمایا: میں نے نیند میں فرشتے کی آواز سنی جو کہتا تھا: ''القوم یسیرون ولوامت تسیر بھم'' یہ قافلہ سفر کر رہا ہے لیکن موت ہے جو اس قافلے کو بڑھا لئے جا رہی ہے یعنی اس طرح میں فرشتے کی آواز سے سمجھ گیا کہ ہمارا انجام موت ہے، ہم اپنی موت کے یقینی انجام کی طرف جا رہے ہیں۔ بالکل وہی بات جو حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ سے کہتے ہیں۔)۱(

۱۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ سے کہتے ہیں: اے بیٹے! میں خواب میں بار بار دیکھتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ یہ معمولی خواب نہیں ہے، یہ ایک وحی ہے، مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں۔ (حضرت ابراہیمؑ اس بات کے فلسفے سے بالکل واقف نہیں ہیں البتہ انہیں یقین ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے) یہ بیٹا کیا کہتا ہے؟ آیا مثلاً یہ کہا کہ بابا! یہ خواب ہے، اگر کوئی مرنے کا خواب دیکھے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ انشاءاللہ میری عمر دراز ہوگی؟ انہوں نے کہا: {یاابت افعل...الصابرین} (صافات: ۱۰۲) بابا! چونکہ یہ بات خدا کی طرف سے آئی ہے اور وحی اور خدا کا حکم کافی ہے، اور کوئی سوال نہیں۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کا سر کاٹنا چاہتے ہیں ان پر یہ وحی نازل ہوتی ہے۔ {فلما اسلما...الرویا} (صافات: ۱۰۳ تا ۱۰۵) ابراہیم! ہم نہیں چاہتے کہ تم اپنے بیٹے کو ذبح کرو، ہمارا مقصد یہ نہیں تھا۔ اس کام کا کوئی فائدہ نہیں تھا، مقصد یہ تھا کہ معلوم ہو جائے تم باپ اور بیٹے خدا کے حکم کے سامنے کتنے اطاعت گزار ہو؟ تم خدا کا حکم بجالانے کیلئے کتنے آمادہ ہو؟ اس اطاعت کا دونوں نے ثبوت دیدیا: باپ نے قربانی دینے کی حد تک اور بیٹے نے قربانی ہونے کی حد تک۔ ہم اس سے زیادہ نہیں چاہتے تھے، اپنے بیٹے کا سر جدا نہ کر۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

انہوں نے کہا: باباجان! ''اولسنا علی الحق؟''، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیوں میرے پیارے بیٹے؟ جب یہ بات ہے، ہم کو مقدر جس طرف لے جا رہا ہے، لے جائیں...... بابا! مقدر میں موت ہے یا حیات، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہم حق کے راستے پر چل رہے ہیں یا نہیں؟ امام حسینؑ وجد میں آئے، خوش ہو گئے اور چہرہ بشاش ہو گیا آپؑ کی اس دعا سے انسان سمجھ سکتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: میں اس وقت اس قابل نہیں ہوں کہ تجھ جیسے شائستہ فرزند کے شایان شان جزا دے سکوں، خدا سے دعا مانگتا ہوں: اے خدا تو میری جگہ اس فرزند کو وہ جزا عطا فرما جو اس کے لائق ہو۔ ''جزاک اللہ عنی خیر الجزاء'' باپ کس قدر چاہتا ہے کہ ایسے فرزند کو مناسب موقع پر جزا دے؟ اب ذرا تصور کیجئے کہ عاشور کے دن ظہر کا وقت گزر چکا ہے۔ یہی بیٹا اسی باپ کے سامنے میدان جنگ میں جا کر دلیری اور جرأت دکھا چکا ہے، زور مندوں کو پچھاڑ چکا ہے، وار کر چکا ہے، وار کھا چکا ہے۔ حال یہ ہے کہ ان کا منہ خشک اور زبان خشک ہو کر لکڑی کی طرح سوکھ ہو گئی ہے۔ میدان سے پلٹتے ہیں۔ ان حالات میں (میں نہیں جانتا اس روز باپ نے جو جملہ اس سے کہا تھا وہی شاید اسے یاد ہو) آتے ہیں اور باپ سے درخواست کرتے ہیں: ''یا ابتاہ! العطش... سبیل؟'' باباجان! پیاس مجھے مار ڈال رہی ہے، ہتھیاروں کا وزن مجھے تکلیف دے راہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میرے حلق میں پانی کا ایک گھونٹ پہنچ جائے جس سے مجھ میں قوت آ جائے اور میں واپس جا کر جہاد کروں؟ اس فرزند رشید کو امام حسینؑ جو جواب دیتے ہیں وہ یہ ہے: پیارے بیٹے! مجھے امید ہے کہ تم بہت جلد شہادت پر فائز ہو گے اور اپنے جدؐ کے ہاتھوں سیراب ہو گے۔

تیسری مجلس

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط)۱(

الحمد اللہ رب... منالشیطان الرجیم۔ {التائبون العابدون... وبشر المومنین})۲(

پچھلی دونوں راتوں میں جو باتیں عرض کی گئیں ان سے معلوم ہوا کہ تحریک حسینی میں کل تین عوامل کارفرما رہے ہیں: ایک بیعت سے انکار، دوسرے اہل کوفہ کی دعوت قبول کرنا اور تیسرے جو دونوں سے زیادہ مستحکم ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک نے از خود امامؑ کیلئے ایک خصوصی فرض قبول کر لیا، ایک خاص ردعمل پیدا کر دیا۔ ہم نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس تحریک کی قدر و منزلت ان تینوں عوامل کے مطابق مختلف اور جدا جدا ہو جاتی ہے۔ اگر ہم صرف اہل کوفہ کی دعوت کے عامل کو نظر رکھیں تو اس تحریک کی ایک مقررہ حد تک اہمیت ہو گی۔ اگر بیعت سے انکار کے عامل کو نظر رکھیں تو اس کی اہمیت اور قدر و منزلت بہت زیادہ اور عظیم ہو گی۔ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عامل کو نظر میں رکھیں تو اس کی اہمیت سو فیصدی بڑھ جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ دعوت کے عامل سے کامیابی کا امکان تقریباً پچاس فیصدی یا اس سے بھی کمتر ہے لیکن بیعت سے انکار کے عامل سے اتنا بھی امکان نہیں ہے بلکہ وہ تو سو فیصدی خطرناک مقابلہ ہے۔

۱۔ یہ تقریر ۱۳۴۸/۱۲/۲۵ بمطابق ۸ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۰ ہجری کو کی گئی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۔توبہ:۱۲۲۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور بیعت کے عامل میں بھی اتنا ہی عظیم فرق ملتا ہے۔ بیعت کے عامل میں مطالبہ دشمن کی طرف سے ہے یعنی ایک غیر شرعی اور ناجائز مطالبہ ہے اس لئے امامؑ اس مطالبہ کے جواب میں ''نہ'' کہتے ہیں۔ منع کر دیتے ہیں، قبول نہیں کرتے۔ اگر ہم صرف اسی عامل کو نظر میں رکھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ امامؑ سے یہ مطالبہ نہ کرتے تو امامؑ ان کے مقابلے میں نہ کھڑے ہوتے چونکہ انہوں نے یہ مطالبہ کر دیا اس لئے امامؑ ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو یہ مطالبہ قبول نہیں کرتا ان لوگوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے لیکن جب ہم تیسرے عامل امر بالعمروف اور نہی عن المنکر کو نظر میں رکھتے ہیں نہ تو کوفہ کی دعوت اور نہ بیعت کا تقاضا بلکہ خود امامؑ ان کے مقابلے میں قیام کرتے ہیں اور یہاں بیعت کا مطالبہ بھی پیچھے جا پڑتا ہے بلکہ غور کریں تو امامؑ از خود ان لوگوں کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں۔ دراصل حالات کا بگاڑ، برائیوں کا پھیلاؤ، منکرات و ممنوعات کا عام ہونا، خود امامؑ کے الفاظ میں حرام کا حلال ہونا اور آخر میں معاشرے کو بگاڑنے والے ناگفتہ بہ حالات امامؑ کو ان کے مد مقابل کھڑا کر دیتے ہیں اور آپ کو قیام تک مجبور کرتے ہیں۔ امامؑ کے قیام کی اہمیت اس تیسرے عامل سے بہت بڑھ جاتی ہے یہ عامل ایک دوسری ہی شکل اختیار کر لیتا ہے، دوسرا ہی حساب کھول دیتا ہے اور اس بات کا نہایت اچھا اور اعلیٰ عامل حالات کا یہی پہلو ہے جس نے اس تحریک کو ایسی شائستگی عطا کر دی ہے کہ یہ ہمیشہ تاریخ کی پیشانی پر چمکتی رہے، الا بدالآباد تک زندہ رہے اور دنیا میں ایک دائمی عامل اور بے مثال تحریک بن کر رہے، البتہ مزید خصوصیات کے ساتھ جو میں عرض کروں گا۔

یہ عامل اس تحریک کی اہمیت کو بتہ زیادہ بڑھا دیتا ہے اور اس دلیل کی رو سے ہمیں چاہئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اسلام کے نقطہ نظر سے پہچاننے کی کوشش کریں کہ یہ کیا اصل ہے؟ یہ کیا چیز ہے؟ جو اس قدر بنیادی اور طاقتور ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ امام حسینؑ جیسے بہادر شخص کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اسلام کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دیں، اپنا خون بہائیں، اپنے رشتہ داروں کا خون بہائیں اور اپنی جان ایسی ہلاکت اور مصیبت میں ڈال دیں جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ تب ہم تقریباً تیرہ سو سال بعد امامؑ کے سامنے کھڑے ہو کر یوں گواہی دیتے ہیں:

''اشھد انک قد اقمت...اتیک الیقین''(۱) اس گواہی کے مفہوم پر ٹھیک ٹھیک غور کیجئے۔ ہم گواہی دیتے

۱۔زیارت وارث۔

ہیں کہ آپؑ نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ اس کے تمام شرائط کے ساتھ ادا کی۔)۱(

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

"وامرث بالمعروف ونھیت عن المنکر"، آپؑ نے نیکی ہدایت کی اور بدی سے روکا یعنی آپؑ کی پوری تحریک نیکی کا حکم اور بدی کی ممانعت ہے۔

"وجاھدت فی اللہ حق جھادہ" آپؑ نے خدا کی راہ میں جہاد کیسا جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اب ایک نکتہ یہ ہے کہ ہم زیارت وارثہ میں کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں۔ ہم کس شخص کیلئے گواہی دیتے ہیں؟ ہم عام طور پر قاضی کے یہاں جا کر گواہی دیا کرتے ہیں۔ جب قاضی کے سامنے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اور ہم اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: قاضی صاحب! میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے فلاں وقت فلاں عنوان کے تحت ان صاحب سے اتنی مقدار کی واپسی کا تقاضا کیا تھا، ہم اس وقت گواہی دیتے ہیں۔ ہم کس شخص کے سامنے گواہی دیتے ہیں؟ کیا خدا کے سامنے گواہی دیتے ہیں؟ کس کے حق میں؟ امام حسینؑ کے حق میں؟

معانی وبیان کے علماء ایک نکتہ کا ذکر کرتے ہیں جو بہت اعلیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ: بعض اوقات انسان کسی موقع پر کوئی بات اس لئے نہیں کہتا کہ سننے والا سمجھ جائے، اسے وہ بات سمجھائے بلکہ سننے والے کو یہ سمجھانے کیلئے کہتا ہے کہ میں اسے یوں سمجھ رہا ہوں۔ یہ بات بہت عام سی ہے، کبھی کبھی آپ کسی کے سامنے کسی بات کو گواہی دیتے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ سمجھ جائے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ خود یہ بات سمجھتا ہے بلکہ آپ اپنی گواہی سے اسے یہ سمجھانا چاہتے ہیں اس کے سامنے اقرار کرتے ہیں تاکہ وہ جان لے کر آپ یہ بات جانتے اور سمجھتے ہیں۔

)۱(۔ زکوٰۃ صرف پیسہ دے دینا نہیں ہے۔ دولت کی زکوٰۃ ہوتی ہے، گویائی کی زکوٰۃ ہوتی ہے، سوچ بچار کی زکوٰۃ ہوتی ہے، انسانی جسم کی مجموعی زکوٰۃ ہوتی ہے، ہاتھوں اور پیروں کی زکوٰۃ ہوتی ہے، آنکھ کی زکوٰۃ ہوتی ہے، کان کی زکوٰۃ ہوتی ہے یعنی ہر اس نعمت کا ایک حصہ جو خدا نے آپ کو عطا کی ہے جس وقت آپ خدا کی مخلوقات کے فائدے کیلئے دے دیتے ہیں تو گویا آپ نے اس کی زکوٰۃ دے دی۔ آپ قرآن پڑھتے ہیں: {الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلاۃ وممارزقناھم ینفقون} (بقرہ:۳) متقی وہ لوگ ہیں جو غیب اور غیر محسوس پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہے وہ اسے دوسروں کو بخش دیتے ہیں۔ جس وقت معصومؑ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے جس کیلئے خدا نے فرمایا ہے کہ: ہم نے جو کچھ عطا کیا ہے؟ تو امامؑ فرماتے ہیں: "ای مماعلمنا ھم یعلمون" اس میں مال ودولت کی خصوصیت نہیں ہے۔ اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ اگر تم عالم ہوا گر تو کوئی ایسی بات جانتے ہو جو دوسرے نہیں جانتے اگر تمہارے پاس ایسا علم ہے جو انسان کیلئے مفید ہے تو راہ خدا میں اس کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے حاجت مندوں تک پہنچاؤ، یہ بھی زکوٰۃ اور انفاق ہے۔

اس مقام پر گواہی کے معنی اقرار کے ہیں... میں گواہی دیتا ہوں یعنی میں بھی ہر سمجھدار اور حقیقت جاننے والے آدمی کیطرح اس بات کا اعتراف کرتا ہوں اور یہ بات مانتا ہوں اے اباعبداللہؑ! کہ آپ کی تحریک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تحریک تھی یعنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپؑ نے صرف اہل کوفہ کی دعوت پر قیام نہیں کیا۔ آپؑ تو ان کی دعوت سے پہلے ہی قیام کر چکے تھے، کوفیوں نے آپ کو بعد میں دعوت دی۔ میں گواہی دیتا ہوں مانتا ہوں کہ آپ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کی تحریک صرف یہ نہیں تھی کہ میں بیعت نہیں کرتا یعنی آپ کی تحریک صرف بیعت سے انکار کی تحریک نہیں تھی۔ آپ کی تحریک میں تو دوسری ہی بات شامل تھی۔ آپ نے اسلام کا ایک اصل جاری کر دیا اور وہ اصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ امر بالعمروف اور نہی عن المنکر نے حسینی تحریک کے مقام اور مقدر کو بہت بلند کر دیا ہے۔ اس ایک خصوصیت بلکہ اور بھی دوسری خصوصیات کے علاوہ ایک ایسی خصوصیت بیان کرتا ہوں جو پیغمبروں، اللہ کے ولیوں اور مومنوں کی تمام تحریکوں کو دوسرے انسانی رہبروں اور غیر رہبروں کی تحریک سے ممتاز کرتی ہے۔ امتیاز بخشتی ہے۔ وہ کیا ہے؟ انسان کے عمل کا ایک جسم ہوتا ہے اور ایک روح ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ میں اور آپ کوئی یکساں طور پر انجام دیں لیکن کس نقطہ نظر سے یکساں؟ اس نقطہ نظر سے کہ میرے کام کا جسم آپ کے کام کے جسم ایک جیسا ہے۔ فرض کیجئے ہم دونوں آدمی نماز پڑھتے ہیں، ہم دونوں فلاں نیک کام میں پیسہ خرچ کرتے ہیں، میں سو روپے دیتا ہوں آپ بھی سو روپے دیتے ہیں، میں چار رکعت نماز پڑھتا ہوں آپ بھی چار رکعت نماز پڑھتا ہیں۔ ان کاموں کی ادائیگی میں ایک دوسرے کے مابین کوئی فرق نہیں ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ آپ جس خلوص نیت، خضوع اور خشوع، جس اخلاص و محبت، جس عشق اور جس روحانی جذبے سے سر شار ہوں اس سے میں نہ ہوں۔ یہ بات آپ کے کام کی قدر و قیمت کو میرے کام سے ہزار گناہ بڑھا دیتی ہے۔ خدا کی راہ میں تو بہت سے لوگوں نے جہاد کیا لیکن ''ضربۃ... الثقلین'' کس لئے ہے؟ علیؑ کا ایک ایک وار اتنی اہمیت حاصل کر جاتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ علیؑ وہاں پہنچ گئے تھے جہاں اہل عرفان کے قول کے مطابق ''فنا فی اللہ'' ہو گئے تھے یعنی ان کے وجود میں انانئیت اور خودی جیسی کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی۔ اس حال میں جب دشمن آپ کے منہ پر تھوک دیتا ہے تو آپ اس کا سر کاٹنے سے رک جاتے ہیں کہ کہیں اس کے اس فعل سے پیدا ہونے والا غصہ آپؑ کے عمل پر اثر انداز نہ ہو جائے، آپؑ کے عمل کی روح کو متاثر نہ کر دے، وہ چاہتے ہیں کہ اس مقام پر اس کا وجود باقی نہ رہے، اس کی روح میں صرف خدا کا وجود ہو۔ آپ یہ پہلو صرف انبیاء اور اولیاء کے مکتب ہیں ہی دیکھیں گے۔ انبیاء کے مکتب کے علاوہ کسی اور مکتب میں ایسی بات نہیں پائیں گے۔

اس آیت میں جو ابتدا میں تلاوت کی گئی: {التائبون... عن المنکر} (۱) دوسرے چند لفظوں کے بعد ''التابون'' کا لفظ آتا ہے یعنی خدا کی طرف پلٹنے والے۔ عرفاء کہتے ہیں کہ سلوک کی پہلی منزل توبہ ہے کیسی توبہ یعنی واپسی، جو شخص کسی دوسری راہ پر چلتا ہے وہ ایک بار حق کی راہ پر واپس آتا ہے، خدا کی طرف پلٹتا ہے ''التابون العابدون'' توبہ کے بعد یہ لوگ خدا کے عبادت گزار ہو جاتے ہیں، خدا کی عبادت کرتے ہیں، غیر خدا کو نہیں پوجتے، خدا ان کے وجود پر حکومت کرتا ہے، خدا کے علاوہ ان کا کوئی حاکم نہیں ہوتا، یہ صرف خدا کا حکم مانتے ہیں، غیر خدا کا حکم نہیں مانتے، خدا کی اطاعت کرتے ہیں غیر خدا کی پیروی نہیں کرتے، ''الحامدون'' یہ حمد کرتے ہیں لیکن خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کی تعریف نہیں کرتے، دوسری ہستی کو مطلق اس لائق نہیں سمجھتے کہ اس کی مدح کریں، اسے سراہیں، اس کے گن گائیں، یہ صرف خدا کی تعریف کرنے اور اسی کے گن گانے والے ہیں ''السائحون'' سیاحت کرنے والے ہیں۔ سیاحت کے بارے میں تفسیروں میں مختلف بیانات ملتے ہیں، بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد روزہ رکھنا ہے یعنی روحانی سیاحت جو روزے میں ہوتی ہے لیکن بہت سے محققین کی طرح علامہ طباطبائی بھی المیزان میں اسے نہیں مانتے۔ ایک گمان یہ ہے کہ وہ لوگ جو زمین کی سیر کرتے ہیں کیونکہ قرآن میں انسان کو زمین کی سیر کی دعوت دی گئی ہے، زمین کی کیسی سیر؟ دنیا کا مطالعہ... وہ سیر و سیاحت نہیں جس کا مقصد صرف تفریح اور من

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بہلاوا ہو! اسلام انسان کی زندگی کو اس سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہے کہ وہ صرف تماشائی کی حیثیت سے دنیا کی سیر کرتا پھرے البتہ اسلام ایسی سیاحت کی سفارش کرتا ہے جس میں انسان سوچے، غور کرے، سبق حاصل کرے: { قل سیر وا فی الارض } یہ سبق اور سوچ بچار ہے۔ "السائحون" وہ تاریخ کا مطالعہ کرین والے، وہ انسانی معاشروں کے حالات کا مطالعہ کرنے والے، وہ آفرینش کائنات کے قوانین کا مطالعہ کرنے والے، وہ جو اپنے ذہنوں میں کثیر تعداد روشن خیالات رکھتے ہیں۔ اس کے بعد عبادت کے دو مظاہر بیان کرتی ہے: "الراکعون الساجدون" وہ لوگ جو رکوع اور سجدے کی حالت میں اپنے خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں، رکوع میں کہتے ہیں: "سبحان ربی العظیم وبحمدہ" سجدوں میں کہتے ہیں: "سبحان ربی الاعلی وبحمدہ" یہ "سبحان ربی العظیم وبحمدہ" اور "سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ" کہنے والے "الآمرون بالمعروف و

۱۔ توبہ: ۱۱۲۔

الناھون عن المنکر" ہیں یہ ایسی روح، ایسے خیالات، ایسے روحانی سامان، ایسی روحانی پونجی کے ساتھ معاشرے کی اصلاح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو پہلے خود نیک بن چکے ہیں بعد میں چاہتے ہیں کہ دوسروں کی اصلاح کریں دوسروں کو نیک بنائیں۔ آمر معروف اور ناہی منکر یعنی مصلح، اصلاح کرنے والے، سدھارنے والے۔ کیا غیر صالح صالح ہو سکتا ہے؟ وہ لوگ جنہوں نے پہلے اپنی اصلاح کی ہے۔ اپنے آپ کو ادب سکھایا اور تربیت دی ہے مصلح یعنی سدھارنے والے، اصلاح کرنے والے ہو سکتے ہیں۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں: "من نصب نفسہ ... و مودبھم" (۱) یعنی جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کی رہنمائی کیلئے پیش کرتا ہے، لوگوں کا ہادی اور رہبر بن کر پیش کرتا ہے اسے چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے آپ سے شروع کرے، پہلے اپنے آپ کو تعلیم دے۔ یہ سمجھ لے کہ خود اس کے اندر ایک جاہل موجود ہے، پہلے اس جاہل کی تلقین کرے جو خود اس کے اندر موجود ہے اور جس کا نام نفس امارہ ہے۔ یاد رکھے کہ خود اس کے اندر ایک غیر تربیت یافتہ ہستی ہے پہلے اس کی تربیت اور تادیب کرے، پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرے، ملامت کرے، اپنے نفس سے حساب لے، جب وہ اپنی درستی اور تہذیب کرکے نیک بن جائے تب اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کر سکتا ہوں، لوگوں کو وعظ دے سکتا ہوں، لوگوں کو تعلیم دے سکتا ہوں، لوگوں کی تربیت اور تادیب کر سکتا ہوں، معاشرے کا مصلح بن سکتا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: جو شخص اپنے آپ کو تعلیم دیتا اور سدھارتا ہے وہ اس شخص سے زیادہ احترام کے لائق ہے جو لوگوں کو تعلیم اور تربیت دیتا ہے کیونکہ یہ کام زیادہ مشکل اور زیادہ اہم ہے۔ پھر حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: "الحق اوسع ... تلتناصف ..." کیا جملہ ہے! لوگ انہیں دل پر نقش کر لیں۔ فرمایا ہے حق اور عدالت کا میدان...... بات کہتے، گفتگو کرتے، تقریر کرتے اور زبان سے کام لیتے وقت بہت وسیع اور کشادہ ہوتا ہے یعنی باتیں کرنے کیلئے حق کے میدان سے زیادہ وسیع کوئی میدان ہے اگر انسان چاہے کہ حق کے متعلق ہر موضوع سے زیادہ لچھے دار تقریر کرے، لسانی سے کام لے، گفتگو کرے تو نہایت آزادی اور سہولت سے کر سکتا ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لیکن جب عمل کا موقع آتا ہے تو پھر حق کے میدان سے زیادہ تنگ اور کوئی میدان نہیں ہوتا، اس وقت انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا دشوار ہے، حق کے بارے میں باتیں بتانا جتنا آسان تھا عمل کا موقع پر ایک قدم اٹھانا بھی اتنا مشکل ہو جاتا ہے۔

یہاں قرآن بھی {التائبون...الساجدون} کہنے کے بعد {الامرون... عن المنکر} کہتا ہے۔ یہ لوگ ہیں جو نیکی پھیلانے کی راہ پر چلتے ہیں، بدی اور بگاڑ کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو یہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ "وبشر المومنین" یہاں مومنوں کو خوش خبری سنا دو کہ اگر وہ "تائب" (توبہ کرنے والے)، "عابد" (عبادت کرنے والے)، "سائح" (سیاحت کرنے والے)، "راکع" (رکوع کرنے والے) اور "ساجد" (سجدہ کرنے والے) ہو گئے اور اس کے بعد نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے والے بن گئے تو وہ کامیاب ہو جائیں گے اور اگر سب کچھ ہونے کے بعد بھی وہ نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے والے نہیں بن سکے تو انہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اگر وہ نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے روکتے بھی تھے لیکن خود ان کا دامن صاف نہیں تھا، اگر دوسروں سے توبہ کرانے والوں نے خود توبہ کم کی تب بھی وہ کچھ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "لعن اللہ...العالمین بہ"(۱) خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جو دوسروں کو نیکی کی تلقین تو کرتے ہیں لیکن خود اس نیک کام کے خلاف کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو دوسروں کو برائیوں سے روکتے ہیں لیکن خود انہیں برائیوں پر عمل کرتے ہیں یعنی جو نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے خود "التائبون" نہیں ہیں، "العابدون" نہیں ہیں، "الحامدون" نہیں ہیں، "السائحون" نہیں ہیں، "الراکعون" نہیں ہیں، "الساجدون" نہیں ہیں، جنہوں نے ابھی یہ مراحل او رمنزلیں طے نہیں کی ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر بن جائیں خدا ایسے لوگوں پر لعنت کرے۔

عارفوں کی اپنی ایک اصطلاح ہے: وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سالک چار مختلف سیریں کرتے ہیں:

۱۔ سیر من الخلق الی الحق: یعنی دنیا اور فطرت کی طرف سے خدا کی سیر۔

۲۔ سیر بالحق فی الحق: خود خدا کی ذات کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں۔

۳۔ سیر من الحق الی الخلق۔ خدا کی طرف سے خلق کی طرف سیر یعنی لوگوں کی ہدایت و رہبری کیلئے آنا۔

۱۔ نہج البلاغہ خ ۱۲۹

۴۔ سیر بالحق فی الخلق: دراصل وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو شخص ایسی لیاقت رکھتا ہے کہ دوسروں کی مدد کر سکے، دوسروں کا ہادی اور رہنما ہو سکے، نیکی کا حکم دے سکے اور بدی سے روک سکے کیونکہ وہ خود اس منزل تک پہنچا ہے اور بعد میں اسے یہ حکم ملا ہے کہ وہ لوگ کو اس مقام تک لے جائے جہاں وہ خود فائض ہوا ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

معلوم ہوا کہ حسینی تحریک کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے یہ عظمت اور یہ قدر و قیمت حاصل ہوئی ہے۔ تو اس اصل کو پہچان لینا چاہئے کہ یہ اصل کتنی اہمیت رکھتا ہے جو امام حسینؑ اپنے آپ کو اس کی خاطر شہید کر دیتے ہیں اور وہ کتنا شائستہ ہے جو اس کی خاطر امام حسینؑ کی طرح قربان ہو جائے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہ بے مثل اصل ہے جو اسلام کی بقا کا ضامن ہے۔ اصطلاح فلسفہ میں ''علت مبقیہ'' سے یعنی باقی رکھنے والا عامل ہے، واقعی اگر یہ اصل نہ ہو تو اسلام بھی نہ رہے۔ یہ مسلمانوں کی حالت کی برابر جانچ پڑتال کرتا رہتا ہے۔ آیا کوئی کارخانہ، ماہر انجینیئروں کی مسلسل جانچ پڑتال کے بغیر جو یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ اس کی کیا حالت ہے باقی رہ سکتا ہے؟ کیا یہ اصولی طور پر ممکن ہے کہ کوئی کارخانہ بدستور اپنے حال پر قائم رہے، ہم اس کے متعلق بالکل ہی نہیں سوچیں اور پھر بھی وہ اپنی وضع پر چلتا رہے؟ ہرگز نہیں! یہی حال جامعہ کا ہے۔ ایک اسلامی جامعہ کا یہی طور یہ بلکہ سو درجے بلند و بالا۔ آپ کون سا انسان ایسے پیش کر سکتے ہیں جو معالج کا محتاج نہ ہو؟! یا تو انسان خود ہی اپنے جسم کا معالج ہو یا دوسرے معالج ہوں جو اس کا علاج کریں۔ آنکھ کا ماہر، کان، حلق، ناک کا ماہر، اعصاب کا ماہر۔ انسان ہمیشہ طرح طرح کے معالجوں پر نظر ڈالتا رہتا ہے تاکہ وہ اس کے جسم کا معائنہ کریں اور یہ دیکھیں کہ اس کی کیا حالت ہے۔ تو کیا پھر معاشرہ غور و فکر اور دیکھ بھال کا محتاج نہیں ہوتا؟ کیا جامعہ جانچ پڑتال نہیں چاہتا؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں! امام حسینؑ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر یعنی اس بنیادی اصل کی خاطر جو اسلامی جامعہ کی بقا کا ضامن ہے، مارے گئے۔ یہ اصل اگر نہ ہو تو انجام معاشرہ کا پارہ پارہ ہو جانا ہے، بکھر جانا ہے، اس کا انجام جماعت کے ڈھانچے کا ٹوٹ جانا، نابودی اور بربادی ہے۔ ہاں! یہ اصل اتنی اہمیت رکھتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کی بہت سی آیات موجود ہیں۔ قرآن کریم کچھ قدیم معاشروں کا ذکر کرتا اور کہتا ہے کہ یہ بکھر گئے، ہلاک ہو گئے، تباہ و برباد ہو گئے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کا موجب ان معاشروں میں اصلاح کی توانائی اور قوت نہ ہونا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قوت نہ تھی بلکہ ان لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا احساس بھی مردہ ہو چکا تھا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط

اب ہم دیکھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کون کون سی شرائط ہیں اور ہم کس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتے ہیں؟ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ ''معروف'' اور ''منکر'' کے کیا معنی ہیں؟ ''امر بالمعروف و نھی عن المنکر'' کسے کہتے ہیں؟ اسلام نے یہ نہیں چاہا کہ ''امر بالمعروف و نھی عن المنکر'' کے موضوع کو مقررہ اشیاء جیسے عبادات، معاملات، اخلاقیات، گھریلو احاطے وغیرہ میں محدود کرے اس لئے ایک عام لفظ استعمال کیا ہے ''معروف'' یعنی ہر موقع پر (نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں) امر بالمعروف لازم ہے۔ اس کی ضد ہر برا کام ہے، اس نے شرک یا فسق یا غیبت یا جھوٹ یا عیب جوئی یا تفرقہ اندازی یا سود یا ریا اور منافقت نہیں کہا بلکہ منکر کہا بلکہ منکر کہا یعنی ہر چیز جو بری اور خراب ہے۔ ''امر'' یعنی حکم ''نھی'' یعنی ممانعت، روک ٹوک۔ لیکن یہ حکم کیا ہے؟ کیا اس حکم سے لفظی حکم مراد ہے؟ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف زبانی معاملہ ہے؟ کیا صرف زبان سے ہی نیکی کا حکم دینا چاہئے اور زبان سے ہی بدی کی ممانعت کرنا چاہئے؟ نہیں! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق دل اور ضمیر سے ہے، زبان سے ہے، ہاتھ اور عمل سے بھی ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اپنے پورے وجود کے ساتھ آمر معروف اور ناہی منکر ہوں۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے لوگوں نے پوچھا کہ قرآن نے روئے زمین کے بعض جانداروں کیلئے کہا کہ وہ مردہ ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ ''میت الاحیاء'' زندوں میں مردہ کون ہے اور کیسے ہے؟ آپ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نے جواب دیا: انسانوں کے کئی طبقے ہیں۔ بعض لوگ جب منکرات کو دیکھتے ہیں تو ان کے دل پر اثر ہوتا ہے، ان کی ہڈیوں کا گودا تک جلنے لگتا ہے، ان کی زبان کھل جاتی ہے، وہ تنقید کرنے لگتے ہیں، کہہ اٹھتے ہیں، ہدایت کرتے ہیں، اس پر بھی قناعت نہیں کرتے اور عمل پر اتر آتے ہیں۔ جس قسم کے عمل سے ممکن ہوتا ہے، نرمی سے، سختی سے مار، پیٹ سے یا ڈنڈے سے ہو غرض جس عمل سے بھی وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس منکر سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے اسے انجام دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمام زندوں کا ایک زندہ ہے۔ بعض دوسرے ایسے ہوتے ہیں کہ جس وقت منکرات کو دیکھتے ہیں ان کے دل سلگ اٹھتے ہیں، زبان سے کہنے لگتے ہیں، چیخنے چلانے لگتے ہیں، فریاد اور احتجاج کرتے ہیں، نصیحت کرتے ہیں، وعظ و پند دیتے ہیں لیکن جب عمل کی باری آتی ہے تو میدان میں نہیں آتے۔ آپؑ نے فرمایا: اس میں بھی زندگی کی دو تین خصلتیں ملتی ہیں لیکن زندگی کی ایک خصلت نہیں ملتی۔

تیسری قسم: اس شخص کے دل میں آگ لگ جاتی ہے لیکن صرف جوش میں آتا ہے، صرف ناخوش ہوتا ہے۔ مثلاً اخبار پڑھتا ہے۔ دیکھتا ہے لوگ عید (نو روز) کے دنوں میں امام حسینؑ کا احترام قائم نہیں رکھتے۔ اخبارات پروپیگنڈا کرتے ہیں، ریڈیو چیختا ہے کہ اس وقت کو تفریح میں صرف کرو! کیا بیٹھے ہوئے ہو، تہران کے آدھے لوگ چلے گئے، مختلف جگہوں پر پہنچ چکے ہیں، تمہاری دس دن کی تعطیل ہے۔ یہ سب پڑھتا ہے، دل میں کہتا ہے، یہ کیسے لوگ ہیں؟ یہ امام حسینؑ سے کیوں لڑتے ہیں؟ کس لئے ایک شخص بھی ایک لفظ کسی اخبار میں یا دوسری جگہ نہیں لکھتا کہ بابا تفریح کا وقت اور بھی ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ امام حسینؑ کا ہماری روح سے تعلق ہے۔ ہم نے اس مکتب سے فائدہ اٹھالیا ہے۔ اور اٹھا رہے ہیں۔ یہ ملک امام حسینؑ کا ملک ہے، شیعہ ملک ہے، امام حسینؑ اس قوم کا نعرہ ہیں، ملک کا نعرہ ہیں، یہ امام حسینؑ کی توہین ہے کہ آپ ان دنوں میں سیر و تفریح کیلئے چلے جائیں! وہ اخبار میں پڑھتا ہے، جوش میں بھی آتا ہے لیکن اس کیلئے تیار نہیں ہے کہ اپنے دوست سے بھی یہ کہے کہ امام حسینؑ کا احترام قائم رکھ! امام حسینؑ کے سوئم تک ٹھہر ارہ۔ کم سے کم اباعبداللہ کے احترام کی اتنی سی قدر محفوظ رکھ، ہم نے امام حسینؑ کی حفاظت نہیں کی ہے، امام حسینؑ ہیں کہ جنہوں نے اب تک ہماری حفاظت کی ہے۔ علامہ اقبال کے قول کے مطابق: ''مسلمانوں نے کسی وقت بھی اسلام کی حفاظت نہیں کی ہے۔ یہ ہمیشہ اسلام ہی رہا ہے جس نے مسلمانوں کی نگہداری کی ہے''۔ ملک کو جس وقت کوئی سنگین خطرہ لاحق ہوتا ہے تب آپ دیکھیں گے کہ لوگوں کو حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور نہج البلاغہ یاد آتے ہیں، امام حسینؑ یاد آتے ہیں۔!

خدا کی قسم یہ سب کچھ اسلام کے خلاف جنگ ہے، اسلام کو مار ڈالنا ہے۔ دین کے شعار کو زندہ رکھئے، دین کی شعار میں سے ایک بچوں کے ''نام'' ہیں۔ میری سمجھ میں لوگوں کی ایک بات نہیں آتی کہ فلاں نام رواج سے اتر گیا، پرانا ہو گیا۔ کیا مطلب؟ کیا نام میں بھی نیا پن اور پرانا پن ہوتا ہے؟ چونکہ فلاں خادمہ کا نام فاطمہ ہے اس لئے فاطمہ خادمہ کا نام ہے۔ نہایت عجیب بات ہے، اب ہم اپنی بیٹیوں کا نام فاطمہ نہ رکھیں! یہ بھی ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک منزل یہ بھی ہے کہ آپ اپنے بیٹوں کے اسلامی نام رکھئے (یہ امر بالمعروف ہے) اور غیر اسلامی ناموں کی مخالفت کیجئے (یہ نہی عن المنکر ہے) اپنے اداروں کے نام اسلامی رکھئے، اپ مدرسہ کی بنیاد رکھتے ہیں، شفاخانہ بناتے ہیں، ان میں یہ بات مشترک رکھئے۔ اسلامی نام زندہ رکھئے۔ اسلام کی زبان زندہ رکھئے، عربی زبان ایک قوم کی زبان نہیں ہے، اسلام کی زبان ہے، عربی زبان عرب کی زبان نہیں ہے اسلام کی زبان ہے، اگر قرآن نہ ہوتا تو دنیا میں اس زبان کا بھی مطلق وجود نہ ہوتا۔ ہمارا اہم فریضہ یہ ہے کہ ہم اس زبان کی حفاظت کریں۔ جو

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ثقافت اور جو تہذیب زندہ رہنا چاہتی ہے اس کی زبان کو زندہ رہنا چاہیے، اگر اس کی زبان مر گئی تو سمجھئے کہ وہ خود بھی مردہ ہو گئی۔ اس کھلم کھلا لڑائی پر جو آپ عربی زبان کے خلاف دیکھتے ہیں آپ کو چونکنا اور سمجھنا چاہئے، شعور رکھئے، عقل رکھئے۔ خدا کی قسم یہ اسلام سے جنگ ہے، یہ حروف تہجی (الف، ب) سے لڑائی نہیں ہے۔ خدا کی قسم ہم پر عربی زبان کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اسلام کی اس زبان کی حفاظت کریں، اسے بچائیں۔ آپکی کسی نے مزاحمت کی ہے؟ کلاسیں بنائیں اور جو عربی جانتے ہیں انہیں بلائیے۔ آپ خود، آپ کی بیویاں، آپ کے بچے یہ زبان سیکھیں۔ اگر آپ سیکھ لیں گتے تو نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ آپ کو بہت فائدہ ہوگا کیونکہ یہ بھی ایک دنیا کی زندہ زبان ہے۔ یہ جو انگریزی زبان والوں نے اپنی زبان کو اشاعت کی اور اسے اس حد تک ہم پر تھوپا اور مسلط کیا کہ وہ ہمارے گھروں کے اندر بھی نفوذ کر گئی ہے آخر کس لئے؟ کیا ان کے دل ہمارے حال پر کڑھتے تھے؟ یہ صرف اس لئے ہوا کہ وہ اپنی عادات ہم پر تھوپیں اپنے افکار کو ہم پر مسلط کریں، اپنی ثقافت کو ہم پر مسلط کریں اپنی روح کو ہماری روح میں ڈالیں تا کہ ہماری روح کو حقیر و ناچیز بنا دیں۔

ہم مسلمان کتنے غافل تھے اور کتنے غافل ہیں؟ نہ صرف ہم ایرانی بلکہ دنیائے اسلام میں جس جگہ انسان پہنچتا ہے یہ دیکھتا ہے کہ صدیوں سے سو رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے رفتہ رفتہ مسلمان جاگنے لگے ہیں۔ کہ اس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس وقت دو مختلف ملکوں کے دو مسلمان مکہ یا مدینہ میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھ پاتے مجبوراً انگریزی زبان کے وسیلے سے کام لیتے ہیں۔ یہ تین سو چار سو سال کی اسکیمیں ہیں۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ ہم ان اسکیموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں؟ { کنتم خیر... عن المنکر } (۱) یہ عظیم فریضہ (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) دو رکن اور دو بنیادی شرطیں رکھتا ہے۔ ایک رکن اور شرط رشد، آگاہی اور بصیرت ہے۔ میں نے جو ابھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا تو لازمی طور پر ہم سب نے یہ سوچا کہ اچھا یہاں سے چلیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ میں اور آپ کچھ سمجھے بھی کہ امر بالعمروف اور نہی عن المنکر کیا ہے اور کس طرح کیا جاتا ہے؟ ابھی تک تو ہمارا امر بالعمروف اور نہی عن المنکر لوگوں کے لباس کے بٹن اور جوتے کے بندوں کے متعلق رہا ہے، لوگوں کے سر کے بالوں اور لباس کی سلائی کے آس پاس رہا ہے!... ہم معروف کو کیا پہچانیں کہ کیا ہے؟ منکر کو کیا جانیں کہ کیا ہے؟ ہم کبھی معروف کو منکر سمجھ بیٹھتے ہیں اور کبھی منکر کو معروف۔ بہتر یہی ہے کہ ہم جاہل لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کریں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام سے کیسے کیسے منکرات نہیں ہوئے؟... آگاہی اور بصیرت چاہتی ہے، دانا و بینا، کار آزمودہ چاہتی ہے، حقائق شناس، نفسیات اور جامعہ شناسی چاہتی ہے تا کہ انسان سمجھ لے کہ امر بالعمروف اور نہی عن المنکر کس طرح کرے؟ یعنی نیکی کی راہ کو پہچانے اور جانے کی نیکی کہاں ہے؟ منکر کو پہچانے، منکر کو جڑ سے اکھاڑ دے کہ اس کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اسی لئے تو آئمہ دینؑ سے فرمایا ہے: بہتر ہے کہ جاہل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے کیوں؟... "لانہ... یصلحہ"

وجہ یہ ہے کہ جس وقت جاہل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بہتر کرنا چاہتا ہے آزمودہ کار نہ ہونے کی وجہ سے بدتر کر بیٹھتا ہے، اس ضمن میں بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ شاید آپ کہیں ہم جاہل ہیں اس لئے ہم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں رہا! آپ کو جواب دیا جا چکا ہے، قرآن فرماتا ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

: {لیھلک من... عن بینۃ} (۲) {الا یکون...بعد الرسل } (۳)ایک معصومؑ سے پوچھتے ہیں: بعض لوگ جاہل ہوتے ہیں، قیامت میں ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟

۱۔آل عمران:۱۱۰

۲۔انفال:۴۲۔

۳۔نساء:۱۶۵

ٓاپ فرماتے ہیں: اس دن ایک عالم کو لائیں گے جس نے عمل نہیں کیا ہے، اس سے پوچھیں گے تو نے عمل کیوں نہیں کیا؟ جواب نہیں بن پڑتا تو وہ اپنے شرمناک اور خوفناک مقدر سے دوچار ہو گا۔ ایک آدمی کو لائیں گے اور پوچھیں گے تو نے عمل کیوں نہیں کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نہیں سمجھ سکا، میں نہیں جان پایا! وہ کہیں گے: ''ھلا تعلمت'' (۱) میں نہیں جانتا، میں نہیں سمجھتا بھی کوئی عذر ہوا؟ خدا نے عقل کس لیے پیدا کی ہے؟ اس لئے کہ تو سمجھے، جستجو کرے، کریدے، تحقیق کرے۔ تجھے تو ان لوگوں میں سے ہونا چاہئے کہ جو نہ صرف اپنے ہی زمانے کے حالات بھی سمجھیں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے: ''ولا تخوف فارعۃ حتی تحل بنا'' (۲) ہمارے لوگ نادان رہے ہیں۔ وہ ان بلائوں کو جو ان پر نازل ہوتی ہیں اس وقت تک نہیں پہچان پاتے جب تک کہ وہ ان کے سامنے نہ آ جائیں، ان میں پیش بینی نہیں ہے۔ پیش بینی کیوں نہیں ہے؟ انہیں پہلے سے دیکھ اور سمجھ لینا چاہئے۔ انہیں نہ صرف اپنے زمانے کے حالات اور طور طریقوں سے آگاہ ہونا چاہئے بلکہ معاشرے کو اس حد تک پہچان لینا چاہئے کہ جو مصیبتیں مستقبل میں پیش آنے والی ہوں ان کی تشخیص کر لیں اور سمجھ لیں کہ پچاس سال بعد ایسا ہو گا... { ولقد اتینا ابراھیم رشدہ}

امام حسینؑ کی تحریک کو جو چیز زیادا اہمیت بخشتی ہے وہ روشن بینی ہے۔ روشن بینی کا کیا مطلب ہے؟ یعنی امام حسین علیہ السلام نے اس روز کچی اینٹ میں وہ چیزیں دیکھ لیں جو دوسرے لوگ آئینے میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم آج بیٹھے ہوئے اس زمانے کے حالات کی تشریح کر رہے ہیں لیکن جو لوگ اس زمانے میں موجود تھے وہ اس طرح نہیں سمجھ پائے جس طرح امام حسینؑ سمجھ رہے تھے۔

نویں محرم کی رات ہے۔ ہم خدا کی راہ کے اس مجاہد، آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر اور اس ہستی یعنی حضرت عباسؑ کا ذکر خیر کرتے ہیں جن سے امام حسینؑ کمال راضی تھے۔ اس زمانے میں آج کے سے رابطے نہیں تھے۔ شام میں جو حادثات و واقعات گزر جاتے تھے ان کی کوفہ یا مدینہ کے رہنے والوں کو بہت دیر میں خبر ہوتی تھی اور کبھی کبھی خبر ہوتی بھی نہیں تھی، اس کا بہترین ثبوت مدینہ والوں کا قصہ ہے۔ امام حسینؑ مدینہ میں قیام کرتے ہیں، بیعت

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نہیں کرتے، مکہ چلے جاتے ہیں، اس کے بعد بہت سے واقعات پیش آتے ہیں یہاں تک کہ وہ شہید ہو جاتے ہیں۔ مدینہ کے عوام بیدار ہو کر اپنی آنکھیں مل مل کے چونکتے

۱۔امالی مفید ص ۲۲۸۔

۲۔نہج البلاغہ خ ۳۲۔

ہیں۔ارے! امام حسینؑ شہید ہو گئے؟ کیوں؟ دارالخلافت شام کو چل کر دیکھیں تو یہ قصہ کیا ہوا؟

اس کام کیلئے سات آٹھ آدمیوں کی ایک جماعت تیار کرتے ہیں، وہ شام جاتے ہیں، وہاں کافی دن تک رہتے ہیں، تحقیق کرتے ہیں یہاں تک کہ خلیفہ سے بھی ملتے ہیں، وہاں کے حالات اور طور طریقے اچھی طرح دیکھتے ہیں، واپس آجاتے ہیں۔ جس وقت لوگ ان سے پوچھتے ہیں کہ قصہ کیا ہوا؟ تو کہتے ہیں یہ نہ پوچھو! ہم جتنے دن تک شام میں رہے ڈرتے ہی رہے کہ اب آسمان سے پتھر برستے ہیں اور اب برستے ہیں اور ہم اب فنا ہوئے جاتے ہیں۔ وہ بات بھی جو اباعبداللہؑ نے کہی: "وعلی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامۃ براع مثل یزید" سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ سچ کہا امام حسینؑ نے۔ لوگوں نے پوچھا آخر کیا قصہ ہوا؟ وہ بولے بس ہم تم سے اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس شخص کے پاس سے آرہے ہیں جو اعلانیہ شراب پیتا ہے، کھلم کھلا کتے پالتا ہے، بندر پالتا ہے، ہر گناہ کرتا ہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی زبان میں کہا اپنی ماں سے زنا کرتا ہے، اپنی محرم عورتوں سے زنا کرتا ہے۔ وہ لوگ امام حسینؑ کی آخری پیش بینی کو سمجھ گئے کہ امام حسینؑ ان باتوں کو پہلے دن سے جانتے تھے۔ پہلے دن سے۔ عاشور کے دن بھی آپؑ نے فرمایا تھا کہ یہ مجھے مار ڈالیں گے لیکن میں آج تم سے کہے دیتا ہوں کہ میرے قتل کے بعد یہ ہرگز اپنی حکومت جاری نہیں رکھ سکیں گے، آل ابوسفیان چلی گئی۔ آل ابوسفیان تو بہت ہی جلدی چلی گئی بلکہ آل امیہ بھی اپنی حکومت قائم نہ رکھ سکی کیونکہ بعد میں بنی عباس نے اسی بنیاد پر آکر توان سے خلافت چھینی اور پانچ سو سال تک حکومت کی۔ ایسی صورت میں جبکہ کربلا کے حادثے کے بعد بنی امیہ کی حکومت برابر ڈگمگاتی رہی اس واقعے کا اس سے اچھا اور زیادہ کیا اثر ہو سکتا ہے کہ خود بنی امیہ میں اس نے مخالف پیدا کر دے اور روحانی قوت کو افزائش بخشی۔

اس ظالم ابن زیاد کا عثمان بن زیاد نامی ایک بھائی تھا۔ عثمان نے آکر اپنے بھائی سے کہا: "اے بھائی میرا جی چاہتا تھا کہ زیاد کی تمام اولاد مفلسی، ذلت، نحوست اور بدقسمتی میں مبتلا ہو جاتی لیکن ایسا گناہ ہمارے خاندان میں نہ ہوتا"...... اس کی ماں مرجانہ ایک فاحشہ عورت ہے لیکن جب اس کے بیٹے نے یہ کام کیا تو اس نے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! تو نے یہ کام تو کر لیا لیکن یاد رکھ تو بہشت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ مروان ابن حکم کا جو ازلی اور ابدی شقی ہے ایک بھائی ہے جس کا نام یحییٰ بن حکم ہے۔ یزید کی محفل میں یحییٰ معترض ہو کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "سبحان اللہ! اولاد سمیہ!" • یعنی زیاد کی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ماں کی اولاد) سمیہ کی بیٹیاں تو قابل احترام ہوں لیکن تو نے آل پیغمبرؐ کو اس حالت سے اس مجلس حاضر کر دیا ہے ؟... دیکھئے! حسینی آواز انہیں کے گھروں سے اٹھی۔

آپ نے یزید کی بیوی ہند کا قصہ بھی سنا ہو گا کہ یزید کے گھر میں سے نکلی اور ایک معترضہ کی حیثیت سے اس حالت میں آئی کہ یزید انکار کرنے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ میں اس کام کیلئے مطلق رضامند نہیں تھا، یہ کام میں نے نہیں کیا ہے، عبیداللہ ابن زیاد نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔ امام حسینؑ کی آخری پیش بینی یہ تھی:... یزید اس کے بعد دو تین سال تک اور حکومت کرے گا اور مر جائے گا، اس کا بیٹا معاویہ بن یزید جو اس کا ولی عہد اور خلیفہ ہے اور معاویہ نے جس کی خاطر اس رنگ ڈھنگ کی بنیاد رکھی چالیس دن گزرنے کے بعد منبر پر جا کر بولا: اے لوگو! میرے دادا معاویہ نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے جنگ کی اور حق میرے دادا کی طرف نہیں حضرت علیؑ کی طرف تھا... میرے باپ یزید نے امام حسینؑ سے جنگ کی جبکہ حق میرے باپ کی طرف نہیں امام حسینؑ کی طرف تھا میں ایسے باپ سے بیزاری چاہتا ہوں اور اپنے آپ کو خلافت کا سزاوار نہیں سمجھتا۔ میں اس غرض سے کہ اپنے باپ اور دادا کے گناہوں کا مرتکب نہ ہوں اعلان کرتا ہوں کہ خلافت سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔ یہ امام حسینؑ کی قوت تھی۔ حقیقت کی قوت تھی جس نے دوست اور دشمن سب پر اثر ڈالا۔

امام صادقؑ نے فرمایا: "رحم اللہ... بلاء حسنا" (ا) خدا ہمارے چچا حضرت عباس پر رحمت نازل کرے، انہوں نے کیسا اچھا امتحان دیا، ایثار کیا اور بہت بڑی آزمائش جھیلی۔ ہمارے چچا حضرت عباسؑ کا مقام خدا کے نزدیک ایسا ہے جس پر تمام شہداء رشک کرتے ہیں۔ اتنی شرافت، نیت کی اتنی پاکیزگی اور اس قدر جاں نثاری! ہم صرف پیکر عمل کو دیکھتے ہیں عمل کی روح پر نظر نہیں ڈالتے جس سے معلوم ہو کہ یہ بھی کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ عاشور کی رات ہے حضرت عباسؑ، امام حسینؑ کی خدمت میں بیٹھے ہوتے ہیں، اسی وقت دشمن کا ایک سردار آتا ہے اور آواز دیتا ہے: عباسؑ ابن علیؑ اور ان کے بھائیوں سے کہہ دو کہ یہاں آئیں۔ حضرت عباسؑ سنتے ہیں لیکن سنی ان سنی کر دیتے ہیں پروا نہیں کرتے۔ امام حسینؑ کے سامنے ادب سے بدستور بیٹھے ہوئے ہیں کہ آقا نے ان سے فرمایا: یہ فاسق ہے تو کیا، اسے جواب تو دو۔ آپؑ باہر آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ شمر ابن ذی الجوشن ہے۔ وہ مادر حضرت عباسؑ کی طرف سے دور کا رشتہ رکھتا تھا کیونکہ وہ اور مادر حضرت عباسؑ دونوں ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس وقت وہ کوفہ سے چلا ہے تو حضرت ابوالفضل العباسؑ اور ان کے مادری بھائیوں کیلئے ایک امان نامہ لیتا آیا ہے، اپنے خیال سے اس نے ایک خدمت انجام دی ہے۔ جس وقت اس

ا۔ ابصار العین ص ۲۶۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نے اپنی بات کہی حضرت عباسؑ نے جھڑک دیا۔آپ نے فرمایا: خدا تجھ پر اور اس شخص پر لعنت کرے جس نے یہ امان نامہ تیرے ہاتھ بھیجا ہے۔تو نے مجھے کیا سمجھا ہے؟ تو نے میرے بارے میں کیا سوچا ہے؟ تو نے یہ خیال کیا ہے کہ میں ایسا شخص ہوں جو اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے امام اور بھائی حسین ابن علیؑ کو یہاں چھوڑ کر تیرے پیچھے چلا آئوں گا؟ میں جس گود میں پلا ہوں اور میں نے جس چھاتی سے دودھ پیا ہے اس نے مجھے ایسی تربیت نہیں دی ہے۔

حضرت علیؑ کے جناب ام البنین سے چار بیٹے ہیں۔ مورٔخین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ خاص طور پر اپنے بھائی جناب عقیل سے کہتے ہیں کہ میرے لئے ایک بیوی کا انتخاب کرو جو ''ولد تھا الفحولۃ'' بہادروں کی نسل سے ہو، جس نے بہادروں سے ورثہ پایا ہو۔ ''لتلدلی ولدا شجاعا'' میں چاہتا ہوں کہ اس سے میرا ایک بہادر بیٹا پیدا ہو۔ بلاشبہ اس گفتگو میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت علیؑ کا مقصود و منشا کیا ہے لیکن جو لوگ حضرت علیؑ کی پیش بینی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ اس کام کا انجام پہلے سے دیکھ رہے تھے۔ جناب عقیل جناب ام البنین کا انتخاب کرتے ہیں، آقا سے عرض کرتے ہیں کہ یہ خاتون ویسی ہی ہیں جیسی آپ چاہتے ہیں۔ ان خاتون سے چار بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑے ابا الفضل العباسؑ ہیں۔ چاروں بیٹے کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں۔ جس وقت بنی ہاشم کی باری آئی حضرت ابا الفضل العباسؑ نے جو سب سے بڑے بھائی تھے اپنے بھائیوں سے کہا! اے میرے بھائیو! میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھ سے پہلے میدان جنگ میں لڑنے کیلئے جائو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ بھائی کی شہادت کا اجر سمجھ لوں۔ وہ بولے جیسا آپ کا حکم ہو۔ تینوں شہید ہو گئے۔ بعد میں ابا الفضلؑ نکلے۔ ان بزرگ خاتون (جناب ام البنین) کو جو اس وقت تک زندہ تھیں لیکن کربلا میں موجود نہیں تھیں اپنے چاروں نیک بیٹوں کی شہادت کا علم ہوا تو ان کے سوگ میں بیٹھ گئیں۔ انہیں مدینہ میں خبر ملی کہ تمہارے چاروں بیٹے امام حسینؑ کی خدمت میں شہید ہو گئے، وہ ان بیٹوں کیلئے فریاد و ماتم کرتی رہتی تھیں، کبھی عراق کے راستے پر اور کبھی بقیع میں جا بیٹھتی تھیں اور دل ہلا دینے والے بین کرتی تھیں۔ دوسری عورتیں بھی ان کے گرد جمع ہو جایا کرتی تھیں۔

مروان ابن حکم جو مدینہ کا حاکم تھا سخت دشمنی اور سنگدلی کے باوجود وہاں آجایا کرتا تھا، کھڑا ہو جایا کرتا تھا اور رویا کرتا تھا۔

ان کا ایک نوحہ یہ ہے:

لاتدعونی ویک ام لبنین　　　تذکرینی بلوث العرین

کانت بنون لی ادعی بھم والیوم اصبحت ولا من بنین

اے بی بیو! میں یہ چاہتی ہوں کہ اب تم مجھے ''ام البنین'' کے لقب سے نہ پکارو کیونکہ ''ام البنین'' بیٹوں کی ماں، بہادر بیٹوں کی ماں کو کہتے ہیں۔ مجھے اب اس نام سے نہ پکارنا کیونکہ تم جس وقت مجھے اس نام سے پکارو گی مجھے اپنے بہادر بیٹوں کی یاد آ جائے گی اور میرے دل کی آگ جاگ اٹھے گی۔ میں ایک دن ''ام البنین'' تھی لیکن اب 'ام البنین'' اور بیٹوں کی ماں نہیں ہوں۔ حضرت ابا الفضل العباسؑ کیلئے بھی ایک خصوصی مرثیہ ہے:

یامن رای العباس کر علی جماھیر النقد　　　ووراہ من ابناء حیدر کل لیب ذی لبد

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

انبت ان ابنی اصیب براسہ مقطوع ید   ویلی علی شبلی امال براسہ ضرب العمد

لوکان سیفک فی یدیک لمادنی منہ احد

آپ فرماتی ہیں: اے وہ آنکھ جو کربلا میں موجود تھی اور وہ منظر جب میرا عباس (میرا شیر بچہ) حملہ کرتا تھا دیکھ رہی تھی تو نے دیکھا ہے! اے لوگو جو وہاں موجود تھے! مجھ سے ایک قصہ بیان کیا ہے میں نہیں جانتی کہ یہ قصہ سچ ہے یا نہیں؟

"انبئت ان ابنی اصیب براسہ مقطوع ید" مجھے ایک بہت جانگداز خبر ملی ہے۔ نجانے صحیح ہے یا نہیں؟ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہارے فرزند کے پہلے تو ہاتھ کاٹے گئے پھر جب تیرے فرزند کے ہاتھ نہیں رہے تو ایک لعین شقی نے آکر اس کے سر پر لوہے کا گرز مارا" ویلی علی شبلی آمال براسہ ضرب العمد" افسوس صد افسوس! کہتے ہیں کہ میرے شیر بچے کے سر پر فولادی گرز لگا۔ پھر آپ فرماتی ہیں: اے عباس! میرے کلیجے کے ٹکڑے! میرے پیارے فرزند! میں خود جانتی ہوں کہ اگر تیرے بدن میں ہاتھ ہوتے تو کوئی شخص تیرے پاس پھٹکنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

چوتھی مجلس

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراحل اور اقسام (۱)

الحمد للہ... الرجیم {التائبون العابدون... وبشر المومنین} (۲)

علمائے اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے درجات اور اقسام کے قائل ہیں۔ (اس مقام پر کچھ لمحوں کی تقریر ریکارڈ نہیں ہو سکتی تھی) انہوں نے کہا کہ نہی عن المنکر کا پہلا درجہ اور مرتبہ ہجر اور اعراض ہے یعنی ترک تعلق اور بے اعتنائی۔ جس وقت آپ کسی ایک فرد یا افراد کو دیکھتے ہیں کہ وہ منکرات کے مرتکب ہو رہے ہیں، برے کام کر رہے ہیں تو ان سے مخالفت کے طور پر ان کی شخصیت سے نہیں بلکہ ان کے برے کام کی مخالفت کے طور پر اور اس غرض سے کہ آپ اسے یا انہیں برے کام سے روکیں ان سے بے اعتنائی برتتے ہیں، ان سے دوری اختیار کرتے ہیں یعنی ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک شخص آپ کا رفیق اور دوست ہے، آپ کے اس کے ساتھ بہت گہرے تعلقات ہیں، ایک دوسرے کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہیں، آپ کے باہمی تعلقات دوستانہ ہیں۔ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہیں، گرم جوشی سے ملتے ہیں، سفر میں ساتھ ساتھ جاتے ہیں، ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے ہیں۔ ایک وقت آپ کو یہ خبر ملتی ہے کہ آپ کا یہی ساتھی اور دلی دوست فلاں برا کام کر بیٹھا ہے،

۱۔ یہ تقریر ۱۳۴۸/۱۲/۲۶ بمطابق ۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۰ ہجری کو کی گئی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۔توبہ: ۱۱۲۔

فلاں براکام کرتاہے، فلاں گناہ کامرتکب ہواہے، فلاں قطعی اور مسلم گناہ کو انجام دیتاہے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کاایک درجہ درحقیقت ایک قسم کی تنبیہ جو کئی موارد میں کی جاسکتی ہے یہ ہے کہ آپ اسے اپنی سرد مہری دکھایئے، لاتعلقی کااظہار کریں اور گذشتہ کے دوستانہ سلوک کو چھوڑدیں، یہ خود ایک قسم کی تنبیہ ہے بلاشبہ انسان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملے میں منطق سے بھی کام لیناچاہیے، اس کا عمل منطق کے لحاظ سے درست ہوناچاہئے۔یہ ایسے موقع پر ہے کہ اگر آپ اس شخص سے تعلق ختم کرلیتے ہیں۔جسے آپ دلی دوست رکھتے تھے، اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں توآپکایہ عمل اس کیلئے تنبیہ ہوگااور تنبیہ ہی سمجھاجائے گایعنی ایک قسم کی جھڑکی اور ذہنی سزاشمار ہوگااور آپ کا یہ عمل اسے برے کام سے روکنے میں ضرور اثرانداز ہوگاورنہ ایسے موقعے بھی ہوتے ہیں کہ کوئی شخص، آپ کابیٹا، آپ کادوست، کوئی جوان کسی بری عادت میں مبتلاہوگیاہے اور آپ کے اس سے تعلقات پہلے سے معمول کے مطابق چلے آرہے ہیں۔اب جو آپ اس تعلق کو ختم کرلیتے ہیں تووہ اس کاخیر مقدم کرتاہے تاکہ وہ بھی آپ سے قطع تعلق کرے اور زیادہ آزادی سے منکرات اور برے افعال کے پیچھے دوڑنے لگے۔اس موقع پر آپ کااس سے قطع تعلق کرے اور زیادہ آزادی سے منکرات اور برے افعال کے پیچھے دوڑنے لگے۔اس موقع پر آپ کااس سے قطع تعلق نہ صرف یہ کہ تنبیہی اثر نہیں رکھے گابلکہ اس کے شوق ورغبت میں اضافہ بھی کردے گایعنی آپ اسے اس کے عمل میں آزاد چھوڑدیں گے اور عملی طور پر اسے اس کاکام کاشوق اور رغبت دلائیں گے۔ایسے موقعوں پر آپ کا یہ عمل درست نہیں ہوگا۔

پس علماء جو یہ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کاایک درجہ بے اعتنائی اور قطع تعلق ہے تواس غرض سے کہ آپ کے عمل کاکچھ اثر ہواور اثر بھی دوسرے کو متنبہ کرناہے۔ایک اور قسم کابھی اعراض اور ہجر ہوتاہے جو نہی عن المنکر نہیں ہے بلکہ اس کی صورت دوسری ہے آپ کسی خاندان سے ملتے جلتے رہتے ہیں، اس سے دوستی کااور کبھی کبھی رشتہ داری کابھی تعلق رکھتے ہیں۔آپ دیکھتے ہیں کہ یہ خاندان بگڑ گیاہے تواپنے آپ کواور اپنے خاندان کو بچانے کی خاطر کہ کہیں ایسانہ کہ اس کی بری عادت آپ کے خاندان میں سرایت کرجائے آپ اس خاندان سے قطع تعلق کرلیتے ہیں کیونکہ بیمار کے ساتھ رہنے سے بیماری لگ جاتی ہے۔

مئی روداز سینہ ھادر سینہ ھا　　　اح رہ پنہاں صلاح وکینہ ہا

اور لوگ مخفی طور پر ایک دوسرے پر اثر ڈالتے رہتے ہیں۔اس غرض سے کہ ان کی بری عادت اپنے خانوادہ پر اثرانداز نہ ہوان سے رابطہ منقطع کرلیتے ہیں لیکن اس موقع کی بات دوسرے موقعوں سے جداہے۔پس ایسے موقعوں پر جنہیں انسان خود ہی بہتر طور پر پہچان سکتاہے، ان موقعوں پر جب انسان بری عادت میں پھنس گیاہے اور آپ اس سے اپنی دوستی جاری رکھتے ہیں تواسے برائی کی مزید رغبت ہوتی ہے اور اگر آپ اس سے قطع تعلق کرلیتے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہیں تو اس کے ذہن پر چوٹ پڑتی ہے اور اسے تنبیہ ہو جاتی ہے، آپ پر بالکل واجب ہے کہ اس شخص سے ترک تعلق کر دیں اور اس سے سرد مہری برتیں۔ یہ ایک درجہ ہے۔

نہی عن المنکر کا دوسرا درجہ علماء اور دانشمندوں کے بیان کے مطابق زبان کا مرحلہ ہے۔ پند و نصیحت کا مرحلہ ہے یعنی اکثر ایسا بھی بیمار ہوتا ہے جو منکر سے دوچار ہے اور برا کام کرتا ہے۔ اس کا سبب اس کی جہالت اور نادانی ہے۔ وہ ایک تبلیغ کا شکار ہے، اسے مربی کی ضرورت ہے، ہادی، رہنما اور معلم کی ضرورت ہے، ایک سمجھانے والے کی ضرورت ہے، ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس سے ملے جلے، اس سے کمال مہربانی سے پیش آئے، اس سے گفتگو کرے، اس کی خرابیاں اور برائیاں اس کے سامنے کھول کھول کر بیان کرے تاکہ وہ واقف ہو اور پلٹ جائے۔ یہ مرحلہ بھی نہی عن المنکر کا ایک درجہ ہے اس لحاظ سے کہ ایسے معاملوں میں جن میں کوئی شخص ہم سے میل جول رکھتا ہے لیکن وہ ایک برے کام میں پھنسا ہوا ہے اور ہم واضح دلیل اور منطق سے اس کو اس عمل کے ترک کرنے پر آمادہ کر سکتے ہیں تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اسی منطق کی مدد سے اس شخص سے تعلق قائم رکھیں۔

تیسرا مرحلہ عمل کا مرحلہ ہے، کبھی کبھی ایک شخص اس درجے اور اس حال میں ہتا ہے کہ نہ ہمارا اعتراض اور لا تعلقی اس پر اثر کرتی ہے اور نہ ہم منطق، بیان اور سمجھانے بجھانے سے اس کو منکر سے روک سکتے ہیں تو ہم کو عمل کرنا چاہیئے، اگر ہم عمل کریں تو شاید کچھ کر سکتے ہیں۔ کس طرح عمل کریں؟ عمل کرنے کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں عمل کرنے کے معنی صرف زور زور سے بولنا نہیں ہیں۔ ڈنڈے برسانا اور زخمی کرنا نہیں ہیں۔ بیشک میں یہ نہیں کہتا کہ عملی تنبیہ کبھی بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ ہاں! ایسے بھی مواقع ہوتے ہیں جب عملی تنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام ایسا دین ہے جو حد کا قائل ہے، سزا کا حامی ہے یعنی ایک ایسا دین ہے جس کا یہ اعتقاد ہے کہ ایسے مراحل اور مواقع بھی آجاتے ہیں جب مجرم پر عملی تنبیہ کے سوا کوئی دوسری تنبیہ اثر نہیں کرتی اور اسے برے کام سے نہیں روکتی لیکن انسان کو یہ سوچنے کی بھی غلطی نہیں کرنا چاہیئے کہ تمام مواقع سختی اور سرد مہری کے ہی ہوتے ہیں۔

حضرت علیؑ پیغمبر اکرمؐ کے بارے میں یوں بیان فرماتے ہیں: ''طبیب دوار بطبہ قد احکم مواراھمہ واحمی مواسمہ'' (۱) وہ ایک طبیب تھے، ایسے طبیب تھے جو بیماروں اور بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ پھر طباء کے اعمال کو تشبیہ دیتے ہیں کہ اطبا بھی مرہم لگاتے ہیں اور جراحی بھی کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی داغ بھی دیتے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ دو کام کرتے تھے: طبیب تھے، مرہم لگانے والے بھی اور چیرا لگانے اور داغ دینے والے بھی۔ مقصد یہ ہے کہ پیغمبرؐ دوہرا کام کرتے تھے پیغمبر کا ایک کام شفقت اور مہربانی تھا۔ پہلے ''احکم مراھمہ'' کا ذکر فرماتے ہیں یعنی پیغمبر کا پہلا کلام ہمیشہ لطف و مہربانی تھا آپ لطف و مہربانی سے علاج کرتے تھے۔ منکرات اور خرابیوں کے خلاف لڑتے تھے اور اگر ایسا مرحلہ آجاتا تھا کہ لطف، مہربانی، احسان اور نیکی کا مزید فائدہ نہیں ہوتا تھا تو انہیں ان کے حال پر نہیں چھوڑتے تھے پھر یہ وقت ہوتا تھا کہ جب آپ جراحی اور داغ دینے کا عمل کرتے تھے۔ اپنے مرہم بھی بہت مؤثر اور مفید اور کارگر منتخب کرتے اور جہاں داغ دینے اور جراحی کی نوبت آتی تو گہرا داغ لگا دیتے تھے اور قاطع جراحی کرتے تھے۔ سعید بھی ایسا ہی کہتے ہیں لیکن مہربانی کے حق کو مقدم مانے بغیر کہتے ہیں:

درشتی و نرمی بھم در بہ است　　چو رگ زن کہ جراح و مرھم نہ است

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ کہتے ہیں کہ سختی بھی ہوناچاہئے اور نرمی بھی، جس طرح جراح جونشتر بھی لگاتاہے اور مرہم بھی رکھتاہے۔ منکرات کے خلاف جدوجہد کے بارے میں گفتگو یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

اب امر بالعمروف کے بارے میں کیاہو؟ یہ کس شکل اور کس صورت سے انجام پاسکتاہے؟ امر بالمعروف کی بھی بالکل یہی قسمیں ہیں بس اتناسافرق ہے کہ امر بالمعروف لفظی ہوتاہے یا عملی۔ لفظی امر بالمعروف اس طرح ہوتاہے کہ انسان لوگوں سے حقائق بیان کرے، لوگوں کے سامنے خوبیوں کی تشریح کرے، لوگوں کو شوق دلائے اور انہیں سمجھائے، آج نیک کام کون ساہے؟ عملی امر بالمعروف یہ ہے کہ انسان صرف یہ کہنے پر ہی قناعت نہ کرے، صرف کہناہی کافی نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے آج کے معاشرے کی ایک بیماری یہ ہے کہ ہم کہنے کی اہمیت اور قدروقیمت کے ضرورت سے زیادہ قائل ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کہنے کی بھی اہمیت ہوتی ہے میں کہنے کی اہمیت سے انکار نہیں کرتاجب تک نہیں کہا جائے گا بات واضح نہیں کی جاسکے گی، حقائق کی تحریر اور تشریح نہیں ہوسکتی، کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ میں جو یہ کہتاہوں کہ ہم زیادہ اہمیت کے قائل ہیں، اس سے میری مراد یہ ہے کہ ہم ہر بات کو صرف گفتگو سے درست کرناچاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح جو وردسے ہر شے کو درست کرناچاہتے ہیں، ورد کریں تو

ا۔ نہج البلاغہ خ ۱۰۷۔

زمین آسمان اور آسمان زمین بن جائے، ہم صرف لفظ اور بیان کی قوت سے کام کرناچاہتے ہیں حالانکہ بات اس طرح نہیں بنتی۔

کہنا، ایک لازمی شرط تو ہے لیکن یہی کافی نہیں ہے، عمل بھی کرناچاہئے۔ لفظی امر بالعمروف اور عملی امر بالمعروف میں سے ہر ایک کی دو دوراہیں ہیں، ایک مستقیم اور دوسرا غیر مستقیم۔ اپ جس وقت امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرناچاہتے ہیں تو براہ راست کرتے ہیں، آپ سیدھے سیدھے بات کہتے ہیں یعنی اگر اپ کسی کو کام کرنے پر مجبور کرناچاہتے ہیں تو کہہ دیتےہیں میں چاہتاہوں کہ آپ یہ کام کردیں لیکن کسی وقت آپ اسے بالواسطہ بھی سمجھاتے ہیں جو زیادہ کارگر اور زیادہ مفید ہوتاہے یعنی اس کے یہ سمجھے بغیر کے آپ کی گفتگو کا مخاطب اصلی وہی ہے آپ کسی ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں جس نے فلاں کام کیاہے اس کام کی توجیہ اور تشریح کرتے ہیں کہتے ہیں فلاں شخص نے فلاں موقع پر ایسا عمل کیاہے یہ طریقہ برتاہے وغیرہ وغیرہ۔ تاکہ وہ جان لے اور سمجھ لے۔ اس سے اس پر بہت اثر ہوتاہے گویا عمل بالواسطہ طور پر بھی زیادہ موثر ہے۔ اب میں بالواسطہ طریقے کے متعلق آپ کے سامنے ایک مشہور حدیث بیان کرتاہوں دیکھئے یہ طریقہ کتنا موثر اور کار گر ہے:

حضرت حسنینؑ (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) جب دونوں لڑکے تھے ایک بوڑھے شخص سے ملتے ہیں جو وضو کررہاتھا انہیں معلوم ہوجاتاہے کہ اس کا وضو باطل ہے۔ یہ دونوں صاحب زادگان اسلام کے رواج اور نفسیات کے اصولوں سے واقف تھے۔ فوراً آمادہ ہوگئے کہ ایک طرف تو بوڑھے کو بتادیں کہ تیرا وضو باطل ہے لیکن دوسری طرف اگر اس سے براہ راست کہتے ہیں کہ جناب آپ کا وضو باطل ہے تو اسکی شخصیت مجروح ہوجائے گی اور وہ بے چین

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہو جائے گا۔ اس کا پہلا رد عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ کہتا ہے نہیں! اسی طرح درست ہے، چاہے جو کچھ بھی کہیں وہ اس پر کان نہیں دھرتا۔ اس لئے دونوں ان کے سامنے گئے اور کہنے لگے۔ ہم دونوں آپ کے سامنے وضو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ یہ دیکھئے کہ ہم میں سے کون بہتر وضو کرتا ہے (عملاً بوڑھا آدمی بچوں کی بات مان لیتا ہے) وہ کہتا ہے وضو کرو تا کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں۔ امام حسنؑ نے ان کے سامنے پورا وضو کیا، ان کے بعد امام حسینؑ نے بھی کیا۔ آخر میں بوڑھے کو خیال آیا کہ خود اس کا وضو درست نہیں تھا، وہ بعد میں کہنے لگا آپ دونوں کا وضو درست ہے، میرا ہی وضو غلط تھا۔ اس طرح وہ اس شخص سے منوالیتے ہیں۔ اب اگر اس وقت فوراً کہہ دیتے بوڑھے! تجھے شرم نہیں آتی۔ اس سفید داڑھی پر بھی تجھے وضو کرنا نہیں آتا؟ خدا تجھے موت دے۔ تو وہ نماز پڑھنا بھی چھوڑ دیتا۔ ایک خطیب بیان کرتے تھے کہ مشہد میں ایک شخص دین سے قطعی کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ نہ صرف نماز ہی نہیں پڑھتا تھا اور روزہ نہیں رکھتا تھا کسی بات پر ایمان نہیں رکھتا تھا، دین کا مخالف شخص تھا۔ وہ کہتے تھے کہ کافی دن تک اس آدمی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ وہ نرم و ملائم اور واقعی خوش اعتقاد اور مومن بن گیا اور اس نے اپنا طور و طریقہ بالکل بدل دیا وہ نماز پڑھتا تھا، روزہ رکھتا تھا اور پھر یہاں تک ہوا کہ باوجود یکہ افسر تھا اور خراسان میں ایک اہم عہدے پر فائز تھا آگے چل کر نماز با جماعت پڑھنے کا پابند ہو گیا تھا۔ مسجد گوہر شاد جاتا تھا مرحوم آقائے نہاوندی کے پیچھے اس شکل سے کہ لباس پہنتا تھا اس پر عبا بھی پہنتا تھا، ہمارے جلسوں میں شریک ہوتا تھا، ایک مدت کے بعد ہم نے دیکھا کہ وہ شخص غائب ہو گیا، ہم نے کہا یقیناً سفر پر چلا گیا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے کہا نہیں وہ یہیں ہے لیکن آتا نہیں ہے۔ اب کیا ہو گیا جو ہمارے جلسوں میں شرکت نہیں کرتا، ہم نہیں جانتے؟ اس کے بعد معلوم ہوا کہ نماز جماعت میں بھی نہیں جاتا۔ ہم نے چھان بین کی کہ دیکھیں کیا سبب ہے؟ یہ شخص جو دین اور مذہب میں یوں داخل ہوا تھا یکایک دین و مذہب سے کیسے پھر گیا؟ ہم اس کی تلاش میں گئے تو معلوم ہوا کہ بات کچھ یوں ہوئی ہے یہ صاحب کچھ دن لگاتار نماز جماعت میں جا کر چوتھی پانچویں صف میں کھڑے ہو جاتے تھے، ایک دن مقدس نمازیوں میں سے ایک جو امام کے پیچھے پہلی صف میں بیٹھے تھے، تحت الحنک ڈالتے ہیں۔ میں نہیں جانتا مسواک کس طرح کرتے ہیں اور ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کا عاشق جانتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان پہلی صف میں اپنی نماز کی جگہ سے اٹھتے ہیں، اس شخص کو تلاش کرتے آتے ہیں، اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں کہتے ہیں: جناب... وہ کہتا ہے: جی!... میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں فرمائیے... آپ مسلمان ہیں یا نہیں؟ یہ بیچارا اسٹپٹا گیا کہ کیا جواب دے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کیا سوال ہے جو آپ مجھ سے کر رہے ہیں؟ وہ کہتا ہے نہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ فرمائیے کہ آپ مسلمان ہیں یا مسلمان نہیں ہیں؟ یہ بدنصیب ناراض ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میں مسلمان ہوں، اگر مسلمان نہ ہوتا تو مسجد گوہر شاد میں جماعت کی صف میں، میں کیا کام کرتا ہوں؟ وہ کہتا ہے کہ آپ مسلمان ہوتے تو آپ نے اپنی داڑھی ایسی کیوں رکھی ہے؟ وہ اسی وقت جانماز اٹھاتا ہے اور کہتا ہے یہ مسجد، یہ جماعت کی نماز اور یہ دین و مذہب تمہارا۔ یہ جا اور وہ جا؟ نہی عن المنکر کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے یعنی لوگوں کو دین سے بھگانا اور بیزار کرنا، مخالف بنانے، دشمن بنانے کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی اور بات نہیں ہو سکتی۔

کسی وقت میں نے ایک رسالے میں باہر کا ایک قصہ پڑھا تھا۔ لکھا تھا کہ ایک لڑکی بہت مذہبی تھی۔ ایک شہزادہ اس لڑکی پر بہت عاشق تھا لیکن وہ عیاش شخص تھا اور چاہتا تھا کہ اسے کسی طرح اپنے جال میں پھنسالے اور یہ لڑکی اپنی پاکدامنی اور راستبازی کے باعث اس کے قابو میں نہیں آتی تھی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شہزادے نے ہر چال چلی جس سے اسے فریب دے سکے لیکن کار گر نہیں ہوئی۔ آخر کاوہ قریب قریب ناامید ہوگیا، بات آئی گئی ہوگئی۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک شخص اس لڑکی کا پیغام لایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ اس بات پر آمادہ تھی کہ ساتھ ساتھ رہیں اور کچھ عرصے تک عیش کریں۔ شہزادے کو تعجب ہوا تو اس نے اس کی تحقیق کی، اس کو معلوم ہوا کہ ہاں لڑکی آمادہ ہے۔ اس شہزادے نے اس واقعہ کے سلسلے میں چھان بین کی کہ ایک لڑکی جو اس قدر پاکدامن اور شریف تھی یکایک عیاشی اور فسق وفجور پر کیسے مائل ہوگئی، تو معلوم ہوا کہ بات کچھ یوں ہوئی تھی کہ ایک پادری کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی مذہبی رجحان رکھتی ہے اپنے نزدیک اسے زیادہ مذہبی بنانے کی غرض سے ایک دن اس لڑکی سے وقت لیتا ہے اور اس کے پاس آتا ہے، وہ کہتا ہے میں تیرے لئے ایک تحفہ لایا ہوں مثلاً ایک برتن پر تولیہ ڈھانک دیتا ہے۔ تحفہ لا کر اس کے سامنے رکھ دیتا ہے اور تولیہ اٹھا کر تحفہ دکھاتا ہے، ایک بار لڑکی دیکھتی ہے کہ وہ قبرستان سے کسی مردے کی کھوپڑی لے آیا یہ، جیسے ہی اس پر اس لڑکی کی نگاہ پڑتی ہے وہ دہل جاتی ہے، پوچھتی ہے یہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں یہ اس لیے لایا ہوں کہ تم اس کے بارے میں سوچ بچار کرو اور دیکھو کہ دنیا کس قدر بے وفا ہے۔ اس نے اس لڑکی کے دل میں اس قدر نفرت پیدا کر دی کہ نہ صرف اس کے وعظ کا اثر نہیں ہوا بلکہ اس وقت سے وہ یہ سوچنے لگی کہ میں اس کے خلاف عمل کروں گی، دنیا کا تو یہ انجام ہے۔ میں اپنی زندگی کے یہ چار دن اس طریقے سے کیوں گزاروں؟ چنانچہ وہ عیاشی کی طرف مائل ہوگئی۔

نصیحت کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے، یقین کیجئے کہ بہت سے لوگ جو پند و نصیحت کرتے ہیں ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو صورت بنتی یہ وہ بیشتر ایسے ہی منکرات کی ہوتی ہے۔ خود میرا بھی ایک قصہ ہے۔ میں جن دنوں قم میں تھا مسافر بری کمپانیں نئی نئی چلی تھیں، ہم آئے اور مشہد کیلئے سوار ہوگئے۔ بڑی دیر کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس بس کا ڈرائیور میری ذات سے اس لئے بغض و نفرت رکھتا ہے کہ میرے سر پر عمامہ ہے، نہ میں اسے جانتا تھا نہ وہ مجھے جانتا تھا، ہمارا کوئی ذاتی تعلق نہیں تھا۔ ورامین (۱) میں جب وہ رکا تو میں نے اس سے پوچھنا چاہا کہ تم یہاں کتنی دیر ٹھہرو گے اس نے مجھے اس درشتی سے جھڑکا کہ پھر مشہد تک میری ہمت نہیں پڑی کہ میں اس سے کوئی بات بھی کرتا۔ میں نے خود ہی اس کی وجہ سمجھنے کی کوشش کی، میں نے دل میں کہا کہ یہ شخص کم سے کم مسلمان نہیں ہے مادی، یہودی، جو بھی ہو میں نے خود فیصلہ کر دیا کہ ایسا ہی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم سمنان کے قریب پہنچے ہیں تو ظہر کا وقت گزر

۱۔ تہران کے قریب ایک جگہ۔

چکا تھا۔ میں جس وقت وضو کرنے گیا کہ نماز پڑھوں میں نے اسی ڈرائیور کو دیکھا کہ وہ اپنے پائوں دھو رہا ہے۔ میں اس پر نظر رکھے رہا، میں نے دیکھا کہ پائوں دھو کر اس نے وضو کیا پھر نماز پڑھی، مجھے حیرت ہوئی، یہ مسلمان اور نمازی ہے لیکن میرے ساتھ اس کا طرز عمل جیسا تھا وہی رہا۔ رات ہوگئی، میرے پیچھے (خراسان) تربت کے دو طالب علم تھے، وہ بھی تعطیلات میں خراسان (تربت) جانا چاہتے تھے۔ وہ (ڈرائیور) مجھ سے جتنی نفرت اور بے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

رخی کا اظہار کر رہا تھا ان لوگوں پر اتنا ہی مہربان تھا۔ انہیں پسند کرتا تھا۔ رات کو جب مسافر عموماً سو جاتے ہیں ان میں سے ایک کو اپنے پاس بلا لیا کہ بات چیت کریں تاکہ نیند نہ آئے، وہ چلا گیا۔ جس وقت سب سو رہے تھے ایک دم میرے کان کھڑے ہوئے، میں نے دیکھا کہ یہ ڈرائیور ایک طالب علم کو اپنا حال سنا رہا ہے۔ میں نے کوشش کر کے کان لگائے تاکہ میں بھی سن سکوں، پہلے تو اس نے مشہد کے لوگوں کے بارے میں بتایا کہ جو لوگ ملاؤں سے تعلقات رکھتے ہیں وہ مجھے برے لگتے ہیں، صرف وہ لوگ جو ثروت مند ہوتے ہیں مجھے اچھے لگتے ہیں۔ وہ بولا مختصر طور پر یہ سمجھو کہ میرے خاندان میں ایک میں ہی ڈرائیور ہوں ورنہ دوسرے ڈاکٹر ہیں، انجینئر ہیں، تاجر ہیں، افسر ہیں۔ خاندان بھر میں کم نصیب میں ہی ہوں۔ اس نے پوچھا: اس کا سبب کیا ہے؟ وہ بولا: میرا ایک قصہ ہے۔

میرے والد مسلمان اور بہت دیندار شخص تھے۔ میں بچہ تھا، مجھے انہوں نے اسکول میں داخل کر دیا۔ میرے محلے کے پیش نماز کو اس بات کی اطلاع ہو گئی تو میرے والد کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ نے اپنے بچے کو اسکول بھیج دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! وہ بولا افسوس۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اگر آپ کا بچہ مدرسہ جائے گا تو لا مذہب ہو جائے گا؟ میرے والد بھی بالکل ان پڑھ تھے۔ انہوں نے اس بات پر یقین کر لیا، میں بھی بچہ تھا، اس کے بعد میرے والد نے مجھے سبق پڑھنے نہیں جانے دیا، دوسرے کاموں میں لگا دیا۔ جب میں بال بچوں والا ہو گیا تو ایک دن مجھے خیال آیا کہ میں تو بالکل ان پڑھ ہوں، اب یہ معمہ مجھ پر کھلا کہ یہ بے چارہ ایک طرف خود مسلمان تو ہے لیکن اپنے آپ کو میری طرح بدنصیب شمار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہی عمامہ باندھنے والے ہیں جنہوں نے مجھے بدبخت رکھا، یہ نہی عن المنکر کی ایک قسم ہے یعنی بھگانا، لوگوں کو بدبخت رکھنا اور دین اور روحانیت کا دشمن بنانا۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ خدا اس کے باپ کو بخشے یہ صرف ملاؤں ہی کا دشمن ہے اسلام کا دشمن نہیں ہوا۔ نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، امام رضاؑ کی زیارت کو جاتا ہے، یہ بالواسطہ طور پر اسلام کو نقصان پہنچانے والا عمل ہے۔

آپ کو ایک اور قصہ سناتا ہوں۔ ایک طالب علم بہت قابل اور محترم تھا، بہت روشن خیال اور دیندار تھا۔ یہ شخص پہلی بار ہیٹ لگا کر مجمع میں جاتا ہے تو اس کے تمام دوست اور رفیق جو اسے دیکھتے ہیں اس پر حملہ کرتے اور اس کی توہین کرنے لگتے ہیں۔ اسے اس قدر ناراض اور مشتعل کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی طبعی بردباری کے باوجود پلٹ کر ان سے ایک بہت منطقی بات کہتا ہے، وہ کہتا ہے اے میرے دوستو! میں تمہارے سامنے اس کی وضاحت کرتا ہوں، میں تم ہی جیسا ایک شخص ہوں، تمہاری طرح سوچتا ہوں، تمہاری ہی طرح خدا، قرآن، پیغمبرؐ اور آئمہؑ پر اعتقاد رکھتا ہوں، میں نے تمہاری ہی طرح تعلیم پائی ہے، تمہاری ہی طرح میری تربیت ہوئی ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان دس ہزار باتیں مشترک ہیں۔ تمہارے کہنے کے مطابق اگر یہ گناہ ہے تو میں نے زیادہ سے زیادہ ایک گناہ کیا ہے۔ فی الحال میں نے اپنا لباس کسی کام، کسی پیشے، کسی مصرف کیلئے تبدیل کر لیا ہے، میں فرض کئے لیتا ہوں کہ یہ گناہ ہے۔ تم میرے ساتھ ایسا سلوک کر کے مجھے مجبور کرو گے کہ میں تم سے تعلق ختم کر لوں اور چونکہ کوئی انسان بے تعلق نہیں رہ سکتا اس لئے میں مجبور ہو جاؤں گا کہ اس وقت کے بعد تمہارے مخالفوں اور دشمنوں کا دوست بن جاؤں چونکہ تم مجھے زبردستی اپنے پاس سے دور کرنا چاہتے ہو اس لیے تم اپنی اس دلیل کی رو سے اپنے دوست کے یعنی میرے دشمن اور اپنے دشمنوں کے دوست ہو۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پھر وہ مثال پیش کرتا ہے: وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنی عمر بھر میں کسی وقت بھی اسلام سے ظاہر داری بھی نہیں برتی ہے، اس میں اسلام کی کوئی علامت نہیں رہی، نہ اس نے کبھی قران پر اعتقاد کا اظہار کیا نہ اسلام پر، یہ بھی مشہور ہے کہ وہ ظالم، فاسق اور شرابی ہے، اس شخص سے آپ کو کوئی امید نہیں ہے۔ یکایک آپ دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت امام رضاؑ کی زیارت کو آیا ہے، آپ سب کہہ اٹھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ آدمی مسلمان ہے۔ اس بار جب آپ اسے دیکھتے ہیں تو اس سے اچھی طرح ملتے ہیں یعنی اس کی ہزار عادتوں میں سے نو سو ننانوے آپ کے اور آپ کے دین کے خلاف ہیں چونکہ آپ کو اس سے کوئی امدی نہیں ہے صرف اس بناپر کہ وہ حضرت امام رضاؑ کی زیارت کو آگیا یہ آپ کہتے ہیں: نہیں! معلوم ہوا مسلمان ہے لیکن دوسرے کو جس کی ہزار خصلتوں میں سے نو سو ننانوے خصلتیں مسلمانی ہیں صرف ایک خصلت آپ کے قول کے خلاف ہے اس ایک خصلت کی وجہ سے آپ کہتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔ یہ دوسرا اسلام کے دائرے سے خارج ہو گیا۔ پس آپ اپنے دشمنوں کے دوست ہیں یعنی اپنے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں اور دوستوں کے دشمن ہیں یعنی واقعی آپ اپنے دشمن ہیں۔

اگر آپ بالواسطہ طور پر امر بالمعروف کرنا چاہیں تو اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ خود نیک اور پرہیزگار ہوں، خود اہل عمل اور اہل تقویٰ ہوں۔ جب آپ خود ایسے ہوں گے تو امر بالعروف اور نہی عن المنکر کا مجسمہ بن جائیں گے۔ انسان پر عمل سے زیادہ کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ انبیاء اور اولیاء کی زیادہ پیروی کرتے ہیں اور دانشمندوں اور فلسفیوں کی اتنی پیروی نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ فلسفی صرف باتیں کرتے ہیں، صرف پڑھاتے ہیں، صرف نظریہ پیش کرتے ہیں لیکن اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں کتاب لکھتے ہیں اور لوگوں کو دے دیتے ہیں اور انبیاء اور اولیاء صرف نظریہ اور خیال ہی نہیں رکھتے بھی رکھتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں پہلے اس پر عمل کرتے ہیں، یہ بھی نہیں ہوتا کہ پہلے کہیں پھر عمل کریں بلکہ پہلے عمل کرتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ جس وقت انسان نے عمل کرنے کے بعد کچھ کہا تو اس کے کہے ہوئے کا اثر کئی گناہ زیادہ ہو جاتا ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں (اور تاریخ بھی گواہی دیتی ہے کہ ایسا ہی ہے): "مامرتکم بشی... بالنھی عنہ" (۱) تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ میں نے خود عمل کرنے سے پہلے تمہیں کسی بات کا حکم دیا ہو، جب تک میں پہلے خود عمل نہیں کرلیتا تم سے نہیں کہتا اور میں تمہیں کسی بات سے اس وقت تک منع نہیں کرتا جب تک پہلے میں نے اسے ترک نہ کردیا ہو چونکہ میں خود نہیں کرتا اس لئے تمہیں بھی منع کرتا ہوں۔ "کونوا دعاۃ... السنتکم" (۲) لوگوں کو دین کی طرف بلاؤ لیکن زبان سے نہیں غیر زبان سے بلاؤ یعنی اپنے عمل سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو! جس وقت انسان خود عمل کرتا ہے تو اس کا عمل اپنے آپ جامعہ پر اپنا اثر ڈالنے لگتا ہے۔ مشہور فلسفی جان پال سارٹر کا قول ہے، گویا اس کے قول میں کوئی ندرت نہیں ہے لیکن اس کی اس تشریح میں نیاپن ہے جو وہ کرتا ہے، وہ کہتا ہے میں جو کام کرتا ہوں ایک طرح سے میں اپنے جامعہ کو اس سے وابستہ کر دیتا ہوں اور یہ بات سچ بھی ہے، آپ اچھا برا جو کام کرتے ہیں اپنے جامعہ کو اس کام سے وابستہ کر دیتے ہیں۔ لا محالہ آپ کا کام ایک لہر پیدا کر دیتا ہے، جامعہ کیلئے ایک ذمہ داری اور ضمانت پیدا کر دیتا ہے، جو آپ کے لیئے بھی لازم ہوتی ہے اور آپ کے جامعہ کیلئے بھی یعنی ہر کام ایک طرح سے معاشرے کیلئے ایک حکم ہوتا ہے کہ تو بھی ایسا کر! جس وقت میں کوئی کام کرتا ہوں تو میرے عمل کی زبان یہ ہوتی ہے کہ دوست! تو بھی میری ہی طرح ہو جا! میں خواہ کتنا ہی کہوں کہ میری طرح نہ بنو ایسا ممکن نہیں ہے۔ میں چاہے جتنا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۔ نہج البلاغہ خ ۱۷۵۔

۲۔ کافی ج ۲ ص ۷۸ باب ورع۔

آپ سے کہوں کہ میرے کہے پر عمل کیجئے لیکن میرے کردار یعنی عمل سے تعلق یا سروکار نہ رکھئے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ میرے قول پر دھیان دیں اور میرے کردار پر توجہ نہ کریں۔ آپ کیلئے جو ذمہ داری پیدا کرنے والی چیز ہے وہ پہلے نمبر پر میرا عمل ہے دوسرے نمبر پر میرا قول ہے۔

ہر اصلاح کرنے والے کو پہلے نیک ہونا چاہئے تاکہ وہ اصلاح کرسکے، وہ آگے آگے چلے اور دوسروں سے کہے کہ میرے پیچھے پیچھے آئو۔ ان دو شخصوں میں بہت فرق ہے جن میں سے ایک کھڑا ہوا ہے اور اپنے سپاہی کو حکم دیتا ہے کہ آگے بڑھ میں یہاں کھڑا ہوا ہوں اور دوسرا جو خود آگے آگے چلتا ہے اور کہتا ہے میں چلا، تم بھی میرے پیچھے پیچھے آئو۔

انبیاؑء اور اولیاء کے مکتب میں ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ یہ ہمیشہ کہتے ہیں: "ہم چلے" حضرت علیؑ کہتے ہیں میں پہلے چلتا ہوں بعد میں لوگوں سے کہتا ہوں میرے پیچھے پیچھے آئو!

پیغمبر اسلامؐ جس بات کا حکم دیتے تھے اگر پہلے اس میں خود قدم نہ بڑھاتے تو دوسروں کا پیروی کرنا ناممکن تھا، جب وہ نماز اور نماز شب کی بات کرتے تھے تو خود دوسروں سے زیادہ عبادت کرتے تھے {ان ربک...اللیل} (۱) اگر خدا کی راہ میں خیرات اور ایثار کیلئے کہتے تھے تو سب سے پہلے ایثار اور انفاق کرنے والے خود ہی تو تھے یعنی سب سے پہلے اپنے آپ سے وصول کرتے تھے اور دوسروں کو دیتے تھے، اگر کہتے تھے جہاد فی سبیل اللہ تو لڑائیوں میں خود آگے چلتے تھے، اپنے عزیزوں کو آگے لے جاتے تھے اور پھر دوسرے لامحالہ محبت کرنے لگتے تھے، عاشق ہو جاتے تھے کہ یہ شخص اپنے مقصد کی راہ میں اپنے سب سے زیادہ پیارے رشتہ داروں کو موت کے منہ میں بھیج دیتا ہے، سب سے پہلے خود ہتھیار لگا کر دشمن کی فوج میں گھس پڑتا ہے، خود وار سہتا ہے، اپنا دانت تڑوا لیتا ہے، اپنی پیشانی زخمی کروا لیتا ہے۔ اس وقت وہ لوگ ایسے شخص کی ذات میں حقیقت کا نظارہ کرتے تھے۔

پیغمبرؐ کو حضرت علیؑ سے زیادہ کون پیارا تھا؟ سید الشہداء حضرت حمزہ سے زیادہ عزیز کون تھا؟ آپؐ نے جنگ بدر میں سب سے پہلے کن لوگوں کو میدان میں بھیجا؟ حضرت علیؑ کو بھیجا جو آپ کے داماد اور چچیرے بھائی تھے اور چونکہ حضرت علیؑ بچپن سے پیغمبرؐ کے گھر میں پلے بڑھے تھے اور پیغمبرؐ کا کوئی بیٹا نہیں تھا اس لیے حضرت علیؑ حقیقت میں پیغمبرؐ کے بیٹے کی جگہ تھے۔ آپؐ نے اپنے چچا حضرت حمزہ کو بھیجا جن کی آپ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

)ا(۔مزمل:۲۰

بہت عزت کرتے تھے،اپنے چچیرے بھائی جناب ابوعبیدۃ بن الحارث کو بھیجا جو آپ کو بہت عزیز تھے(۱)۔۔

امام حسینؑ نے کتنے خطاب کئے اور کتنا عمل کیا۔ان کے خطبات کتنے کم اور ان کے اعمال کتنے زیادہ تھے۔جب عمل کا وقت ہوتا ہے تو گفتگو کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی۔امام حسینؑ اپنی تقریر میں فریاد کرتے ہیں:

''فمن کان...اللہ)''۲(

جو شخص اپنا خون دل ہماری خاطر بخشش کرنا چاہتا ہے اور جس نے خدا کی ملاقات کا ارادہ کر لیا ہے ایسا شخص ہمارے ساتھ کفر کر سکتا ہے(وہ واپس چلا جائے جو ملک کی ہوس میں آیا ہے)،جو جان دینے پر آمادہ نہیں ہے وہ ہمارے ساتھ نہ آئے۔ہمارا قافلہ جانبازوں(جان دینے والوں)کا قافلہ ہے،ان جان سے جانے والوں میں سب سے محترم ہستی امام حسینؑ کی ہے۔اگر امام حسینؑ اپنے عزیزوں کو مدینہ میں چھوڑ دیتے تو کیا کوئی ان پر اعتراض کر سکتا تھا ہر گز نہیں!لیکن وہ اپنے عزیزوں کو کربلا کے منظر میں نہ لاتے اور خود اکیلے شہید ہو جاتے تو کیا جو منزل انہیں آج حاصل ہوئی وہ حاصل ہو جاتی؟ہر گز نہیں!امام حسینؑ نے وہ کام کیا جو خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے یعنی اپنے عمل کو انتہائی بلندی پر پہنچا دیتا ہے۔کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو خدا کی خاطر نہ لٹا دی ہو۔ان کے رشتہ دار بھی ایسے لوگ نہیں تھے جنہیں امام حسینؑ زبردستی لائے ہوں،وہ ان کا سا عقیدہ،ان کا سا ایمان اور انہیں کی سی سوچ بچار رکھتے تھے۔بنیادی طور پر امام حسینؑ ایسے شخص نہیں تھے جن کے وجود میں یا جن کے ہمراہ ذرا سی بھی کمزوری ہوتی،اس لئے انہوں نے راہ میں دو تین بار چھان پھٹک کی۔اس سے پہلے دن جب مکہ سے سفر کرتے ہیں اعلان کر دیتے ہیں کہ جو جانباز نہ ہو وہ نہ آئے لیکن بعض لوگ ابھی تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ شاید امام حسینؑ کے جانے کی کوفہ کو خبر ہو جائے اور وہاں آپ کا خیر مقدم ہو جائے،پذیرائی ہو جائے،ہم پیچھے نہیں رہتے،امامؑ کے ساتھ ہی چلتے ہیں،ساتھ آتے ہیں،راستے میں کچھ عرب صحرا نشین بھی امام حسینؑ کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

امامؑ راستے میں تقریر کرتے ہیں:اے لوگو!جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہم کوئی مقام حاصل کر رہے ہیں،

۱۔یہ تینوں افراد گئے،دشمن کے تین افراد سے لڑے اور دشمن کے تینوں آدمیوں کو مار ڈالا لیکن جناب ابوعبیدۃ ابن الحارث شدید زخمی ہوئے بعد میں شہید ہو گئے اور دنیا سے چل بسے حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور سید الشہداء حضرت حمزہؑ زیادہ زخمی نہیں ہوئے،یہ لوگ واپس آ گئے۔

۲۔اللھوف ص ۲۶۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کہیں پہنچ رہے ہیں، ایسا نہیں ہے، وہ واپس چلا جائے چنانچہ کچھ لوگ واپس بھی چلے گئے، آپ نے آخری چھان پھٹک شب عاشور میں کی لیکن عاشور کی شب میں کوئی گندہ پانی نہیں تھا صرف ''ناسخ التواریخ'' کے مصنف نے یہ تاریخی غلطی کی ہے اور لکھا ہے کہ جس وقت امام حسینؑ نے عاشور کی رات کو اپنے اصحاب سے بات چیت کی تو ان میں سے کچھ لوگ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر چلے گئے حالانکہ کوئی تاریخ اس امر کی تائید نہیں کرتی۔ یہ صرف ''ناسخ التواریخ'' کے مصنف کی غلطی ہے اور کسی شخص کو اس قسم کا مغالطہ نہیں ہوا ہے۔ عاشور کی رات کو امام حسینؑ کے اصحاب میں سے کوئی شخص بھی نہیں گیا بلکہ انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم میں کوئی کھوٹ یا کمزوری رکھنے والا شخص موجود نہیں ہے۔

اگر عاشور کے دن امام حسینؑ کا کوئی ایک صحابی یہاں تک کہ بچہ بھی کمزوری دکھا دیتا، دشمن کے لشکر میں جو زیادہ قوی اور طاقتور تھا جا ملتا اور اپنے آپ کو خطرے سے بچا کر دشمنوں کی پناہ میں چلا جاتا تو امام حسینؑ اور ان کے مکتب کا ایک نقص ہوتا بلکہ اس کے برعکس خود دشمن امام حسینؑ کی طرف آ گئے۔ یہ اپنے ان دشمنوں کو اپنی طرف لے آئے جو مامون اور محفوظ تھے اور انہیں خطرے کی جگہ اور مرکز میں لا بٹھایا یعنی وہ لوگ خود ہی آ گئے لیکن ان میں سے ایک بھی خطرے کے اس مقام سے اس محفوظ مقام کو نہیں گیا۔ اگر امام حسینؑ نے پہلے سے وہ چھان پھٹک، وہ خطرے کا اعلان نہ کیا ہوتا تو ایسے بہت سے حادثے پیش آ جاتے، اپ کسی وقت دیکھتے کہ آدھی جماعت چلی گئی اور پھر وہ نعوذ باللہ امام حسینؑ کے خلاف پروپیگنڈا کرتی کیونکہ جو کوئی چلا جاتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان کمزور ہے یا میں ڈرتا تھا بلکہ اپنے عمل کی کوئی نہ کوئی توجیہ تلاش کر لیتا ہے، جھوٹ بولتا ہے اور پھر دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ اگر ہم تشخیص کرتے تو راہ حق یہی ہے، خدا کی خوشنودی اسی میں ہے، ہم یہی کام کر رہے تھے، ہم نے تحقیق کر لیا تھا کہ حق اسی طرف ہے، وہ مجبوراً اپنے حق میں منطق اور دلیل تیار کرتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا اور یہ بھی ایک بہت بڑا افتخار امام حسینؑ اور حسینی مکتب کا ہے کہ حریف کے ایک بزرگ ترین سردار کو اپنی طرف لے آئے، ایسا شخص جو بنیادی طور پر امیر کے منصب کیلئے نامزد تھا۔ جناب حر بن یزید ریاحی۔ وہ کوئی چھوٹے موٹے آدمی نہیں تھے اگر حساب لگاتے تو عمر ابن سعد کے بعد اس لشکر کی دوسری شخصیت کون سی ہے؟ جناب حر بن یزید ریاحی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، یہ ایک بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ وہ پہلے شخص تھے جو ایک ہزار سواروں کے ساتھ اس کام پر تعینات کئے گئے تھے لیکن امام حسینؑ کی قوت جاذبہ، ایمان، عمل اور عملی امر بالمعروف نے جناب حر بن یزید کو جس نے پہلے دن امامؑ کے سامنے تلوار کھینچی تھی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے توبہ کی ''التائبون'' کا جزو بن گئے {التائبون... عن المنکر}

جو شخص بہادری اور جوانمردی میں معروف اور جس کا بہترین ثبوت یہ تھا کہ اپنے ہزار سوار دیئے گئے تھے تاکہ امام حسینؑ نے اس شخص کے دل میں روشن کی تھی اس کی ہستی کی دیواروں کے سامنے (وہ بھی ہماری آپ کی طرح دنیا کا طالب تھا، پیسہ اور منصب اور سلامتی چاہتا تھا، امن و سکون چاہتا تھا) اس پر دباؤ ڈال کر کہتی ہے امام حسینؑ کی طرف جا لیکن دوسری جانب وہ مادی خیالات جو ہر انسان میں موجود ہوتے ہیں اس میں وسوسہ پیدا کر دیتے ہیں اور بول اٹھتا ہے، اگر میں چلا جاؤں تو ایک گھڑی بعد ہی قتل ہو جاؤں گا پھر بیوی بچوں کو نہیں دیکھ پاؤں گا تمام دولت میرے ہاتھ سے نکل جائے گی شاید میرے بعد دشمن میری تمام دولت قطعی ضبط کر لے گا میرے بچے سرپرست کے بغیر رہ جائیں گے میری بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ یہ خیالات اسے امامؑ کی طرف جانے سے روکتے ہیں، وہ ان دو مخالف قوتوں کے دباؤں میں آ جاتا ہے، ایک وقت لوگ اس پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جناب حر کانپ رہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہیں۔ کسی نے اس سے پوچھا: کیوں کانپتے ہو؟ آپ تو بہادر آدمی تھے! انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ میدان جنگ کے ڈر سے کانپ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: نہیں، تو نہیں جانتا کہ میں ضمیر کے کس عذاب میں مبتلا ہوں، میں اپنے آپ کو جہنم اور جنت کے درمیان بااختیار پاتا ہوں، میں نہیں سمجھتا کہ بہشت کو ادھار پر لے لوں یا اسی نقد دنیا کے پیچھے جاؤں جس کا انجام جہنم ہے۔ دیر تک اپنے آپ سے لڑتا ہوا کشمکش میں مبتلا رہا لیکن آخر میں اس شریف آدمی اور بقول امام حسینؑ حر اور آزاد شخص نے فیصلہ کر لیا۔ اس وجہ سے کہ دشمن نہ اسے روکے آہستہ آہستہ ایک طرف ہٹتے گئے پھر یکایک انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگایا اور حسینی خیموں کی طرف چلے گئے لیکن اس خیال سے کہ کہیں مولا یہ نہ سوچیں کہ حملے کے ارادے سے آرہا ہوں انہوں نے امان کی نشانی دکھائی۔

لکھا ہے "قلب ترسہ" یعنی انہوں نے اپنی ڈھال الٹ دی اس علامت کے طور پر کہ میں لڑنے نہیں آیا ہوں، امان چاہتا ہوں۔ جو شخص سب سے پہلے اس کے سامنے آیا وہ امام حسینؑ تھے چونکہ امامؑ حرم کے خیموں کے باہر کھڑے ہوئے تھے جناب حر نے سلام کیا: السلام علیک یا اباعبداللہ! عرض کیا اے آقا! میں گنہگار ہوں، روسیاہ ہوں، میں وہی گنہگار اور مجرم ہوں (وہی پہلا شخص ہوں) جس نے آپ کا راستہ روکا تھا، اپنے خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں: اے خدا اس گنہگار کا گناہ معاف کر دے "اللھم الیک...اولیائک" (اے خدا! میں نے تیرے ولیوں کے دل لرزائے ہیں) میں نے انہیں ڈرایا ہے (جس وقت امام حسینؑ کے اہل بیت نے انہیں راستے میں دیکھا تھا وہ پہلا موقع تھا جب ان کی نظر دشمن پر پڑی تھی۔ جس وقت ایک ہزار مسلط سپاہی اپنے سامنے کھڑے ہوئے دیکھتے ہیں تو لامحالہ ان پر خوف اور ہراس کی حالت طاری ہو جاتی ہے) اے آقا! میں توبہ کرتا ہوں اور اس غرض سے کہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں، وہ کلنک کا ٹیکہ جو میری پیشانی پر لگ چکا ہے خون کے سوا اور کسی چیز سے مٹایا نہیں جا سکتا میں آیا ہوں کہ آپ کی اجازت سے توبہ کروں۔ پہلے یہ فرمائیے کہ میری توبہ قابل قبول ہے یا نہیں؟ امام حسینؑ ہیں جو اپنے لئے کچھ نہیں چاہتے حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ جناب حر توبہ کرے تو کیا اور نہ کرے تو کیا موجودہ حالات میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن وہ جناب حر کو اپنے لئے نہیں چاہتے خدا کیلئے چاہتے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: بیشک تیری توبہ قبول ہے۔ کیوں قبول نہیں ہو گی؟ کیا توبہ کرنے والے انسان کیلئے رحمت الٰہی کا دروازہ بند ہو سکتا ہے؟...ہرگز نہیں!

جناب حر اس بات سے خوش ہو گئے کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی الحمدللہ میری توبہ قبول ہے؟ ہاں! تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں جاؤں اور اپنے آپ کو آپ پر قربان کروں اور اپنا خون آپ کی راہ میں بہاؤں! امامؑ نے فرمایا: اے حر! تو ہمارا مہمان ہے، گھوڑے سے اتر، تھوڑی بیٹھ تا کہ ہم تیری تواضع کریں (میں نہیں جانتا کہ امامؑ کس چیز سے تواضع کرنا چاہتے تھے) لیکن جناب حر نے امامؑ سے سوار رہنے ہی کی اجازت چاہی آقا نے بہت اصرار کیا لیکن وہ گھوڑے سے نہیں اترے!

بعض تاریخ دانوں نے اس بات کے یہ معنی نکالے ہیں کہ جناب حر چاہتے تھے کہ امامؑ کی خدمت میں بیٹھیں لیکن انہیں ایک فکر بے چین کر رہی تھی۔ وہ ڈر رہے تھے کہ جس عرصے میں وہ امامؑ کے پاس بیٹھے ہوں اگر امام حسینؑ کا کوئی بچہ انہیں دیکھ کر یہ کہہ اٹھا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے پہلے دن ہمارا راستہ روکا تھا تو جناب حر کو شرمندگی ہو گی۔ اس غرض سے کہ انہیں شرمندگی نہ ہو اور اس غرض سے کہ جتنی جلدی ہو سکے چہرے کی یہ سیاہی اپنے خون سے دھو ڈالے انہوں نے اصرار کیا کہ مجھے جانے کی اجازت دیجئے امامؑ نے فرمایا: اچھا، تمہارا اصرار ہے تو میں نہیں روکتا... جاؤ!

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یہ بہادر شخص لوگوں کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے، ان سے گفتگو کرتا ہے۔ کیونکہ خود بھی کوفی ہے، اہل کوفہ سے دعوت (بلاوے) کا موضوع چھیڑتا ہے اور کہتا ہے: اے لوگو! یہ اتفاق کی بات ہے کہ میں خود ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہوں نے خطوط لکھے تھے لیکن تم لوگوں میں سے اور تمہارے سرداروں میں سے جو یہاں موجود ہیں ان لوگوں نے آپؑ کو خطوط لکھے تھے، انہیں اپنے گھر بلایا تھا، انہیں سے مدد کا وعدہ کیا تھا... اب کس اصول کی رُو سے، کس قانون کی رُو سے، کس مذہب اور دین کی رُو سے اپنے مہمان سے ایسا سلوک کر رہے ہو؟

بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ نے اس شخص کو بہت ناراض کر دیا یعنی ایک ایسی کمینگی اور پست حرکت جو ان لوگوں نے دکھائی تھی، ایسی پستی جو انسانیت اور اسلام کی روح کی ضد ہے۔ تاریخ اسلام گواہی دیتی ہے کہ اسلام نے کسی وقت بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ کسی دشمن کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا جائے یعنی دشمن کو سخت دباؤ میں لا کر اس کا پانی بند کر دیا جائے۔ یہ تجویز حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے سامنے رکھی گئی تھی اور وہ یہ کام معاویہ کے سلسلے میں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ خود امام حسینؑ نے انہی جناب حر کو ان کے اصحاب کے ساتھ حالانکہ دشمن تھے راستے میں سیراب کیا تھا۔ جناب حر کو یقیناً یاد ہوگا کہ ہم نے اس شخص کا پانی بند کیا ہے جس نے ہماری پیاس کے دن ہماری درخواست کے بغیر ہمیں سیراب کر دیا تھا۔ وہ کتنے شریف، بلند اور بزرگ تھے اور ہیں اور ہم کتنے پست ہیں انہوں نے کہا: اے کوفہ والو! تمہیں شرم نہیں آتی! یہ فرات مچھلی کے پیٹ کی طرح چمک رہی ہے، یہ جو تمام موجود جانداروں کیلئے حلال ہے، اس سے انسان، پالتو، وحشی اور جنگلی جانور سب پانی پیتے ہیں، تم نے یہ پانی فرزند پیغمبرؐ کیلئے روک دیا ہے؟ یہ شخص لڑتے لڑتے شہید ہو جاتا ہے امام حسینؑ اسے انعام دیئے بغیر نہیں رہتے، فوراً اس بزرگ ہستی کے سرہانے پہنچتے ہیں۔ اس کیلئے آپ نے ایک غزل پڑھی: انت الحر کما سمتک امک و نعم الحر حر ریاح "(۱) "کتنا اچھا حر ہے۔ اس کی ماں نے اس کا کتنا اچھا نام رکھا ہے۔ اس نے پہلے دن کہا حر... آزاد انسان... یہ سچ ہے کہ تو آزاد انسان تھا"... یہ حسینؑ ہے، عظیم اور شریف ہے، جہاں تک ہو سکتا ہے اپنے اصحاب پر مہربانی کرتا ہے۔ یہ خود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امام حسینؑ جن لوگوں کے سرہانے پہنچے ہیں وہ کتنے مختلف تھے، ہر کسی کی ایک حالت ہوتی تھی۔ جس وقت امامؑ پہنچتے تھے ایک ابھی تک زندہ تھا اور آقا سے باتیں کر رہا تھا، دوسرا جانکنی کے عالم میں تھا۔

امام حسینؑ نے اپنے آپ کو جن لوگوں کے سرہانے پہنچایا ان میں سے کسی کی حالت آپ کے بھائی حضرت ابا الفضل العباسؑ سے زیادہ دلخراش اور جاں سوز نہیں تھی۔ وہ بھائی جنہیں امام حسینؑ بہت چاہتے ہیں، بابا امیر المومنینؑ کی شجاعت کی یادگار ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے ان سے کہا تھا اے بھائی!

)۱(۔ مقتل مقرم ص ۳۰۳۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

''بنفی انت'' اے عباس! میری جان تم پر قربان ہو! یہ بہت اہم بات ہے۔امام حسینؑ سے حضرت عباس تقریباً پچیس سال چھوٹے تھے۔(اباعبداللہ ۵۷ سال کے اور حضرت عباس ۳۴سال کے جوان تھے) عمراور تربیت کے لحاظ سے امام حسینؑ حضرت اباالفضلؑ کے باپ کے برابر شمار ہوتے تھے۔اس وقت وہ ان سے کہتے ہیں۔اے بھائی! ''بنفسی انت'' میری جان تم پر قربان ہو۔

امام حسینؑ خیمے کے پہلو میں منتظر کھڑے ہیں۔یکایک حضرت اباالفضلؑ کی مردانہ فریاد سنتے ہیں (لکھا ہے کہ حضرت اباالفضلؑ کا چہرہ اتنا حسین تھا کہ ''کان یدعی بقمر بنی ہاشم'' کہ اپنے زمانے میں قمر بنی ہاشم کے لقب سے مشہور تھے۔آپؑ کا قد اتنا بلند تھا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے: ''وکان یرکب الفرس المطھم ورجلاہ یخطان الارض'' بلند گھوڑے پر سوار ہوتے تھے،رکاب سے پاؤں نکال لیا کرتے تھے تو زمین پر انگوٹھوں سے خط بنتا چلا جاتا تھا۔میں مانتا ہوں کہ بقول مرحوم آقا شیخ محمد باقر بیرجندی کچھ مبالغہ بھی ہو گا لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ جسم بہت بلند تھا ایسا جسم تھا جس پر نظر کرنے سے امام حسینؑ کو خوشی ہوتی تھی) جس وقت امام حسینؑ ان کے سرہانے پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کے جسم پر ہاتھ نہیں ہیں،ان کے سر پر ایک آہنی گرز لگا ہوا ہے اور آنکھ میں ایک تیر پیوست ہے...بے سبب نہیں ہے جو کہا گیا ہے: ''لما قتل العباس بان الانکسار فی وجہ الحسن'' جیسے ہی حضرت عباسؑ قتل ہوئے لوگوں نے دیکھا کہ امام حسینؑ کا چہرہ بے رونق ہو گیا۔آپؑ نے خود فرمایا تھا: ''الان انقطع ظھری وقل حیلتی''

پانچویں مجلس

علمائے اسلام کے نقطہ نظر سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کی اہمیت) ۱(

الحمد للہ رب العالمین...الرجیم {التائبون العابدون...وبشر المومنین}) ۲(

جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عامل نے اس تحریک کا درجہ نہایت عالی کیا اس مقصد تحریک نے بھی اس اسلامی اصل کو بہت اعلیٰ سطح پر پہنچا دیا۔اس اصل کو کس طرح بلند کیا؟ کیا امام حسینؑ کسی اسلامی اصل کو پست یا بلند کر سکتے ہیں؟ نہیں! میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ حقیقتاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام میں کچھ اہمیت رکھتا تھا اور امام حسینؑ آئے اور انہوں نے اسلام میں اس اصل کی قدروقیمت تبدیل کر دی۔یہ حسینؑ ابن علیؑ کا کام نہیں ہے،یہ پیغمبر خداؐ کا بھی کام نہیں۔یہ خدا کا کام ہے۔

یہ اصل خدا نے اپنے بندے کے پاس اپنے بندوں کیلئے بھیجا ہے۔اس نے ہر اصل کیلئے ایک درجہ،ایک مرتبہ اور ایک قدروقیمت مقرر کر دی ہے۔اس بات کی تو پیغمبرؐ کو بھی قدرت نہیں ہے کہ وہ اس قسم کے مسائل میں کوئی تصرف کر سکیں اور اسلام کے اصلی متن پر اپنا اثر چھوڑیں۔میری مراد یہ ہے کہ حسینی

۱۔یہ تقریر ۱۳۴۸/۱۲/۲۶ھ بمطابق ۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۰ ہجری کو کی گئی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۔ توبہ: ۱۱۲۔

تحریک نے اسلامی علماء کے استنباط اور اجتہاد اور کل مسلمانوں کے نقطہ نظر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصل کو بہت اعلیٰ سطح پر پہنچا دیا۔

دینی علوم کے طالب علموں کی ایک اصطلاح ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر بات کا مقام ثبوت اور مقام اثبات ہوتا ہے مقام ثبوت یعنی واقعی اور حقیقی مقام، مقام واقع اور نفس الامر میں ہر چیز ایک سطح، ایک حد اور ایک درجہ پر ہوتا ہے۔ جدید فلسفیوں کے قول کے مطابق ایک "شئ فی نفسہ" ہے اور دوسرا شئ کسی اور چیز کیلئے ہے، مقام ثبوت "شئ فی نفسہ" ہے اور مقام اثبات اس شئ کا ہمارے لیے ہونا ہے۔ اس بات کو یوں سمجھئے: فرض کیجئے کہ اس شہر میں دل کے کچھ معالج موجود ہیں حقیقت میں یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سب کے سب ایک ہی درجے کے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ طبیب "الف" کا درجہ سب سے بلند ہو یعنی وہ دل کا بہترین طبیب، دل کا ماہر ترین طبیب، دل کا سب سے زیادہ عالم طبیب ہو۔ طبیب "ب" دوم درجہ کا طبیب "ج" درجہ سوم کا اور طبیب "د" درجہ چہارم کا ہو لیکن لوگ انہیں کس طرح پہچانیں؟! لوگوں میں ان کی قدر و قیمت اور اعتبار کیا ہے؟ کیا ان لوگوں کی وہ قدر و قیمت اور وہ اعتبار جو یہ حقیقت میں رکھتے ہیں اور ان کی قدر و قیمت اور اعتبار جس کے عوام قائل ہیں ایک ہی ہیں؟

طبیب "الف" جو اول درجے کا دل کا معالج ہے کیا معاشرے میں بھی اول درجے کا طبیب سمجھا جاتا ہے؟ کیا طبیب "ب" کو جو اس شہر کا درجہ دوم کا طبیب ہے معاشرہ میں بھی درجہ دوم کا طبیب ہی سمجھا جاتا ہے؟ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے لیکن کبھی ممکن ہے اس کا الٹ بھی ہو یعنی معاشرہ اسباب، پروپیگنڈے، غلط فہمیوں اور واقعات کے اثر سے مقام ہدایت کو یعنی ہمارے لئے مقام "شئ" کو اس کے بالکل خلاف ٹھہرائے۔ درجہ چہارم کے طبیب کو درجہ اول کا طبیب جانے، تیسرے درجے کے طبیب کو دوسرے درجے کا اور دوسرے درجے کے طبیب کو تیسرے درجے کا سمجھے اور جو واقعی درجہ اول کا طبیب ہے اسے درجہ چہارم کا معالج شمار کرے۔ چنانچہ یہاں مقام اثبات اور مقام ثبوت میں فرق ہوتا ہے۔ کسی چیز کی اپنی جگہ حقیقت اور اسی چیز کی ہمارے لئے قدر و قیمت، اہمیت یا معنی میں فرق ہوتا ہے۔

تو جب میں یہ کہتا ہوں کہ امام حسینؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و اہمیت بڑھادی تو میری مراد یہی ہوتی ہے کہ اسلام میں نہیں اسلامی دنیا میں بڑھادی۔ اصل اسلام میں، مقام ثبوت میں، کسی "شئ" کے حقیقی مقام میں اس کی قدر و قیمت کو بڑھانا یا گھٹانا امام حسینؑ یا پیغمبرؐ یا حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے اختیار میں نہیں ہے، صرف خدا ہے جس کے نزدیک اسلام کے ہر اصول کی منزلت مقرر ہے لیکن اسلامی معاشرے کے نقطہ نظر سے کیا اسلامی معاشرہ اسلامی منزلتوں کو جس حد تک واقعی ان کا وجود ہے، جس حد تک وہ مقام ثبوت اور 'شئ' کے ذاتی مقام میں ہوتی ہیں پہچانتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ معاشرہ اس طرح نہ پہچانتا ہو اور کبھی کبھی اس کے بالکل خلاف بھی جانتا ہو یعنی جو باتیں درجہ اول کی قدر و قیمت رکھتی ہیں اسلامی معاشرے کی نظر میں ان کی قدر و قیمت سب سے کم درجے کی ہو، حضرت علیؑ نے فرمایا: میں مستقبل کا کچھ یوں اندازہ لگاتا ہوں جیسے لوگوں میں اسلام کی حالت اس پوستین کی سی ہو جائے گی جسے الٹ کر پہن لیا گیا ہو "ولبس الاسلام لبس الفرو مقلوبا"(۱) جس طرح پوستین کو الٹ کر پہن لیتے ہیں اسی طرح لوگ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسلام کی الٹی تفسیر کیا کریں گے، چہرے کو پیٹھ اور پیٹھ کو چہرہ بنادیں گے، اس صورت میں نہ صرف ایسی پوستین میں گرمی نہیں رہتی بلکہ ایک مضحکہ خیز اور ڈرائونی سی چیز نظر آنے لگتی ہے۔

اگر اسلامی قدریں الٹ جائیں، درجہ اوّل کی قدر درجہ دوم کی بن جائے اور آخری درجے کی قدر پہلے درجے پر آجائے (۲) تو اس کا معنی وہی اسلام ہے جو الٹا ہو گیا ہے۔ یہ ایسی پوستین ہو گی جسے الٹ کر پہن لیا گیا ہو۔

مسلمانوں کی نظر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و قیمت مختلف ہوتی ہے۔ میں اس مسئلے کی وضاحت اسلام کے علماء کے نقطہ نظر سے کرتا ہوں۔ علمائے اسلام نے اس بات پر تو بحث نہیں کی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و قیمت کس قدر ہوتی ہے؟ لیکن جس مسئلے پر بحث کی ہے اس سے علماء کے نقطہ نظر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و قیمت کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ اسلام میں ایک اصل ہے اور حدیث نبویؐ بھی ہے جس کے مطابق تمام علمائے اسلام فیصلہ دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''اذا اجتمعت حرمتان ترکت الصغریٰ للکبریٰ'' جب اسلام میں دو قدریں یعنی دو قابل احترام باتیں اکٹھی ہو جائیں یعنی ایک دوسرے کی مزاحمت کرنے لگیں تو چھوٹی کو چھوڑ کر بڑی کو اختیار کرلو!

اس بات کی بہت واضح مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور مثال جس کا ذکر کیا جاتا ہے یہ ہے: غصبی زمین میں داخل ہونا حرام ہے، اگر آپ نے دیکھا کہ کسی غصبی زمین میں کوئی انسان، کوئی جانور اور

۱۔ نہج البلاغہ خ ۱۰۷۔

۲۔ فرض کیجئے کہ جمعہ کے دن ناخن کاٹنے کی اہمیت جو مستحب ہے اس قدر بڑھ جائے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جگہ لے لے یا سر کے بالوں یا داڑھی میں کنگھی کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے برابری یا اس سے زیادہ اہمیت حاصل کر یا مستحب زیارات کو جانا اور اول درجے کی قدروں میں شمار ہونے لگے۔

کوئی محترم نفس پانی میں گر پڑا اور ڈوبنے والا ہے تو آپ کو کیا کرنا چاہیے؟ آیا غصبی زمین پر پائوں رکھیں (جو اپنی جگہ حرام ہے) اور جا کر اسے بچالیں یا پھر اس غرض سے کہ غصبی زمین پر پائوں نہ رکھیں اپنی جگہ کھڑے رہیں اور اس محترم نفس کو ہلاک ہو جانے دیں جبکہ اس جاندار کو نہ بچانا عمل حرام ہو گا، یہاں کیا کرنا چاہئے؟ دو (۲) حرمتیں ہیں: ''ایک مال کی حرمت جو قوانین مالی کے مطابق محفوظ رہے، لوگوں کے شرعاً جائز مال کا احترام برقرار رہنا چاہئے۔ اس مقام کے مالک کی رضامندی کے بغیر وہاں نہیں جانا چاہئے۔'' دوسرا ''نفس اور جان کا احترام'' مال کی حرمت جان کی حرمت کے برابر نہیں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہو سکتی۔ اگر آپ کیلئے یہ ضروری ہو کہ ان دو حرام چیزوں میں سے ایک کو دوسرے پر قربان کر دیا جائے تو جان پر مال کو قربان کر دیجئے۔ ایسے میں اگر آپ غصبی زمین میں داخل ہوں گے تو نہ صرف آپ گناہ کے مرتکب نہیں ہوں گے بلکہ ثواب کے مرتکب ہوں گے کیونکہ آپ نے اطاعت کی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق یہ مسئلہ اٹھتا ہے کہ اس کی حد کہاں ہے؟ امر بالمعروف کی حد کہاں ہے؟ میں اور آپ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں تو کہاں تک آگے جائیں گے؟ ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور ہم کو کسی قسم کا کوئی خطرہ یا نقصان در پیش نہیں ہوتا، اگر ہم نہ کریں تو محض سستی اور کاہلی ہوگی، ہم بغیر کوئی خطرہ مول لئے حقیقت بیان کر دیتے ہیں۔ ہم نہی عن المنکر کر دیتے ہیں لیکن ہماری جان، مال، آبرو کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا، کوئی گزند نہیں پہنچتی۔ ٹھیک ہے! اسے تو سب مان لیں گے۔ اور اگر ایسا ہوا کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں اور میرے مال کو نقصان پہنچے تو کروں یا نہ کروں؟ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوں تو میری حیثیت اور آبرو کو نقصان پہنچتا ہے، مجھے برا بھلا کہتے ہیں، مجھ پر لاٹھیاں برساتے ہیں، میری آبرو ریزی کرتے ہیں، مجھ پر اتہامات لگاتے ہیں۔ کروں یا نہ کروں؟ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوں تو میری جان خطرے میں پڑ جاتی ہے، میں مارا جاتا ہوں۔ کروں یا نہ کروں اگر امر المعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوں اپنی جان کے علاوہ عزیزوں کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، میرا خاندان قید ہو جاتا ہے، کروں یا نہ کروں؟ یہاں ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ بعض علمائے اسلام نے کہا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حد وہاں تک ہے جہاں تک کام سے کوئی خطرہ در پیش نہ ہو۔ کام کو کوئی نقصان نہ پہنچے، آپ کی جان، آبرو اور مال کو بھی کوئی صدمہ نہ پہنچے، آپ کے جسم پر کوئی آفت نہ آئے۔ حقیقت میں ان لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و قیمت گرادی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس حد تک کرنا چاہئے کہ آپ کی آبرو کو کوئی خطرہ نہ ہو یعنی اگر آبرو پر بن جائے اور امر بالمعرورف اور نہی عن المنکر کا بھی وہاں دخل ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دو اور آبرو بچالو۔ میں مانتا ہوں کہ اسلام میں آبرو محترم ہوتی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مومن کو آبرو اور جسم کا احترام ہونا چاہیئے۔ آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ آپ بے سبب اپنے جسم پر ایک چھوٹا سا زخم لگائیں، آپ کو اس کا حق نہیں ہے کہ آپ اپنے بدن پر بلا سبب دیت وارد کر لیں نہ کہ ایسا کام کریں جس سے آپ کی جان خطرے میں پڑ جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کو بلاوجہ اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیے۔ قرآن کہتا ہے:

{ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکم} (۱) اگر آپ چاہیں کہ چھت سے کود پڑیں چاہے قرض کے فسار میں ہی کیوں نہ ہوں یا محبت میں ہار گئے ہوں، چاہے آپ کے نزدیک دنیا اور مافیہا کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ ہو یا زندگی تاریک ہو۔ یہ عمل جائز نہیں ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہیں جیسے انسان نے دوسرے کو قتل کر دیا ہو اور قران کریم قتل عمد (ارادی قتل) کے بارے میں صاف صاف کہتا ہے {فجزاوہ جھنم} (۲) جو شخص نفس محترم کو مار ڈالتا ہے خواہ اپنا نفس ہو یا غیر کا اس کی سزا جہنم ہے "خالد فیھا" وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی (جہنم) میں رہے گا۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ انہیں اپنی جان کا اختیار حاصل ہے غلطی پر ہیں۔ انسان کا مال محترم ہے کیونکہ آپ کے پاس جو مال ہے وہ آپ ہی کا مال نہیں ہے، وہ سب سے پہلے معاشرے کا مال ہے اور دوسرے نمبر پر آپ کا مال ہے، آپ اس سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں لیکن اسے کھونے اور لٹانے کا حق نہیں رکھتے، اسلام آپ کے ایسے حق کا قائل نہیں ہے۔ مال محترم ہے، بدن محترم ہے، جان محترم ہے، آبرو محترم ہے۔ کیا آپ معاشرے میں ایسا کام کر سکتے ہیں جس سے بلاوجہ آپ کی آبرو ریزی، ہو، بلاوجہ آپ پر اتہام لگائیں؟ اتقوا مواضع

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

التھم"، بات اس میں نہیں ہے۔ گفتگو یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان محترم باتوں کے مقابلے میں کتنی قوت رکھتا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احترام کا درجہ کتنا بلند ہے اس لئے پیغمبر اکرمؐ کے قول کے مطابق کہ "اذا اجتمعت حرمتاں ترکت الصغریٰ للکبریٰ" جب دو حرمتیں اکٹھی ہو کر ایک دوسرے کو مزاحم بن جائیں تو ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم چھوٹی حرمت کو بڑی حرمت پر قربان کر دیں۔ بعض علماء اسلام اور بہت افسوس کے ساتھ مجھے کہنا پڑتا ہے کہ شیعوں کے بھی بعض بڑے بڑے علماء جن سے ایسی امید نہیں کی جاتی تھی

۱۔ بقرہ:۱۹۵۔

۲۔ نساء:۹۳۔

یہ کہتے ہیں کہ :امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حد نقصان نہ پہنچنا ہے نہ کہ اس میں کوئی مفسدہ کا نہ ہونا۔ آپ کی جان، مال یا آبرو کو ضرر نہ پہنچے یعنی اگر ان چیزوں کو نقصان پہنچے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و قیمت کو گھٹا دیتی ہے ایک شخص کہتا ہے: نہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و قیمت اس سے اونچی ہے لیکن موضوع کے اعتبار سے... یہ دیکھئے کہ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کس چیز کیلئے کرنا چاہتے ہیں؟ آپ کس موضوع کے متعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں؟ کسی وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا موضوع بہت چھوٹا موضوع ہوتا ہے مثلاً ایک شخص گلی کو گندہ کرتا ہے، گلی میں خربوزے کا چھلکا پھینک دیتا ہے جو اسے نہیں پھینکنا چاہئے۔ آپ اس بارے میں اسے نہی عن المنکر کیجئے، اسے سمجھایئے اور ہدایت کیجئے، اس سے کہئے کہ ایسا نہ کرے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اب اگر گلی میں خربوزے کا چھلکا پھینکنے کے سلسلے میں نہی عن المنکر کرنے کی وجہ سے آپ یہ دیکھیں کہ وہ آپ کو گالی دیتا ہے تو یہاں موقع نہیں ہے، اس کام کی اتنی قدر و منزلت نہیں ہے جس کیلئے آپ گالیاں سنیں۔ ایک اور موقع بھی ہے جہاں اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت آپ کی جان، مال اور حیثیت سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن خطرے میں پڑا ہوا ہے۔ تمام سازشیں اس بات کی ہو رہی ہیں کہ قران سے اختلاف کیا جائے، قرآن اور اصول قرآنی کو خطرہ لاحق ہو رہا ہے۔ عدالت کو خطرہ لاحق ہونے والا ہے جس کیلئے قرآن صاف صاف کہتا ہے: انبیاء کا نصب العین انسانی معاشرے میں عدالت قائم کرنا ہے:

{لقد ارسلنا... بالقسط} (۱) ظلم اور عدالت کا مسئلہ انسانی زندگی کی اصل اور محور ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:"الملک یبقی... مع الظلم} کوئی معاشرہ ظلم و ستم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا یا جہاں اسلامی وحدت جیسا کوئی مسئلہ خطرے میں ہو کیونکہ اسلام وحدت کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہے اور مسلمانوں کی وحدت کو اہمیت دیتا ہے قرآن فرماتا ہے: {واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا} (۲) آپ دشمن کا ہاتھ دیکھتے ہیں، دشمن کی سازش دیکھتے ہیں جو برابر مسلمانوں میں تفرقہ پھیلاتا ہے اور پھوٹ ڈالتا رہتا ہے۔ کیا اس مقام

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۔ حدید: ۲۵۔

۲۔ آلعمران: ۱۰۳۔

پر بھی آپ کہیں گے: امر بالمعروف مت کیجئے، منہ سے بات مت کہیں، نہی عن المنکر نہ کیجئے، اس لئے کہ ایسی بات کہتا ہوں تو میری جان خطرے میں ہے، میری آبرو کو گزند پہنچ جاتی ہے، معاشرہ پسند نہیں کرتا ہے۔ کیا ایسی ایسی بے ہودہ بات کریں گے؟

لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، بڑے مسائل میں کسی حد و مرز کو نہیں پہچانتا۔ کوئی محترم چیز، کوئی محترم کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی برابری نہیں کر سکتا، اسے نہیں روک سکتا۔ اس اصل کا دار و مدار اس پر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا موضوع کیا ہے۔ یہی سبب ہے جو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و قیمت اور اہمیت اتنی بلند کر دی۔ جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصل نے حسینی تحریک کی قدر و قیمت بہت بڑھا دی جیسا کہ میں ایک بیان میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اسی طرح حسینی تحریک نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درجہ بہت بلند کر دیا کیونکہ امام حسینؑ نے سنی کیونکہ کوئی ایک شخص بھی حسینی تحریک کی تائید نہیں کر رہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ لوگ جس طرح سوچتے تھے درست ہی سوچتے تھے لیکن جس سطح پر امام حسینؑ سوچ رہے تھے وہ ان کی فکر کی سطح سے بہت بلند تھی۔ وہ اس طرح سوچتے تھے اگر یہ سفر سرِدار حاصل کرنے کیلئے ہے تو اس کا انجام اچھا نہیں ہے اور لوگ سچ ہی کہتے ہیں۔ خود امام حسینؑ نے بھی جب عاشور کے دن حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو فرمایا: ''للہ در ابن عباس... رقیق'' مرحبا! ابن عباس پر، جو حوادث کو باریک پردے میں سے دیکھ لیتا ہے، انہوں نے آج کے تمام، کوفیوں کے اطوار اور میرے اہل بیتؑ کی حالت مجھ سے مدینہ میں ہی بیان کر دی تھی کہ اگر آپ کوفہ جائیں گے تو مجھے یقین ہے کہ کوفی بدعہدی کریں گے، بہت سے دوسرے لوگ بھی یہی کہتے تھے۔ کچھ لوگوں کو جواب دینے کے بجائے خاموش ہو جاتے تھے۔ ان میں سے ایک کے جواب میں آپ نے فرمایا: ''لا یخفی علی الامر'' جو بات تم کہہ رہے ہو مجھ سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، میں خود بھی جانتا ہوں۔ امام حسینؑ نے ایسے واقعات میں یہ ثابت کر دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے اسلامی اصل کی خاطر جان قربان کی جا سکتی ہے، عزیز قربان کئے جا سکتے ہیں، مال اور دولت لٹائی جا سکتی ہے، لوگوں کے طعنے سنے اور سہے جا سکتے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی شخص امام حسینؑ بن علیؑ کے برابر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصل کی قیمت ادا کر سکا ہے؟ حسینی تحریک کا مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس قدر بلند ہے کہ اس کی راہ میں اس حد تک فداکاری کی جا سکتی ہے۔

حسنی تحریک کے پیش نظر اب اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی حد ہوتی ہے، ہر گز نہیں ہوتی۔ یہ اصل حد تسلیم نہیں کرتا البتہ فتنہ و فساد کو پہچانتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرط عدم فتنہ (فساد کا نہ ہونا) ہے، وہ ٹھیک کہتے ہیں، اس لحاظ سے ٹھیک کہتے ہیں کہ ممکن ہے میں کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور اسلام کی خدمت بجا لانا چاہوں لیکن یہی اسلام کیلئے ایک دوسرا ہی فتنہ کھڑا کر دیتا ہے جو میری اس خدمت سے کہیں بڑا اور زیادہ ضرر رساں ہے۔ بہت سے لوگ نہی عن المنکر کرتے ہیں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لیکن اس سے نہ صرف یہ کہ انہیں کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ جس کو نہی عن المنکر کرتے ہیں اس شخص کو دین سے ہی بالکل الگ کر دیتے ہیں۔ میں فتنے کی ترتیب کا مسئلہ تو قبول کرتا ہوں لیکن نقصان کا مسئلہ اور وہ بھی شخصی اور ذاتی نقصان کا مسئلہ ان معنوں میں قبول نہیں کرتا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حد ذاتی یا شخصی نقصان ہے (چاہے اس کا کوئی موضوع ہو، چاہے جس موضوع کے بارے میں ہو) اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ بات امام حسینؑ نے بھی قبول نہیں کی اور دوسری دلیلوں کی رو سے بھی جن پر بحث کا اس وقت موقع نہیں ہے، امام حسینؑ نے اس اصل کو اپنایا اور ثابت بھی کر دیا کہ میں نے اس دلیل سے قیام کیا ہے، یا کم از کم وہ ایک سبب یا عنصر جس نے مجھے اس تحریک پر آمادہ کر دیا ہے یہی ہے۔ آپ معاویہ کے زمانے میں ایسی علامتوں اور قرینوں کا اظہار کر رہے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ اپنے آپ کو قیام کیلئے آمادہ کر رہے ہیں، آپ نے پیغمبرؐ کے صحابہ کو منیٰ میں جمع کر کے ان سے گفتگو کی، ان پر واضح کر دیا، ان کے سامنے حقائق بیان کئے، حالات کی خرابیاں اس کے سامنے ظاہر کر دیں اور فرمایا کہ آپ لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے "تحت العقول" کی وہ مشہور حدیث جو بہت مفصل اور اعلیٰ ہے یہ واقعہ پورے طور پر بتاتی ہے اور یہ بھی نشاندہی کرتی ہے کہ امام حسینؑ کس طرح سوچ رہے تھے، امام حسینؑ معاویہ کی عمر کے آخری حصے میں اسے ایک خط لکھتے ہیں اور اسے ملامت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: اے معاویہ ابن ابوسفیان! خدا کی قسم! اس وجہ سے کہ میں ابھی تجھ سے جنگ نہیں کر رہا ہوں، ڈرتا ہوں کہ خدا کی بارگاہ میں کوتاہی کر رہا ہوں، یہ خیال نہ کرنا کہ حسین آج خاموش ہے تو قیام پر آمادہ نہیں ہے۔ میں مناسب وقت کا منتظر ہوں تاکہ میرا قیام مؤثر ہو اور مجھے اس ہدف کی راہ میں جس کیلئے کوشاں ہوں ایک قدم آگے لے جائے آپؑ جس دن مکہ سے نکلتے ہیں ایک وصیت نامہ میں محمد ابن حنفیہ کو لکھتے ہیں اور اپنی بات صاف صاف بیان کرتے ہیں: "انی ما خرجت... عن المنکر" (۱) راستے میں امام حسینؑ کتنے ہی موقعوں پر اس اصل سے اپنی وابستگی ظاہر کرتے ہیں اور ان موقعوں پر خصوصیت سے اصل دعوت اور بیعت کا ذکر نہیں کرتے۔ عجیب بات یہ ہے کہ راستے میں جتنے زیادہ وحشت ناک واقعات کا علم ہوتا تھا اور کوفہ سے جتنی زیادہ مایوس کن خبریں پہنچتی تھیں، امام حسینؑ کی ہر تقریر پچھلی تقریر سے زیادہ اندوہناک ہوتی جاتی تھی چنانچہ جناب مسلم ابن عقیل کی شہادت کی خبر پہنچنے کے بعد آپ یہ مشہور تقریر کر رہے تھے: "ایھا الناس!... بصلاح" یہ اپنے پدر بزرگوار کے کلمات کا اقتباس ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں: "الا ترون... محقا" (۲) کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ الٰہی قوانین پامال ہو رہے ہیں؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ اس قدر خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اور کوئی منع نہیں کر رہا ہے اور کوئی بھی باز نہیں آ رہا ہے؟ "لیرغب... محقا" ایسے حالات میں مومن (یہ نہیں فرمایا: میں جو حسینؑ بن علیؑ ہوں میرا خصوصی دستور ہے، میں چونکہ امام ہوں میرا فرض یہ ہے) کو جان پر کھیل جانا اور اللہ سے ملاقات کو مد نظر رکھنا چاہئے، ان حالات میں جان پر کھیل جانا چاہئے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اتنی اہمیت اور قدر و قیمت ہے۔

اثنائے سفر میں ایک تقریر میں حالات کی وضاحت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "انی لا اری الموت... الا برما)" (۳)

اے لوگو! ان شرائط اور حالات میں میں مرنے کو ہی سعادت سمجھتا ہوں ((بعض نسخوں میں شہادت لکھا ہے اور بعض میں سعادت) میں مرنے کو خدا کی راہ میں شہادت جانتا ہوں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یعنی اگر کوئی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں مارا جائے تو وہ شہید ہے (میں مرنے کو سعادت سمجھتا ہوں اس فقرے کے معنی بھی یہی ہیں) "والحیوۃ... برما" میں ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو باعث ملامت سمجھتا ہوں، میری روح ایسی روح نہیں ہے، جو ظالموں سے میل کر سکے۔ سب سے بالا اور صریح وقت وہ ہے جب حالات سو فیصد مایوس کن ہو چکے ہیں۔ یہ وقت ہے جب آپ عراق

۱۔ مقتل خوارزمی ج ا ص ۱۸۸۔

۲۔ تحف العقول ص ۲۴۵ مختصر فرق کے ساتھ۔

۳۔ تحف العقول ص ۲۴۵۔

کی سرحد میں داخل ہو چکے ہیں اور جناب حر بن یزید ریاحی کا لشکر آپ کے مقابل آ گیا ہے، ہزار سپاہیوں کا لشکر اس بات پر مامور ہے کہ آپؑ کو اپنی نگرانی میں کوفہ لے جائے۔ اس مقام پر امام حسینؑ وہ مشہور تقریر فرماتے ہیں جسے طبری جیسے معتبر مورخوں نے نقل کیا ہے اور جس میں آپ پیغمبرؐ کی گفتگو سے تمسک کرتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول سے تمسک کرتے ہیں۔

"ایھا الناس!... وافی ءاللہ" (۱) مشہور قانون کے مطابق آپ ایک بہت کامل صغریٰ اور بہت کامل کبریٰ (۲) کا انتخاب کرتے ہیں، مشہور قانون کے مطابق پہلے پورے کبریٰ کا ذکر فرماتے ہیں: اے لوگو! پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی کسی ظالم اور جابر کی حکومت کو دیکھتا ہے کہ وہ خدا کا قانون تبدیل کر رہی ہے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا رہی ہے، مسلمانوں کے بیت المال کو ذاتی پسند پر خرچ کر رہی ہے، الٰہی حدود توڑ رہی ہے، مسلمان کے خون کو محترم نہیں شمار کرتی ہے اور پھر ایسے حالات میں بھی وہ خاموش بیٹھا رہتا ہے تو وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ خدا (اور سچ مچ خدا یہی کرتا ہے یعنی علم الٰہی میں ثابت ہے کہ) ایسے خاموش رہنے والے انسان کو اس جائز اور جابر کی جگہ شمار کرے۔ اس کے بعد آپ مطلب صغریٰ کا بیان فرماتے ہیں: "ان ھولاء القوم" یہ لوگ جو آج حکومت کر رہے ہیں (آل امیہ) ایسے ہی لوگ ہیں (یعنی جائز و جابر ہیں) کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ انہوں نے حرام کو حلال کر دیا ہے، حلال کو حرام کر دیا ہے؟ کیا انہوں نے الٰہی حدود کی خلاف ورزی نہیں کی ہے؟ قانون الٰہی کو تبدیل نہیں کر دیا ہے؟ مسلمانوں کا بیت المال اپنے ذاتی اختیار میں نہیں لے لیا ہے اور ذاتی مال کی طرح اپنی ذات کیلئے اسے خرچ نہیں کر رہے ہیں؟ اس لیے جو شخص ان حالات میں خاموش رہے گا وہ انہیں لوگوں کی طرح شمار ہو گا۔ پھر آپؑ نے اپنی ذات سے اس کی تطبیق فرمائی: "ونا احق من غیر" اپنے نانا کے اس دستور پر عمل کرنے میں دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ موزوں ہوں۔

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۰۴

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۔ منطقی اصطلاحیں ہیں کبریٰ وصغریٰ۔

تھے، انہوں نے خود کو انسان پر فدا کر دیا، انسانی معاشرے پر قربان کر دیا، انسان کے تقدس پر خدا پر قربان کر دیا اسی سبب تمام لوگ انہیں دوست رکھتے ہیں، چاہتے ہیں، پسند کرتے ہیں۔ جس وقت انسان دوسرے شخص کو دیکھتا ہے اس میں کوئی بات اپنی موجود نہیں ہے جو کچھ ہے شرافت اور انسانیت ہے تو وہ اسے اپنے آپ سے متحد اور ایک سمجھ لیتا ہے۔

امام حسینؑ سے ملنے کے بعد جناب حر چاہتے تھے کہ آپ کو کوفہ لے جائے لیکن امامؑ نے منع کر دیا۔ امام حسینؑ اپنے آپ کو ذلیل کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ آپ کو اپنی نگرانی میں لے جائے، آپؑ نے فرمایا: میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آخری بار بات چیت کے بعد یہ طے پایا کہ ایسا راستہ اختیار کیا جائے جو نہ کوفہ جاتا ہو، نہ مدینہ پہنچتا ہو یعنی مغرب کی سمت اختیار کیا جو چلتے چلتے زمین کربلا پر ختم ہوا۔ امام حسینؑ محرم کی دوسری تاریخ کو کربلا پہنچے، تقریباً بہتر (۷۲) افراد کی جماعت کے ساتھ خیمہ لگائے گئے، دوسری جانب مقابل میں دشمن کے ہزار نفر کا لشکر خیمہ زن ہوا۔ دشمن کے جاسوس برابر آتے جاتے رہتے تھے، چند روز کے بعد دشمن کی مدد آئی۔ اس مدد میں ایک ہزار لشکری، تین ہزار لشکری اور پانچ ہزار لشکری تھے، لکھا ہے کہ چھٹے دن تک ”حتیٰ کملت ثلاثین“ تیس ہزار سپاہیوں کا لشکر مکمل ہو گیا۔ ابن زیاد نے یہ فیصلہ کیا کہ جس شخص کو حکومت اور امارت دے گا اسی کو اس لشکر کی سرداری عطا کرے گا۔ وہ ابن سعد تھا، اس سلسلے میں اس نے ایک نفسیاتی چال چلی چونکہ وہ سعد بن ابی وقاص کا بیٹا تھا اور سعد بن ابی وقاص شیعہ ہونے کے نقطہ نظر سے ایک ضعیف تھا کیونکہ انہوں نے امیر المومنینؑ کی خلافت کے دور میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی نہ اس طرف آتے تھے نہ اس طرف جاتے تھے۔ اسلامی غزوات میں اپنے لئے کافی عزت حاصل کر چکے تھے اور پیغمبرؐ کے زمانے میں بھی اسی طرح لوگوں میں بہت زیادہ مشہور، نامور اور ہر دل عزیز تھے، لوگوں کی نظر میں وہ ایسے بڑے سردار تھے جنہوں نے اسلامی جنگوں میں بہت زیادہ فتوحات حاصل کی تھیں۔

ابن زیاد نے پسر سعد کا انتخاب کیا تھا تاکہ نفسیاتی نقطہ نظر سے فائدہ اٹھائے یعنی اس طرح لوگوں کو یہ سمجھائے کہ یہ بھی ان جنگوں ہی کی طرح ایک جنگ ہے۔ جس طرح سعد بن ابی وقاص کفار سے لڑتے تھے پسر سعد بھی نعوذ باللہ ایک ایسے فرقے سے لڑ رہا ہے جو اسلام سے خارج ہو گیا ہے۔ جو حریص جس نے خود ہی اپنی طمع کا اظہار کر دیا تھا... سمجھدار آدمی تھا اور کسی وجہ سے اس کا بالکل احسان مند ہونا بھی نہیں چاہتا تھا لہٰذا ابن زیاد کی خوشامد کرنے لگا کہ مجھے اس کام سے باز رکھ، ابن زیاد بھی اس کمزور پہلو جانتا تھا۔ وہ اس سے پہلے اس کیلئے ”رے“ اور ”گرگان“ کی حکومت کا حکم نامہ جاری کر چکا تھا۔ وہ کہنے لگا: میرا حکم نامہ واپس کر دے (یزیدی لشکر کی سرداری پر) نہیں جانا چاہتا تو نہ جا۔ وہ بھی چونکہ اس حکومت کا گرفتار تھا اور اس ملک کی آرزو رکھتا تھا کہنے لگا: مجھے جانے دے میں سوچ لوں......اب اس نے جس آدمی سے مشہور کیا اس نے اسے ملامت کی اور کہا ایسا کام بھی نہ کرنا لیکن آخر میں اس پر طمع غالب آ گئی اور اس نے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ جب سے کربلا میں آیا یہ کوشش کر رہا تھا کہ خدا اور خرما ایک جگہ ہو جائیں بلکہ اس کوشش یہ تھی کہ کسی طرح صلح ہو جائے یعنی خود کو امام حسینؑ سے بچالے۔ کم سے کم خود اس سے نجات پائے، بعد میں جو ہو سو ہو۔ اس نے دو تین بار امام حسینؑ سے بات چیت کی۔ بقول طبری چونکہ ان مذاکرات میں صرف انہیں دو اشخاص نے شرکت کی ہے اس لئے ان مذاکرات کی صحیح صحیح معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ ان کا صرف اتنا حصہ ملا ہے جو بعد میں خود عمر ابن سعد نے بیان کیا ہے یا ہم اس سلسلے میں آئمہ اطہارؑ کی زبان سے جس قدر اطلاعات پائے ہیں ورنہ اور کوئی معلومات نہیں ہے۔ وہ بہت کوشش کرتا رہا بلکہ کام کرتا تھا (یہ بھی لکھا ہے کبھی کبھی جعل باتیں بھی گھڑ لیتا تھا) کہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔ اس کا آخری خط جو عبید اللہ ابن زیاد کے نام پہنچا ہے اس وقت مجلس میں کچھ کاسہ لیس بیٹھے ہوئے تھے، عبید اللہ قدرے سوچنے لگا، بولا ممکن ہے اس جھگڑے کو وہ سلامتی کے ساتھ حل کر لے لیکن ٹکڑے توڑنے والے مانع آئے جو یخنی کے پایوں سے زیادہ گرم رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک شمر بن ذی الجوشن تھا، وہ اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور بولا امیر! تم بہت غلطی کر رہے ہو، آج امام حسینؑ تمہارے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، اس جھگڑے سے نمٹ ہی لو، کیا تم نہیں جانتے کہ ان کے والد کے شیعہ اس اسلامی ملک میں کم نہیں ہیں زیادہ ہی ہیں، کوفہ ہی کے لوگوں پر منحصر نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اطراف کے شیعہ جمع نہ ہو جائیں اور اگر جمع ہو گئے تو پھر تم حسینؑ سے نہیں جیت سکو گے۔ لکھا ہے کہ ایک آدمی کی طرح جو سوتے سوتے ایک دم جاگ اٹھے ابن زیاد بولا تو نے ٹھیک کہا۔ پھر یہ شعر پڑھا:

الآن قد علقت مخالبنا بہ یرجو النجاۃ ولات حین مناص

"ابھی وہ ہمارے چنگل میں ہے اور وہ نجات کا راستہ تلاش کر رہا ہے لیکن اب امان کا وقت گزر چکا ہے"۔

اور اس کے ساتھ عمر ابن سعد پر غضبناک ہوا بولا: وہ کیا سمجھ کر ہم کو دھوکا دیتا ہے۔ فوراً عمر ابن سعد کو خط لکھا ہے کہ ہم نے تجھ کو اس لئے نہیں بھیجا کہ ہمیں باپ کی سی نصیحتیں لکھ کر بھیجا کرے۔ تو متعینہ افسر ہے، سپاہی ہے، تجھے ضابطے کا خیال رکھنا چاہئے، میں جو کچھ تجھے حکم دیتا ہوں تو بے چون و چرا اس کو نافذ کر، اگر تو نہیں چاہتا تو کنارہ کر، میں کسی دوسرے کو اس کام پر لگا دوں گا۔ اس نے شمر ابن ذی الجوشن کو خط دیا اور کہا اسے اس کے ہاتھ میں دینا۔ اسی سلسلے میں ایک اور خفیہ فرمان لکھ کر شمر کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اگر عمر ابن سعد حسینؑ سے لڑنے کو منع کر دیں تو اس فرمان کے تحت تو اس کی گردن مار دے، اس کا سر مجھے بھیج دے اور لشکر کی سرداری خود سنبھال لینا۔

لکھا ہے کہ نویں محرم کو شمر بن ذی الجوشن یہ خط لے کر کربلا پہنچا۔ (نویں کے عصر کا وقت تھا، نویں محرم کا دن اہل بیت پیغمبرؐ کیلئے بہت غمناک دن تھا) امام صادقؑ نے فرمایا: "ان تاسوعاء یوم حوصر فیہ الحسین" (۱) وہ دن ہے جب امام حسینؑ کا محاصرہ سخت ہو گیا تھا، یہ وہ دن ہے جب عمر ابن سعد کے لشکریوں کو کافی مدد پہنچی لیکن اہل بیت پیغمبرؐ کو کوئی مدد نہ پہنچی، تاسوعا (نویں محرم) کے عصر کے وقت یہ ازلی اور ابدی لعین کربلا پہنچتا ہے۔ پہلے وہ کھلا ہوا خط عمر ابن سعد کو دیتا ہے، امید کرتا ہے کہ وہ کہے نہیں! میں امام حسینؑ سے جنگ نہیں کروں گا تاکہ دوسرے حکم نامے کی رو سے عمر ابن سعد کو قتل کر دے اور خود لشکر کا سردار بن جائے لیکن اس کی امید کے خلاف عمر ابن سعد نے اس پر نگاہ ڈالی اور کہنے لگا: میرا اندازہ یہ ہے کہ میرے خط کا ابن زیاد پر اثر ہوا تھا لیکن تو موجود تھا اور تو مانع ہوا۔ اس نے کہا اب جو کچھ ہے ارادہ بتا، جنگ کرتا ہے یا کنارہ؟ اس نے جواب دیا: نہیں! خدا کی قسم! میں اس طرح لڑوں گا کہ سر اور ہاتھ کٹ کٹ کر آسمان کی جانب اڑیں گے۔ اس نے پوچھا: میرا فرض کیا ہے؟... عمر ابن سعد جانتا تھا یہ بھی عبید اللہ ابن زیاد سے زیادہ قربت

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

رکھتا ہے (دونوں کی قسم ایک ہی ہے۔ جو زیادہ شقی اور قسی القلب ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں) اس سے کہنے لگا تو بھی پیادوں کی کمان سنبھال لے۔

فرمان بہت سخت تھا کہ میرا خط پہنچتے ہی حسینؑ پر سختی کرنا۔ حسینؑ ان دو باتوں میں سے ایک بات قبول کر سکتے ہیں: غیر مشروط اطاعت یا لڑائی اور قتل۔ تیسری بات نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ نویں محرم کا آفتاب غروب ہونے والا ہے۔ حسینؑ بن علیؑ ایک خیمے کے باہر اس طرح بیٹھے ہیں زانوئوں پر ہاتھ اور سر رکھے ہیں، نیند سی آگئی ہے۔ جب عمر ابن سعد نے فرمان پڑھ لیا سخت گیر ہو گیا تو آواز دی: ''یا خیل اللہ! ار کبی وا بلجنۃ ابشری'' (ذرا دھوکہ بازی، جھوٹ اور ریاکاری دیکھئے) ''اے لشکر خدا سوار ہو جائو، میں تم کو بہشت کی بشارت دیتا ہوں۔'' لکھا ہے کہ یہ تیس ہزار کا لشکر جو حسینؑ کے خیموں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا ایسے سمندر کی طرح جس میں طوفان آجاتا ہے یکایک جوش و خروش اور حرکت میں

۱)۔ نفس المھموم ص ۲۲۵ نقل از کافی ج ۴ ص ۱۴۷۔

آگیا اور اس نے طوفان برپا کر دیا۔ یکایک گھوڑوں اور آدمیوں کے شور، آوازوں اور ہتھیاروں کی جھنکاروں سے صحرا گونج اٹھا۔

جناب زینبؑ ایک خیمے میں تشریف رکھتی ہیں، امام زین العابدینؑ کی تیمارداری کر رہی ہیں۔ باہر کی آوازیں سنیں فوراً باہر نکلیں دیکھا دشمن کا لشکر حصار تنگ کرتا جا رہا ہے۔ آئیں! امام حسینؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا: بھیا! اٹھیں۔ کیا آپ انہیں دیکھ رہے ہیں؟ کیا آپ انہیں سن رہے ہیں؟ دیکھئے تو کیا بات ہے۔ حسینؑ سر اٹھاتے ہیں، اس لشکر پر توجہ کئے بغیر فرماتے ہیں: ''میں نے ابھی خواب میں اپنے جد کو دیکھا، انھوں نے مجھے خوشخبری سنائی، فرماتے تھے میرے حسینؑ تو بہت جلد مجھ سے ملنے والا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس بات سے جناب زینبؑ کے دل پر کیا گزری۔

شب عاشور ہے۔ یہ ایسی رات ہے کہ ہم اگر شہیدان کربلا کے حال پر اچھی طرح غور کریں تو ایک طرف تو اس حماسہ کو دیکھتے ہیں جس سے ہماری روح میں ہیجان برپا ہو جاتا ہے ہمارا دل دھڑکنے لگتا ہے اور دوسری طرف ہم غم میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس بات کے دلائل موجود ہیں کہ شب عاشور جتنی سخت جناب زینب پر گذری ہے کسی پر نہیں گذری اور پھر جس قدر سختی اس رات گزری ہے اتنی کسی اور موقع پر نہیں گزری۔ اس لئے کہ عاشورہ کے دن گویا جناب زینبؑ کی روحانی حالت بہت قوی تھی اور واقعات کے ساتھ ساتھ زیادہ قوی اور توانا ہوتی گئی۔

اس رات میں دو سانحے ایسے پیش آئے جنھوں نے جناب زینبؑ کو بہت بے چین کر دیا ہے۔ ایک نویں محرم کی عصر کے وقت پیش آیا اور دوسرا عاشور کی شب میں۔ اس رات کیلئے امام حسینؑ کا ایک مفصل پروگرام ہے۔ اس میں ایک کام یہ ہے کہ آنے والے کل کیلئے اپنے اصحاب کا اسلحہ تیار کر رہے ہیں۔ جون (یا ہوی) نامی ایک شخص ہے جو حضرت ابوذر غفاریؓ کا آزاد کردہ غلام ہے، وہ اسلحہ تیار کرنے میں ماہر تھا۔ ہتھیاروں کیلئے ایک خیمہ مخصوص تھا جس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں یہ مرد اسلحہ سازی میں مشغول تھا،امام حسینؑ اس کا کام دیکھنے کیلئے آئے ہوئے تھے۔اتفاق سے یہ خیمہ امام زین العابدینؑ کے خیمے کے برابر تھا جو بیمار تھے اور جناب زینبؑ آپؑ کی تیمارداری کر رہی تھی۔یہ دونوں خیمے ایک دوسرے کے بہت نزدیک تھے کیونکہ امام حسینؑ نے حکم دے دیا تھا کہ خیموں کی قناتیں اس رات کو ایک دوسرے کے اس قدر قریب کرلی جائیں کہ ایک کی طنابیں دوسرے خیمے میں داخل ہو جائیں۔اس کی وجہ میں بعد میں عرض کر دوں گا۔

اس واقعے کے راوی امام زین العابدینؑ ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ میری پھوپھی میری تیمارداری میں مشغول تھیں۔میرے والد اسلحہ کے خیمے میں آئے ہوئے یہ دیکھ رہے تھے کہ یہ ہتھیار بنانے والا شخص کیا کر رہا ہے۔میں نے یکایک سنا کہ میرے والد زیر لب ایک شعر گنگنا رہے ہیں۔انھوں نے اسے دو تین بار دہرایا:

یادھراف لک من خلیل کم لک بالاشراق ولاصیل

وصاحب وطالب قتیل والدھر لایقنع بالبدیل

وانمالاامرالی الجلیلی

اے زمانے! تو کس قدر حقیر ہے! اے زمانے! تو کس طرح انسان سے دوستوں کو چھینتا ہے۔ہاں زمانہ ایسا ہی ہے لیکن معاملہ زمانے کے ہاتھ میں نہیں ہے، معاملہ خدا کے ہاتھ ہے۔ہم راضی بہ رضائے الٰہی ہیں، ہم وہی چاہتے ہیں جو خدا ہمارے لیے چاہتا ہے۔امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: میں سن رہا ہوں، میری پھوپھی جان بھی سن رہی ہیں میرے اور میری پھوپھی کے درمیان ایک معنی خیز اور پراسرار خاموشی قائم ہے۔میرا دل بھر آیا ہے لیکن میں اپنی پھوپھی زینبؑ کی وجہ سے نہیں رویا، میری پھوپھی زینبؑ کا دل بھی بھر آیا ہے لیکن وہ اس وجہ سے نہیں روتیں کہ میں بیمار ہوں۔ہم دونوں آنسوں کے اس طوفان کو روکے رہے۔آخر پھوپھی جان زینبؑ (پھر عورت ہیں، رقیق القلب ہیں) سے ضبط جاتا رہا اور وہ زور زور سے رونے اور دھاڑیں مارنے لگیں۔کاش! مجھے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔کاش دنیا اجڑ گئی ہوتی اور زینب یہ گھڑی نہ دیکھتیں، اسی حالت میں امام حسینؑ کی خدمت میں جا پہنچیں۔امام حسینؑ بڑھ کر جناب زینبؑ کے سامنے آئے ان کا سر دامن میں لیا اور انھیں نصیحت اور موعظت کرنے لگے:

"یااخیہ...الشیطان" اے بہن! خیال رکھو کہ شیطان تمہیں بے صبر نہ بنادے۔تمہاری برداشت نہ چھین لے۔یہ کیا ہے جو تم کہہ رہی ہو؟ کاش زمانہ اجڑ جاتا اس کا کیا مطلب ہے؟ زمانہ کیوں اجڑ جائے؟ مرنا برحق ہے، شہادت برحق ہے، شہادت ہمارا افتخار ہے، میرے نانا پیغمبر خداؐ مجھ سے بہتر تھے، میرے والد علیؑ، والدہ زہراءؑ، بھائی حسنؑ یہ سب کے سب مجھ سے بہتر تھے۔یہ سب چلے گئے ہیں، میں بھی جا رہا ہوں۔تم دھیان رکھو میرے بعد اس قافلے کی سرپرستی کرنا، میرے بچوں کی دیکھ بھال کرنا۔جناب زینبؑ نے روتے ہوئے بھرائی ہوئی کمزور آواز میں کہا: اے بھائی! یہ سب ٹھیک ہے لیکن ان میں سے جب بھی کوئی گیا میرے پاس ان میں سے کچھ دوسرے کم سے کم ایک تو ضرور ہی رہ گیا جس سے میرے دل کو سہارا رہتا تھا، ہم میں سے جو آخری

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

آدمی گیا وہ بھائی حسنؑ تھے،ان کے بعد میرے دل کو ڈھارس آپؑ سے تھی۔ بھائی! اگر تم بھی زینب کے ہاتھ سے چلے گئے تو زینبؑ اس دنیا میں پھر کس کے سہارے ہو گی۔

نویں محرم کو سہ پہر کے وقت امام حسینؑ نے (خواب کا واقعہ) جناب زینبؑ سے بتانے کے بعد فوراً اپنے سعادت مند بھائی جناب ابوالفضلؑ کو آواز دی: بھائی! فوراً چند نفر کے ساتھ ان کے پاس جا کر پوچھو کہ تازہ خبر کیا ہے؟ اگر ہم سے لڑنا بھی چاہتے ہیں تو غروب آفتاب کا وقت جنگی قانون کے مطابق لڑائی کا وقت نہیں ہے (عام طور پر صاحبان حرب صبح سے غروب آفتاب تک لڑتے ہیں، رات ہوتے ہی اپنی اپنی قیامگاہوں اور مرکزوں کو واپس چلے جاتے ہیں) یقیناً کوئی نئی بات ہے۔ حضرت عباسؑ کچھ سن رسیدہ اصحاب زہیر ابن القین، حبیب ابن مظاہر کے ساتھ جاتے ہیں اور دشمنوں کے مقابل کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کی طرف سے پیام لایا ہوں کہ تم سے پوچھوں کہ اس وقت کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ عمر ابن سعد کہتا ہے: ہاں! نئی خبر ہے۔امیر عبید اللہ ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ آپ کے بھائی یا تو غیر مشروط اطاعت قبول کریں یا ہم جنگ کریں گے۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں اپنے بھائی کے پاس جاتا ہوں اور ان سے جواب لے کر آتا ہوں۔ حضرت عباسؑ جس وقت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے تو امامؑ نے فرمایا ہم اطاعت نہیں کریں گے، جنگ کریں گے۔ میں اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑوں گا۔ان لوگوں سے صرف ایک جملہ کہہ دو! ایک خواہش، ایک تمنا، ایک مطالبہ کرلو اور وہ یہ ہے کہ اسے کل تک ملتوی کردیں۔ پھر اس وجہ سے کہ یہ گمان نہ گزرے کہ حسینؑ ایک رات اور زندہ رہنا غنیمت سمجھتا ہے اور یہ سمجھا دیں کہ وہ زندگی کو غنیمت نہیں جانتا، چند ساعت کی عمر کی کچھ وقعت نہیں سمجھتا بلکہ وہ کچھ اور چاہتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: خدا خوب جانتا ہے کہ میں یہ مہلت اس لیے چاہتا ہوں کہ اپنی عمر کی یہ آخری رات میں اپنے خدا سے راز و نیاز کرلوں، اس سے مناجات اور اس کی عبادت کرلوں، قرآن پڑھ لوں۔

حضرت عباسؑ گئے، وہ لوگ اس بات کو منظور کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن بعد میں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ان میں سے ایک نے کہا تم بہت بے حیا لوگ ہو کیونکہ ہم اگر کفار سے بھی لڑتے اور وہ اتنی مہلت مانگتے تو انھیں بھی دے دیتے، ہم پیغمبرؐ کے خاندان کو اتنی سی مہلت کیوں نہیں دیتے؟ عمر ابن سعد، ابن زیاد کے فرمان کو نظرانداز کرنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں اس کے لشکر میں اختلاف پیدا نہ ہو جائے۔ان لوگوں نے کہہ دیا: بہت اچھا! کل صبح سہی۔
حضرت امام حسینؑ نے وہ رات غیر معمولی طور پر روشن، نورانی اور پرجوش حالت میں بسر کی۔ جن لوگوں نے اس رات کو امام حسینؑ کی معراج کی رات کہا ہے، سچ کہا ہے۔اس رات آپؑ نے اصحابؓ اور اہل بیتؑ کے سامنے بہت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔یہی رات ہے جس میں آپؑ سب کو رخصت فرماتے ہیں: اے میرے ساتھیو! اے میرے اہل بیت! میں اپنے اصحاب سے بہتر کسی کے اصحاب، اور اپنے اہل بیت سے بہتر کسی کے اہل بیت نہیں پاتا۔ میں تم سب کا شکر گزار ہوں، تم سب کا ممنون ہوں لیکن یہ جان لو کہ یہ لوگ صرف میرے طلبگار ہیں، یہ میرے سوا کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ تم نے جو میری بیعت کی ہے وہ میں نے تم سے اٹھائی، تم سب آزاد ہو جو جانا چاہے چلا جائے۔ آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم میں سے جس جس سے ہو سکے میرے اہل بیتؑ میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑو اور اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ لیکن اصحاب حسینؑ تو آزمودہ تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لکھاہے سب نے ایک آواز ہو کر کہا: یہ آپ ہم سے کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم چلے جائیں اور آپ کو تنہا چھوڑ جائیں؟ ہمارے پاس ایک جان سے زیادہ بھی ہوتی تووہ بھی آپ پر قربان کر دیتے۔ کاش خدا ہم کو لگاتار ہزار جانیں عطا کرتا، ہم مارے جاتے اور دوبارہ زندہ ہوتے رہتے اور یوں ہزار جانیں آپ پر قربان کر دیتے، یہ ایک جان تو کسی قابل ہی نہیں ہے۔ لکھا ہے: ''بداھم...العباس'' وہ پہلے آدمی جنہوں نے یہ بات کہی آپؑ کے سعادت مند بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ تھے۔(آج کی رات ہم یتیم امام حسنؑ حضرت قاسمؑ کا بیان کریں گے جس کا شب عاشور میں ماجراء ہے)جب سب لوگ اپنی اپنی وفاداری کا اعلان کر چکے تو اباعبداللہؑ نے اپنی گفتگو کا رخ بدلا۔ ان کے سامنے دوسرے حقائق سے پردہ اٹھایا اور فرمایا: تو اب میں تم سے حقیقت بیان کرتا ہوں، تم جان لو کہ کل ہم سب شہید ہو جائیں گے، ہم میں سے جو اس جگہ موجود ہیں ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ سب بول اٹھے: ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ جس نے ہمارے نصیب میں ایسی شہادت اور ایسی سعادت بخشی۔ یہ تیرہ سال کا بچہ مجلس میں ایک طرف بیٹھا ہوا ہے۔ جس وقت اباعبداللہؑ یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ کل سب شہید ہو جائیں گے تو یہ بچہ اپنے دل یوں سوچتا ہے کہ اس سے شاید سن رسیدہ لوگ مراد ہوں گے، ہم کم سن ان میں شامل نہیں ہوں گے۔ تیرہ سال کے بچے کو ایسا سوچنے کا حق ہے۔ مضطرب ہے، فکر مند ہے۔ ایک مرتبہ اس نے سر اٹھا کر عرض کیا: ''یاعماہ! وانافی من یقتل؟'' عمو جان! کیا میں بھی کل قتل ہونے والوں میں سے ہوں یا نہیں؟

حسینؑ ابن علیؑ نے رقت آمیز نگاہ سے دیکھ کر فرمایا: اے بیٹا! پہلے میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں اس کا جواب دیں پھر میں آپ کے سوال کا جواب دوں گا، انہوں نے عرض کی: عمو جان فرمائیے، آپؑ نے فرمایا: تمہیں موت کا مزہ کیسا لگتا ہے؟ انہوں نے فوراً جواب دیا: ''احلی من العسل'' ایسی موت مجھے شہد سے زیادہ میٹھی لگتی ہے (یعنی میں اس وجہ سے پوچھ رہا ہوں کہ شاید کل مجھے یہ سعادت حاصل نہ ہو) آپؑ نے فرمایا: ہاں بیٹا! تم بھی کل شہید ہوگے لیکن ایک بہت بڑی مصیبت اور بہت سخت مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد۔ لیکن امام حسینؑ نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ یہ بلا کیا ہے۔ البتہ عاشور کے دن نے دکھا دیا کہ امامؑ کی کل مراد کیا تھی؟ جناب قاسمؑ میدان کو جاتے ہیں چونکہ چھوٹے ہیں، ان کے جسم کے مطابق کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ پھر بھی شیر بچہ ہیں۔ شجاعت دکھاتے ہیں یہاں تک کہ سر پر ایک وار لگتا ہے تو آپؑ گھوڑے سے گر پڑتے ہیں۔ امام حسینؑ خیمے کے در پر نگراں کھڑے ہیں، آپؑ کا گھوڑا تیار ہے، گھوڑے کی لگام آپؑ کے ہاتھ میں ہے، گویا انتظار کر رہے ہیں اچانک ''یاعماہ!'' کی فریاد فضا میں گونجی۔ عمو جان میں بھی چلا۔ عمو جان میری خبر لیجئے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حسینؑ شکاری کی طرح جناب قاسمؑ کی طرف جھپٹے۔ کوئی سمجھ ہی نہیں پایا کہ کس تیزی سے گھوڑا اڑایا۔ جناب قاسم کے زمین پر گر پڑنے کے بعد دشمن کے کافی سپاہیوں (تقریباً دوسو آدمیوں) نے اس بچے کو گھیر لیا تھا تا کہ ان میں ایک شخص سر تن سے جدا کر لے۔ اچانک جو انھیں پتہ لگا کہ حسینؑ جھپٹے ہوئے آ رہے ہیں تو لومڑیوں کے اس گلے کی طرح شیر کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کا وہ آدمی جو جناب قاسمؑ کا سر کاٹنے کیلئے گھوڑے سے اتر آیا تھا گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو کر جہنم واصل ہو گیا۔ اس وقت اتنا گرد و غبار اٹھا تھا کہ کسی کو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ معاملہ کیا ہوا۔ دور سے دوست اور دشمن دیکھ رہے ہیں۔ ''فاذن جلس الغبرۃ'' جب دھول بیٹھ گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ حسینؑ جناب قاسم کے سرہانے بیٹھے ہیں، ان کا سر زانوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے حسینؑ کی بلند آواز سنی، وہ کہہ رہے تھے۔ ''عزیز علی... فلاینفعک'' اے بیٹے! تیرے عم پر یہ بات کس قدر شاق

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے(۱) کہ تو عمو جان کو پکارے اور میں نہ پہنچ سکا، تیرے سرہانے پہنچا اور تیرے کسی کام نہ آسکا۔ راوی کہتا ہے کہ جناب قاسم کا سر امام حسینؑ کے آغوش میں ہے جان کنی کے عالم میں ایڑیاں زمین پر رگڑ رہے ہیں۔ اسی حالت میں ''فشھق شھقتا فمات'''' ایک فریاد

)۱(۔ میں نے قم میں سنا تھا کہ اس شہر کے ایک مشہور واعظ نے مرحوم آیت اللہ الحاج شیخ عبدالکریم حائری کے سامنے یہ بیان پڑھا تھا (یہ بہت مخلص شخص گزرے ہیں یہ ان لوگوں میں سے تھے جو پیغمبر اکرمؐ کے اہل بیتؑ کے عاشق ہیں اور یہ بات مجھے تواتر سے معلوم ہوئی ہے، مجھے ان کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا۔ ان کی وفات کے دس ماہ بعد مجھے قم جانے کا اتفاق ہوا تو جن لوگوں نے انہیں دیکھا تھا وہ کہتے تھے کہ جیسے ہی یہ بزرگ شخص امام حسینؑ کا نام سنتے تھے ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوں جاری ہو جاتے تھے)انھوں نے اتنا گریہ کیا اور اپنے آپ کو پیٹا کہ بے حال ہو گئے پھر انھوں نے اس واعظ سے کہا: میری درخواست ہے کہ جب میں مجلس میں ہوا کروں تو تم یہ بیان نہ پڑھا کرو کیونکہ مجھ میں اس کے سننے کی تاب نہیں ہے۔

کی اور جان دے دی، یکایک لوگوں نے دیکھا کہ حسینؑ نے جناب قاسم کی لاش اٹھا کر بغل میں لے لی۔ لوگوں نے دیکھا کہ جناب قاسم کو خیمہ گاہ کی طرف لے جارہے ہیں، یہ بہت عجیب اور عظیم بات ہے۔ جب جناب قاسم میدان میں جانا چاہتے ہیں تو حسینؑ سے درخواست کرتے ہیں، حسینؑ کا دل نہیں چاہتا کہ اجازت دیں۔ جس وقت امامؑ اجازت دے دیتے ہیں تو ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال دیتے ہیں اور دونوں رو رو کر بے حال ہو جاتے ہیں۔ یہاں منظر بالکل الٹ گیا ہے یعنی تھوڑی دیر پہلے حسینؑ اور جناب قاسم کو دیکھا تھا کہ ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے ہیں لیکن اب جو دیکھتے ہیں تو حسینؑ جناب قاسم کو بغل میں لئے ہوئے ہیں۔ لیکن جناب قاسم کے ہاتھ نیچے لٹکے ہوئے ہیں کیونکہ اب ان کے جسم میں جان نہیں ہے۔

چھٹی مجلس

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں ہمارا کارنامہ)۱(

الحمد اللہ رب...الرجیم {التابون...المومنین})۲(

''حسینی تحریک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عنصر'' کے متعلق میں نے پانچ مجالس میں جو باتیں عرض کیں اب جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ان کا نتیجہ ہے۔ بطور خلاصہ عرض ہے کہ ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں سب سے پہلے یہ کہا تھا کہ اسلامی نقطہ نظر سے معروف اور منکر کی کوئی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے تمام مثبت مقاصد معروف میں اور اسلام کے تمام منفی ہدف منکر میں داخل ہیں اور اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ''امر'' اور ''نہی'' سے تعبیر ہوا ہے لیکن قرآن مجید سے جو قرائن ملتے ہیں اور اسلام کی قطعی احادیث کی رو سے اور اس دلیل سے کہ یہ ہمارے اسلامی فقہ کے مسلمات میں سے ہے اور ہماری اسلامی تاریخ بھی گواہی دیتی ہے اس سے صرف لفظی امر اور نہی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اسلامی مقاصد

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کے حصول کی خاطر ہر شرعی وسیلے سے کام لینا مراد ہے چنانچہ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روح کو اپنی زبان میں بیان کرنا چاہیں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ اسلامی مقاصد کے حصول کی خاطر ہر شرعی وسیلے کا استعمال لازمی ہے۔

۱۔ یہ تقریر ۱۳۴۸/۱۲/۲۸ بمطابق ۱۰ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۰ ہجری کو کی گئی۔

۲۔ توبہ: ۱۱۲۔

میں جو بات بطور خلاصہ کہنا چاہتا ہوں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں ہمارا کارنامہ ہے جیسا کہ میں نے پچھلی مجلسوں میں عرض کیا ہے یہ اصل اسلامی تعلیمات کا ایک رکن ہے، یہ ایک ایسا رکن ہے جو اسلامی کتب اور پیغمبر اکرمؐ کے قول کا نص صریح ہے، یہ اگر ختم ہو جائے تو تمام اسلامی تعلیمات ہی ختم ہو جائیں۔ اگر یہ اصل منسوخ ہو جائے تو اسلامی جامعہ کی وہ صورت نہیں رہ سکے گی جو ہونا چاہئے۔

اس بارے میں ہمارا کارنامہ کیا کارنامہ ہے؟ بدقسمتی سے ہم مسلمانوں کا کارنامہ اس سلسلے میں کچھ روشن نہیں ہے! اس لحاظ سے کارنامہ نمایاں نہیں ہے کہ ہم میں اول تو وہ احساس ہی نہیں ہے جتنا اس سلسلے میں اسلام سنجیدہ ہے یعنی اسلام نے اس موضوع کو جتنی اہمیت دی ہے ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ دوسرے جہاں تک ہم نے اپنے حساب اور خیال کے مطابق اس موضوع کی اہمیت کا سراغ لگایا بھی ہے تو ہم میں اس کی شرائط موجود نہیں ہیں۔ مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے موضوع کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا ہے جب آپؐ نے یہ فرمایا: ''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ'' (۱) تم مسلمان سب کے سب ایک دوسرے کے نگہبان بھی ہو اور سبھی اپنی جگہ پر ایک دوسرے کے مسئول اور ذمہ دار ہو۔ اس سے بہتر تشریح نہیں ہو سکتی یعنی اسلامی تعلیمات سے متعلق اسلامی معاشرے کی حفاظت اور دیکھ بھال کیلئے تمام مسلمانوں کی ایک قسم کی مشترک ذمہ داری اور ضمانت۔ یہ بھاری فریضہ اول تو کافی آگاہی اور اطلاعات کا تقاضہ کرتا ہے یعنی ناواقف فرد یا جماعت یہ فریضہ اچھی طرح انجام نہیں دے سکتی دوسرے اس کیلئے طاقت بھی درکار ہے۔ اتنی بڑی ذمہ داری اور اتنے بڑے فریضے کیلئے قوت اور توانائی کی ضرورت ہے اور ہم اس موضوع کیلئے ضروری توانائی اور قوت حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔ قوت تو موجود ہے لیکن ہم اس قوت کو اکٹھا نہیں کرتے۔ صحیح اور قطعی اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً سات سو ملین ہے (۲) یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سات سو ملین افراد قدرت نہیں رکھتے، یہ دنیا میں ایک عظیم قدرت بن کر نہیں رہ سکتے؟ اگر یہ جماعت اپنی تشکیل کی فکر کرے، اسلامی مقاصد کے حصول کی کوشش کرے، اسلامی اتحاد مستحکم کرے، اسلامی ہمدردی کو تقویت بخشے، اسلامی تعلیمات قائم کرے تو ممکن نہیں کہ دنیا اس کو اہمیت نہ دے جس طرح اسے آج کل کسی شمار میں نہیں لا رہی ہے۔ ناممکن ہے کہ امریکا ایسی قوت کو گنتی ہی میں نہ لائے اور بار بار اس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۔ جامع الصغیر سیوطی ص ۹۵۔

۲۔ آج کل مسلمانوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔

کی سرزمینوں پر بمباری کرتا رہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایک منظم قوت کی شکل اختیار کرلے منتشر اکائیوں کی صورت میں نہ رہیں، ایسی قوموں کی شکل میں نہ رہیں جن میں ہمیشہ اختلاف اور تفریق کے اسباب پھیلائے جائیں، ایسی قوموں کی شکل میں نہ رہیں جو یہ نہیں سوچتیں کہ یہی ان کی ایک حقیقی اور روحانی شخصیت ہے۔

ہماری اسلامی ارتباط، اتحاد، ہمدردی اور تعاون، اسلامی تعارف (قرآن کے مطابق) یعنی شناسائی کہ ایک دوسرے کو جانیں پہچانیں، ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ ہوں اور ایک دوسرے کی تقدیروں سے تعلق رکھیں انتہائی افسوسناک ہے بلکہ باعث شرم اور نہایت تاریک ہے۔

چونکہ میں اس موضوع پر اجمالی طور پر اور اشاروں میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں اس لئے اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ سمجھنا چاہیں کہ اس سلسلے میں ہماری کیا کوشش رہی ہے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں اپنے کارناموں کی پڑتال کریں یعنی اپنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مظاہر کی جانچ کیجئے اور دیکھئے کہ کیسے ہیں؟ ہم اسلام کی خدمت کے عنوان سے تبلیغ کرتے ہیں، تبلیغی مجالس منعقد کرتے ہیں۔ ان تبلیغی مجالس کی بھی جانچ کیجئے اور دیکھئے کہ وہ تمام تبلیغات جو ان مجالس میں ہوتی ہیں کہ کن حدود میں، کس طرح پر اور کن مسائل کے متعلق ہوتی ہیں، ہماری اسلامی اتحاد، ہماری ہمدردی اور ہماری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک اور مظاہرہ اسلامی کتابیں ہیں جو ہم نشر کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں اب بھی زیادہ تر جو کتابیں چھپتی ہیں وہ اسلامی مذہبی ہیں لیکن ان کتابوں کو جانچ کر دیکھئے کہ ان کتابوں کی معنوی قدر و قیمت کس قدر ہے؟ ان کے مصنفین کا معیار دریافت کیجئے اور پتہ لگایئے کہ ان کتابوں کے مضامین اور اہداف کیا ہیں؟ یہ مسلمانوں کی کس سطح کیلئے چھپ رہی ہیں؟ یعنی یہ سمجھئے کہ ہمارا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کس سطح پر ہے، کس مرتبہ و مقام پر ہے؟ دیکھئے کہ اسلام کے اجتماعی مسائل کے اندر دوسرے مسائل زیادہ ہمارے خیالات پر چھائے رہتے ہیں اور ہم دوسرے مسائل سے ان کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان میں چمکاتے ہیں۔ زیادہ تر ہم کن مسائل کی خاطر بے چین ہوتے ہیں اور ان میں حساسیت کن کو دیتے ہیں اور کن مسائل سے غفلت برتتے ہیں، الگ رہتے ہیں، ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان باتوں کی ذرا چھان بین کیجئے تب ہم سماجی بلوغیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پائیداری اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں اپنی کوششوں کا پتہ لگا سکیں گے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

چودہ صدیوں میں سے پانچ چھ صدیاں تو ہمارے دور کی روشن ترین صدیاں رہی ہیں بہت عظیم تمدن کے مالک رہے ہیں کہ ہمارے بعض ماہر معاشرہ شناس مقررین نے اسی جلسے میں تقریر کی ہیں اسلامی تمدن کی اہمیت اور اصلیت کے بارے میں بحث کی ہے۔

کتاب ''خاتم پیامبران'' کی دوسری جلد کے مقالہ ''کارنامہ اسلام'' میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلامی تمدن ہی اصل ہے اور یہ کہ اس تمدن کو صرف اور صرف اسلام نے ہی پروان چڑھایا ہے اور یہ دنیا کے اہم ترین تمدنوں میں شامل ہے یعنی بتایا گیا ہے کہ اگر پانچ یا تین تمدن درجہ اول کے تمدن ہوں تو ان میں سے ایک ضرور اسلامی تمدن ہے۔ ہم اس سلسلے میں کس قدر حساس ہیں؟ ہم اپنے تمدن اور گزشتہ کارناموں کی تبلیغ کیلئے کتنی کوشش کرتے ہیں؟ جو ہمارے جوان بنیادی طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام جب سے آیا ہے اس نے آج تک کوئی کام نہیں کیا ہے۔ جب سے اسلام آیا ہے آج تک لوگ اس پر عمل کر رہے ہیں اور اس کا آخری نتیجہ یہی ہے جس حالت میں ہم آج ہیں! ہمیں اپنی کتابوں کی بھی خبر نہیں ہے۔ اگر لوگ ہم سے پوچھیں کہ مسلمانوں کا ریاضیات میں کس قدر ابتکار ہے تو ہم نہیں جانتے۔ آخر بعض فرنگیوں نے بھی تو اس سلسلے میں اپنے فائدے کی کچھ باتیں کی ہیں۔ خوش قسمتی سے مجھے اپنے چند ایرانی دانشوروں کا پتہ ہے جنھوں نے اس سلسلے میں بہت خوب مطالعہ کیا ہے اور بہت اعلیٰ انکشافات کئے ہیں اور تحقیق سے ثابت کرتے ہیں کہ ایسے بہت سے نظریات جن کے پیش کرنے اور جن کے اختراع کا اہل یورپ دعویٰ کرتے ہیں اور ان کا اختراع دنیائے اسلام میں ہو چکا ہے ہم دوسرے شعبوں جیسے ہنر، فنون لطیفہ، فلسفہ، طبیعیات، کیمیا اور تاریخ میں بھی اپنے پچھلے ریکارڈ سے ناواقف ہیں، بے خبر ہیں اور نہیں جانتے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہیں۔ کل رات کو میں نے ایک اخبار میں یہ خبر پڑھی جو ہماری ترقی کا صحیح صحیح معیار بتاتی ہے۔ جو لوگ مشہد مقدس کی زیارت کو تشریف لے گئے ہیں اگر انہیں اس قسم کے کاموں سے ذرا سی بھی دلچسپی رہی ہوگی امام رضاؑ کے آستانے میں گنجینہ قرآن ملاحظہ کیا ہوگا وہ جانتے ہوں گے کہ آستانے کے عجائب گر کے ایک حصے میں گنجینہ قران کے نام سے دس گیارہ صدی بیشتر سے آج تک کے بہت نفیس خطوں کے قرآن موجود ہیں۔ ان قرآنوں میں سے بعض ہنر مندی اور فنون لطیفہ کے نقطہ نظر سے اس قدر غیر معمولی ہیں کہ وہاں اس کام کے انچارج نے ان میں سے ایک کے بارے میں یہ بتایا کہ اس کی قیمت پانچ ملین تومان لگ چکی ہے۔

یہ کن لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں؟ ان کے لکھنے والوں میں یا ان لوگوں میں جنھوں نے ان میں کاریگری دکھائی یہ مثلاً ان کی سجاوٹ کی ہے ایرانی معلوم ہوتے ہیں، ترک نظر آتے ہیں، مغل نظر آتے ہیں، عرب نظر آتے ہیں، ہندوستانی نظر آتے ہیں لیکن اصلی میں انھیں وجود میں لانے والا اسلام ہے یا مسلمانی یعنی یہ اسلامی روح کی بدولت وجود میں آئے ہیں۔

کل رات کو میں نے اخبار میں پڑھا کہ ایک قرآن کی آج تقریباً تین ملین تومان قیمت لگاتے ہیں۔ یہ کہاں سے آگیا؟ ردی کا کاغذوں کے صندوق میں سے یعنی آخری دو تین صدیوں سے خطی قرآن اس لئے لے آتے تھے کہ لوگ ان کی تلاوت کریں، یہ بیچارے ان قرآنوں کی قیمت سے بے پرواتھے۔ اس لیے لائے تھے کہ لوگ ثواب کی خاطر قرآن پڑھیں، انہیں بچوں کے ہاتھ میں دے دیتے تھے۔ لوگوں کو بے روک ٹوک دے دیتے تھے نتیجہ یہ نکلا کہ دھیرے دھیرے پرانے ہو جاتے تھے بعد میں انہیں لے جا کر دروازے کے باہر زمین میں گاڑ دیتے تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

خوش قسمتی سے ایسے بہت سے قران جوان کے خیال میں دفن کرنے کے قابل تھے انہوں نے بوری یا صندوق میں بند کر دیئے تھے اور ایک طرف رکھے ہوئے تھے اور شاید انھوں نے یہ چاہا بھی ہو کہ ایک دن انہیں زمین میں دفن کر دیں بہر حال ایک شخص نے جسے کم سے کم دلچسپی ضرور رہی ہے جا کر انہیں الٹا پلٹا اور ان میں سے تقریباً گیارہ سو نفیس نسخے نکالے۔ انہیں میں ایک ایسا قران بھی ہے جس کی قیمت تقریباً تیس ملین ریال ہے۔ ہم اپنے کلچر اور تمدن کے ورثے سے اس قدر واقفیت اور دلچسپی رکھتے ہیں؟! خدا کی قسم اگر انسان خون کے آنسو روئے تو بھی کم ہے اور بیشک کم ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہماری قوم کی کوشش اس قدر گھٹیا اور کم کیوں ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسے کہتے ہیں؟ یعنی ہمدردی، اتحاد، شرکت، ساتھ دینا، تعارف (شناسائی) آگاہی، درت جس نے پہلے دن یہ اصل بنایا تھا اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ اس کا دین اجتماعی دین ہے انفرادی دین نہیں ہے، صومعہ اور دیر کا دین نہیں ہے۔ جو لوگ عمر بھر دیروں اور صومعوں میں رہے آج بے نظم اور منتشر ہو رہے ہیں، اتحاد اور ہمدردی دکھا رہے ہیں اور ہمارا دین جو اجتماع، زندگی، وحدت اور اتحاد کا دین ہے تو ہم نے اسے فرد، تنہائی، جدائی اور تفرقہ کی طرف مائل کئے ہیں۔ ہمارا دین ایسا دستور دیتا ہے کہ ہم ایک آگاہ قوم بن جائیں بلکہ جو حوادث ابھی زمانے کے بطن میں چھپے ہوئے ہیں ہم اپنے آئندہ کیلئے پہلے سے ان کو بھانپ لیں۔ ہم نہ صرف آئندہ کی پیش بینی نہیں کرتے بلکہ اپنے زمانے کی حالت کو بھی نہیں سمجھ پاتے! امام صادقؑ نے تیرہ سو سال پہلے فرمایا تھا: "العالم...اللوابس"(۱) جو شخص اپنے زمانے کو سمجھتا ہے وہ اپنے زمانے کے اوضاعت کو بھی پہچانتا ہے۔ جو واقعات زمانے کی سطح پر اور اس کے اندر جاری ہیں ان کو سمجھتا ہے، اپنے کام میں غلطی نہیں کرتا یعنی جو آدمی زمانے سے بے خبر ہیں، ان حالات سے بے خبر ہیں جو زمانے کے اندر یا سطح پر گزر رہے ہیں ہمیشہ غلطی کرتے ہیں یعنی ہمیشہ دوسرا ہی کام کرتے ہیں۔ دشمن کو کچلنے کی

۱۔ تحف العقول ص ۳۵۶

جگہ اپنے آپ کو کچلتے ہیں، دشمن کا سینہ سیاہ کرنے کی جگہ اپنا ہی اگلا پچھلا کالا کر لیتے ہیں، برسوں جنگل میں رہیں۔ یہ ہے ہمارا کارنامہ۔

ہم نے پچھلی مجالس میں اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قدر و قیمت سمجھ لی اور یہ بات بھی سمجھ لی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نے حسینی تحریک کی قدر و قیمت بہت بلند کر دی اور اس طرح حسینی تحریک نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قدر و قیمت، اعتبار اور آبرو بخشی۔

اب ہم کیا کام کریں جس سے ہماری قدر و قیمت ہو، ہم ایک قوم کی حیثیت سے منزلت پائیں، ایک معتبر اور باآبرو قوم کی حیثیت اختیار کریں؟ اس سوال کا قرآن مجید نے جواب دیا ہے۔

{کنتم خیر...للناس} تم بہترین امت ہو سکتے ہو، تم قابل قدر قوم بن سکتے ہو لیکن ایک شرط کے ساتھ {تامرون...عن المنکر} کو اپناؤ، اس پر عمل کرو، اگر تم اپنی قدر و منزلت چاہتے ہو، اگر تم پیغمبر خداؐ کے نزدیک وقار چاہتے ہو تو اس اصل پر عمل کر کے خدا اور رسول کے نزدیک مقام پیدا کرو۔ اگر تم

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

چاہتے ہو کہ دنیا کی قوموں میں عزت پاؤ جس سے مشرقی بلاک بھی تمہیں اہمیت دے اور مغربی بلاک بھی تمہاری تقدیر کا مالک نہ بن سکے اور تمہارے بارے میں فیصلہ نہ کر سکے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔ اتحاد اور ہمدردی رکھو، اسلامی اخوت اور برادری کو زندہ کرو، بے خبری سے بچو، کمزوری سے پرہیز کرو، لا ابالی پن دور کرو۔ یہ بے خبری اور لا ابالی پن پروگراموں کا کیا مطلب ہے؟ بے خبری کا پروگرام اس لئے ہے کہ تم واقف نہ ہو جاؤ، نہ سمجھ سکو، نہ جان سکو، بے پروائی کس لئے ہے؟ اس لئے کہ تم کمزور رہو۔ قوت حاصل نہ کر سکو۔

ہم یہیں بیٹھے رہیں اور یہ کہتے رہیں کہ حسینی تحریک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عنصر ایک بہت بڑا سبب ہے جس نے امام حسینؑ کو سفر پر مجبور کر دیا، ان کو اپنی جگہ سے ہلا دیا امر بالمعروف تھا۔ امام حسینؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اہمیت دی۔ اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو پہلے درجے کی اہمیت دیتا ہے یعنی اسے اپنی تعلیمات کا ایک رکن سمجھتا ہے، اگر یہ رکن نہ ہو تو باقی تعلیمات کارگر نہیں ہو سکتیں۔ یہ صحیح ہے لیکن ہم کیا کام کریں؟ کیا ہم ہمیشہ ماضی ہی کی بات کرتے رہیں؟ ماضی مستقبل کیلئے ہوتا ہے؟ ماضی اور مستقبل کو باہم مربوط اور متصل کر دینا چاہئے۔ اس سلسلے میں تحریک حسینی سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے، لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیے۔ دیکھئے کیا کرتے ہیں؟ کس طرح تبلیغ کرتے ہیں؟ کس طرح کتاب لکھتے ہیں اور کس طرح انہیں لکھنا چاہئے؟ کن مسائل کے بارے میں فکر کریں اور کن مسائل کے بارے میں حساس بنیں؟

ہم دیکھتے ہیں امام علی بن ابی طالبؑ اور امام حسینؑ کن مسائل کے بارے میں سنجیدہ تھے۔ ہم بھی انہیں مسائل کی حساسی کی نشاندہی کریں۔ وہ کچھ مسائل کے بارے میں کیوں حساسی ظاہر کرتے ہیں اور ہم دوسرے مسائل کے بارے میں کیوں سنجیدگی دکھاتے ہیں؟ اس سے ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ ہم اپنی رقم کس طرح خرچ کریں۔ کیا اس سلسلے میں ہماری ترقی ہوتی ہے؟ کیا ہم سمجھتے ہیں؟ مجھے یہ ڈر ہے کہ ہم نے جاہلانہ طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے اسلام کو جو نقصان پہنچایا ہے اس طریقے سے اسلام کو جو صدمات پہنچائے ہیں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے سے کہیں زیادہ ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ اگر ہم ان تمام شائع کردہ اسلامی کتابوں کے نفع نقصان کا حساب کریں تو ان کا فائدہ زیادہ ہے یا نقصان۔ اسی طرح اس وقت میں تحقیق سے یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ اگر ہم اس رقم کا بھی حساب کریں جو اسلام کی راہ میں حتیٰ کہ قربت کی نیت سے بھی خرچ کرتے ہیں تو اسلام کیلئے اس کا نفع زیادہ ہے یا نقصان؟ چونکہ قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ انفاق دو طرح کا ہوتا ہے اور اس کی ایک قسم کے بارے میں کہتا ہے: {مثل الذین...حبۃ} (۱

۱۔ بقرہ: ۲۶۱۔

۲۔ آل عمران: ۱۱۷

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کا مسئلہ ہے، اگر کوئی نہیں بولتا۔ وہ گناہ کرتا ہے۔ اگر میں نہ کہوں تو خدا کی قسم میں گناہ کا ارتکاب کروں گا اور جو خطیب اور واعظ نہیں بولتا وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسلامی پہلو سے قطع نظر آخر اس کی کیا تاریخ ہے؟ فلسطین کا جھگڑا جو کسی اسلامی حکومت سے بھی تعلق نہیں رکھتا ایک قوم سے مربوط ہے ایک ایسی قوم سے جسے زبردستی اس کے گھر سے نکال دیتا ہے۔ فلسطین کی تاریخ کیا ہے؟

ان کا دعویٰ ہے کہ تین ہزار سال پہلے دو آدمیوں داؤد اور سلیمان نے کچھ وقت تک وہاں سلطنت کی ہے۔ تاریخ پڑھئے اس پوری دو تین ہزار سال کی مدت میں کون کہتا ہے کہ فلسطین کی زیادہ سرزمین یہودی قوم کی ملکیت ہے۔ کیا فلسطین کی سرزمین زیادہ یہودی قوم کی ملکیت ہے؟ اسلام سے پہلے بھی ان کی ملکیت نہیں تھی اسلام کے بعد بھی ان کی ملکیت نہیں تھی۔ جس روز مسلمانوں نے فتح حاصل کی تھی فلسطین پر عیسائیوں کا قبضہ تھا، یہودیوں کا نہیں تھا اور اتفاق سے عیسائیوں نے مسلمانوں سے جو صلح کی تھی اس صلح نامہ میں ایک شق یہ بھی رکھی تھی کہ تم یہودیوں کو یہاں جگہ نہیں دو گے • انہوں نے کہا تھا ہم تمہارے ساتھ رہیں گے لیکن یہودیوں کے ساتھ نہیں رہیں گے۔ پھر یہ کیسے ہو گیا کہ یکایک یہودی کے وطن کا نام پڑ گیا؟ ایک جھگڑا جو ہماری صدی سے کارنامے کو ڈھنڈلا رہا ہے (یہ صدی جس کا جھوٹا انسانی حقوق کا نام، آزادی کا نام، انسانیت کا نام رکھا ہے) یہی جھگڑا ہے۔ دنیا کے یہودی جب غیر مسلم قوموں کے ہاتھوں اذیت اور عقوبت سے دوچار رہے (روس، جرمنی ور دنیا کے بہت سے مقامات ہیں) تو ان کے بڑے بڑے لوگ مل بیٹھے اور کہا کہ ہم جب تک دنیا کے اطراف میں متفرق رہیں گے ہر جگہ اقلیت میں رہیں گے، ہمارا مقدر یہی ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ایک مرکز کا انتخاب کریں اور وہاں ہم سب جمع ہو جائیں، یہودی مذہب کے ماننے والے وہاں جمع ہو جائیں۔ پہلے پہل جس جگہ کے بارے میں فکر بھی نہیں کرتے وہ فلسطین ہے، دوسری جگہوں یک بارے میں سوچتے ہیں۔ پھر پہلی عالمگیر جنگ ہو جاتی ہے (میں صرف خلاصہ عرض کرتا ہوں، آپ اس بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ پڑھ سکتے ہیں) اتحادی لوگ عثمانیوں سے لڑتے ہیں۔ میں عثمانیوں کا دفاع نہیں کرنا چاہتا لیکن جو کچھ بھی تھا ایک حکومت تھی، اگر ظالم بھی تھی تو ایک تو تھی، سادہ لوح عرب عثمانیوں سے لڑ گئے، اتحادیوں کی سازش میں آ گئے۔ اندر سے حکومت عثمانیہ کے خلاف اس وعدے پر لڑے کہ عثمانیوں کے مقابلے میں خود ان کو آزادی دے دیں گے۔

انگریزوں نے ان سے پکا وعدہ کر لیا کہ ہم تمہیں آزادی بخش دیں گے بشرطیکہ ہماری طرف سے عثمانیوں کے خلاف لڑ جاؤ، یہ بیچارے لڑ گئے۔ اس بیچ میں کہ یہ بدبخت نادان ناواقف حکومت سے اپنی اسلامی حدود تک لڑتے رہتے تھے۔ انگلستان نے صیہونی گروہ سے جس کی نئی نئی تشکیل ہوئی تھی اپنا یہ قول و قرار پکا کر لیا کہ ہم اسلامی ملکوں کے عین قلب میں تمہیں فلسطین دے دیتے ہیں۔ انجمن اقوام وجود میں آئی ہے، (ذرا انصاف سے دیکھئے) اور تصدیق اور توثیق کر دی ہے کہ دنیا میں بہت سی قومیں ہیں (خصوصاً وہ قومیں جو سلطنت عثمانیہ سے الگ ہوئی تھیں) جن میں ترقی نہیں ہوئی ہے ہم کو ان کے سرپرست مقرر کرنا چاہئیں تاکہ ان کا انتظام کر سکیں یعنی حقیقت میں وہ یہ چاہتے تھے کہ باقی ماندہ سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے کر دیں ان میں سے ایک حصہ فرانسک و دے دیا گیا۔ ایک حصہ انگلستان کو دیا گیا اور اسی طرح انگلستان کو جو جگہیں ملیں ان میں سے ایک فلسطین بھی تھا، اس نے کہا میں تمہارا سرپرست ہوں، رسمی طور پر کفیل بن گیا۔ پھر صیہونیوں سے وعدہ کیا (بالفور کا مشہور وعدہ) کہ میں یہ جگہ تمہارے سپرد کرتے ہیں، صیہونی یعنی وہ یہودی جو دسیوں صدیوں سے دنیا کے مختلف گوشوں میں زندگی بسر کر رہے تھے اور کتنی ہی مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ میں بھی سوچتا تھا کہ یہ یہودی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کیاسب کے سب اسرائیل کی نسل سے ہیں۔اب میں دیکھتاہوں کہ تاریخ کے نزدیک یہ بات مشکوک ہے۔بلکہ غلط ہے۔وہ کہتی ہے کہ یہ جھوٹ بات ہے۔ان میں سے بہت سے یہودی اسرائیل کی نسل سے نہیں ہیں۔ان کی قدر مشترک صرف مذہب ہے اور بس! بلکہ ان کی تو نسل بھی خالص نہیں رہی ہے۔جو یہودی دنیا کے اطراف میں رہتے تھے صرف اس وجہ سے کہ انگریزوں نے انہیں ستایا ہے اور یہ ایک مقام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ وہاں جمع ہو جائیں اور چونکہ یہ بے ایمان لوگ ہیں اور ان کی مقدس کتاب نے انہیں اجازت دے دی ہے کہ جب تم وطن میں چلے جائو تو مطلق رحم نہ کرنا تم اپنے مقصد کے حصول کا کوئی وسیلہ نہ چھوڑنا۔پھر جب انگلستان نے ان کے سفر کا وسیلہ فراہم کر دیا تو یہ لوگ اس سرزمین کو ہجرت کر گئے اور وہاں انہوں نے زمینیں خرید لیں حالانکہ فلسطین میں مقامی یہودی پچاس ہزار سے زیادہ نہیں ہیں اور وہ بیچارے بھی آج کل غیر معمولی مصیبت میں رہ رہے ہیں یعنی یورپی اور امریکی یہودی آ گئے۔ایک بڑی بد بختی یہ ہے کہ جو اصلی یہودی ہیں انہیں وہاں رہنے کا حق ہے۔عربوں میں کچھ روشن خیال تھے انہوں نے قیام کیا، انقلاب برپا کر دیا، ان لوگوں کو قتل کیا، ختم کر دیا، پھانسی دے دی، بار بار یہودی بھیجے گئے، جب تعداد زیادہ ہوگئی تو ان میں زیادہ ہتھیار بھی تقسیم کر دیئے گئے بعد میں یہ مقامی مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے، انہیں مارا پیٹا پھر نکال باہر کر دیا۔یورپی ملکوں سے یکے بعد دیگرے ہجرتیں ہوتی رہیں، یہودی آتے رہے......آتے رہے۔یہ یہودی جن کے آج آپ نام سن رہے ہیں موشے دایان، زلی اشکول، گولڈا مایر......زہرمار......آخر دیکھئے تو یہ کس دنیا سے آئے ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سرزمین ہماری سرزمین ہے، یہ ہمارا وطن ہے۔آج تقریباً تیس لاکھ مسلمان آوارۂ وطن اور بے خانماں ہیں۔کیا ان یہودیوں کا نصب العین صرف اتنا ہی ہے کہ وہاں ایک چھوٹی سی حکومت بن جائے؟......آپ کو بہت دھوکا ہوا ہے، ہم بہت غلط سمجھ رہے ہیں۔یہودی جانتا ہے کہ وہ آخر کار ایک چھوٹے سے ملک میں نہیں رہ سکتے۔ان کیلئے ایک اتنا بڑا ملک اسرائیل چاہئے جس کی حد ہمارے ایران تک آ پہنچے۔

عبدالرحمن فرامرزی کے قول کے بموجب یہ اسرائیل جسے میں جانتا ہوں کل شیراز پر بھی دعویٰ کرنے والا ہے، وہ کہے گا خود تمہارے شاعروں نے اپنے اشعار میں شیراز کا نام ملک سلیمان رکھا ہے آپ چاہے جتنا کہتے رہئے کہ جناب یہ تشبیہ ہے، وہ پوچھے گا: کیا روزولٹ نے سعودی عرب کے بادشاہ کو یہ تجویز پیش نہیں کی کہ تم اسے ان لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالو؟ کیا یہ لوگ عراق اور آپ کے مقدس مقامات پر دعویٰ نہیں رکھتے؟...واللہ باللہ ہم اس جھگڑے کے ذمہ دار ہیں، خدا کی قسم! ہم اس کے ذمہ دار ہیں، خدا کی قسم ہم لوگ غافل ہیں۔واللہ جس جھگڑے نے پیغمبر اکرمؐ کے دل کو خون کیا ہوا ہے وہ یہی جھگڑا ہے۔اگر کسی داستان نے حسینؑ کے دل کا خون کیا ہے تو یہی قضیہ ہے۔اگر ہم اپنے آپ کو اہمیت دینا چاہتے ہیں اگر ہم امام حسینؑ کی عزاداری کی قدر کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ اگر آج امام حسینؑ ہوتے اور خود کہتے کہ میری عزاداری کرو!...کہتے کیا شعار دے رہے ہو؟ کیا وہ یہ کہتے کہ کہو: ''نوجوان اکبر من'' یا کہتے کہو: ''زینب مضطرم الوداع الوداع''۔امام حسینؑ نے اپنی زندگی میں کبھی اس قسم کے گھٹیا پست اور توہین آمیز نعرے نہیں لگائے اور کبھی اس قسم کا کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا۔اگر امام حسینؑ ہوتے تو کہتے اگر تم میری عزاداری کرنا چاہتے ہو میری خاطر سینہ زنی اور زنجیر کا ماتم کرنا چاہتے ہو تو تمہارا آج کا شعار فلسطین ہونا چاہئے۔آج کا شمر، موشے دایان ہے۔شمر تو تیرہ سو سال پہلے مر چکا، آج کے شمر کو پہچانو! آج اس شہر کے در و دیوار کو فلسطین کے نعرے سے ہلا دینا چاہئے۔ہمارے دماغ میں یہ جھوٹ بٹھا دیا گیا ہے کہ صاحب یہ داخلی مسئلہ ہے جس کا تعلق عرب اور اسرائیل سے ہے، پھر عبدالرحمن فرامرزی کے قول کے مطابق اگر یہ بات انہی کی ہے اور مذہبی نہیں ہے تو دنیا کے دوسرے یہودی ان کیلئے بار بار رقم کیوں بھیجتے رہتے ہیں؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسلام اور پیغمبر خدا کو ہم کیا جواب دیں؟ کیا کچھ دن پہلے آپ نے اخبار میں نہیں پڑھا تھا کہ پچھلے سال دنیا بھر کے یہودیوں نے...ان یہودیوں نے نہیں جن کے پاسپورٹ اسرائیل ہیں، ان لوگوں کیلئے پانچ سو ملین ڈالر بھیجے تھے تاکہ ان سے فینٹم طیارے خریدیں اور مسلمانوں پر بم برسائیں۔

میں نے سنا ہے کہ ہمارے ایران کے یہودیوں نے گزشتہ سال دو فینٹم طیاروں کی قیمت کی رقم بھیجی تھی۔ ہمارے ایران کے یہودیوں کی طرف سے ان کیلئے بطور امداد ۳۶ ملین ڈالر بھیجے گئے تھے اور ہم ان یہودیوں کو اس وجہ سے کہ یہ یہودی ہیں برا نہیں کہتے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو ملامت کریں۔ انہوں نے تو اپنے ہم مذہبوں کی مدد کی ہے، وہ نہایت فخر سے رقم بھیجتے ہیں۔ موشے دایان کی رسید بھی آجاتی ہے اور اسے بازار میں دکھاتے بھی ہیں کہ آؤ دیکھو! یہ رسید ہے۔ کیا دو تین رات پہلے یہ بات نہیں لکھی گئی (میرے پاس اس خبر کا تراشہ موجود ہے) کہ اب صرف امریکہ میں رہنے والے یہودی اسرائیل کو ایک دن میں ایک ملین ڈالر کی امداد بھیجتے ہیں۔ پھر اس سلسلے میں ہم مسلمانوں کی کیا کوشش رہی ہے! خدا کی قسم! ہمیں شرم آجاتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں، ہم اپنے آپ کو علی ابن ابی طالبؑ کے شیعہ کہتے ہیں، ہمیں ہرگز نہیں کہنا چاہئے۔ اس کے بعد ہم علی ابن ابی طالبؑ سے جو داستان نقل کرتے ہیں۔ حرام ہے جو پھر تقریر میں نقل کریں۔ ایک دن حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے سنا دشمن نے اسلامی ملک پر حملہ کر دیا ہے۔ ''وھذا اخو غامد وقد وردت خیلہ الانبار''(۱) بعد میں فرمایا: میں نے سنا ہے کہ انہوں نے کسی مسلمان عورت کی یا کسی ایسی عورت کی جو مسلمانوں کی حمایت میں ہے آبرو لوٹی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ دشمن نے مسلمانوں کا ملک لوٹ لیا ہے، ان کے مردوں کو قتل کر دیا ہے، گرفتار کر لیا ہے، ان کی عورتوں کو چھیڑا ہے، عورتوں کے ہاتھوں کانوں کے زیور چھین لئے ہیں۔ پھر انہی علی ابن ابی طالبؑ نے ہم جن کی شیعت کا اظہار کرتے ہیں اور جن سے جھوٹی اور بے معنی محبت جتاتے ہیں فرمایا: ''فلو ان امرا...جدیرا'' اگر کوئی ایک مسلمان بھی یہ خبر سن کر شدت غم سے مر جائے تو صحیح ہے اور قابل ملامت نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک یہی سزاوار ہے۔

کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ ہم ان کی مالی مدد کریں؟ کیا یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں؟ ان کے رشتہ دار نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ انسان کے شرعی حق کیلئے نہیں لڑ رہے ہیں؟ آج اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آوارہ وطن فلسطینی اپنے وطن کی واپسی کا حق نہیں رکھتے؟ میں نے مکہ کے سفر میں کچھ فلسطینی دیکھے ہیں۔ کیا جوان ہیں! بس یہ کہتے تھے: ''دماء الشھداء، دماء الشھدا'' ہماری امید صرف ہمارے شہیدوں کا خون ہے۔ ان میں ایسے بھی جو واللہ کپڑوں کے محتاج ہیں اور ننگے لڑتے ہیں۔ اگر دنیا

)۱(۔ نہج البلاغہ خ ۲۷

کی ستر کروڑ مسلم آبادی میں سے ہر شخص روزانہ ایک ریال بھی دے تو سال بھر میں تقریباً تین سو ملیارڈ (۱) ڈالر ہو جائیں۔ اگر صرف ہم ایرانی لوگوں میں سے جو ڈھائی کروڑ ہیں اور ہم میں سے ۹۸ فیصد مسلمان ہیں ہر شخص روزانہ ایک ریال سے فلسطینیوں کی مدد کرے تو ایک سال میں تقریباً نوے ملین

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(۹۰ کروڑ) تومان ہو جائیں، اگر مسلمانوں کا دسواں حصہ بھی روزانہ فی کس ایک ریال سے مدد کرے تو سال بھر میں ۹ ملین (نوے لاکھ) تومان ہو جائیں۔

{فضل اللہ المجاہدین باموالھم وانفسھم} (۲) {الذین آمنوا... عند اللہ} (۳)

ہم مال سے بھی مدد کر سکتے ہیں۔ واللہ یہ انفاق واجب ہے۔ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی طرح واجب ہے۔ پہلا سوال جو مرنے کے بعد ہم سے کیا جائے گا یہی ہو گا کہ اسلامی ہمبستگی کیلئے تم نے کیا کیا؟ پیغمبرؐ نے فرمایا: ذ"من سمع... بمسلم" جو کوئی کسی ایسے مسلمان کی آواز سنتا ہے جو فریاد کرتا ہے کہ "اے مسلمانو! میری فریاد سنو! میری فریاد کو پہنچو!"... اور وہ اس کی مدد نہیں کرتا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ میں اسے مسلمان نہیں سمجھتا۔ ہمیں ان کا حساب کھولنے کیلئے کیا چیز روکتی ہے؟ اپنی آمدنی کی تھوڑی سی رقم ان کیلئے مخصوص کر دینے سے کون سی بات ہمیں باز رکھتی ہے؟

آخر دنیا کے یہودی یہاں تک کہ ایران کے یہودی بھی یہودیوں کی مدد کرتے ہیں اور دوسری قومیں ان کی تعریف کرتی ہیں، سبحان اللہ کہتی ہیں، انہیں زندہ قوم کہتی ہیں۔ پھر ہم فلسطینیوں کی مدد کیوں نہ کریں؟ ان کے زندہ لوگ ایسے انسان ہیں جو وقت کو پہچانتے ہیں، دکھ درد سمجھتے ہیں، حقائق سمجھتے ہیں۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ میرا فرض صرف کہنا تھا اور خدا جانتا ہے ضمیر کی آواز اور فرض شناسی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ میں اس مالی مدد کو آپ کا فرض سمجھتا ہوں اور اپنا اور ہر خطیب اور واعظ کا فرض یہ سمجھتا ہوں کہ وہ یہ کہے۔ میں ہر خطیب اور واعظ پر واجب سمجھتا ہوں کہ وہ یہ بات کہے۔ آیت اللہ حکیم اور دوسرے مرجع تقلید بزرگوں نے رسمی طور پر بھی فتویٰ دے دیا ہے کہ جو وہاں قتل ہو گا چاہے اس نے نماز بھی نہ پڑھی ہو وہ خدا کی راہ میں شہید ہو گا۔ تو آیئے ہم خود اپنے آپ کو قدر بخشیں، اپنے قول اور فعل کو

۱۔ ایک ملیارڈ۔ ایک ہزار ملین۔

۲۔ نساء: ۹۵۔

۳۔ توبہ: ۲۰۔

وقار (منزلت بخشیں) اپنی کتابوں کو قدر بخشیں، اپنی رقم کی قدر و قیمت پہنچانیں، دنیا کی قوموں میں اپنے آپ کو آبرومند بنائیں۔ دنیا کی بڑی قومیں جو ہمارے مقدر کے بارے میں زیادہ نہیں سوچتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں یہ یقین ہے کہ مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی۔ امریکہ کو صرف اسی بات نے جرأت دلائی ہے، وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں غیرت نہیں ہے، اتحاد اور ہمدردی نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہودی پیسے کیلئے مرتا ہے، پیسے کے سوا اور کچھ نہیں پہچانتا، پیسہ اس کا خدا ہے، اس کی زندگی ہے، اس کی حیات اور ممات ہے لیکن جب ایسا جذباتی مسئلہ آجاتا ہے تو روزانہ دس لاکھ ڈالر سے اپنے ہم مذہبوں کی مدد بھی کر دیتا ہے لیکن دنیا کے ستر کروڑ مسلمان اپنے ہم مذہبیوں کی کم سے کم مدد بھی نہیں کرتے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

عاشور کادن ہے...امام حسینؑ کی معراج کادن ہے...وہ دن ہے کہ ہم حسینؑ کی روح، حسینؑ کی غیرت، حسینؑ کے مقابلے، حسینؑ کی شجاعت اور دلیری، حسینؑ کی روشن بینی کی ایک جھلک حاصل کریں بلکہ ہم بھی آدمی بن جائیں، جاگ جائیں۔ایک بہت مشہور مصنف عباس محمود عقاد کا اباعبداللہؑ کے بارے میں ایک جملہ ہے۔ وہ کہتاہے عاشور کے دن ایسا لگتا تھا کہ حسینؑ کی صفات میں باہمی مقابلہ ہو رہاہے یعنی حسینؑ کی خوبیاں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ حسینؑ کا صبر چاہتا تھا کہ دوسری صفات سے آگے بڑھ جائے، حسینؑ کی رضا جو خدا کی رضا تھی صبر سے بڑھ جانا چاہتی تھی، حسینؑ کا اخلاص ان سب سے آگے نکل جانا چاہتا تھا، حسینؑ کی شجاعت دوسری صفات سے سبقت لے جانا چاہتی تھی۔ میں عرض کرتا ہوں (البتہ میں حسینؑ کے اخلاص کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں اس سے بھی کہیں چھوٹا ہوں) لیکن میں ایک ایسی بات بتا سکتا ہوں جو عاشورہ کے دن باقی ہر بات سے زیادہ روشن اور واضح ہے: حسینؑ کی طمانیت، حسینؑ کا اطمینان، حسینؑ کا سکون اور ثابت قدمی۔ یہ بات ایسی نہیں ہے جو میں آج ہی کہہ رہاہوں، یہ وہ بات ہے جو ان دنوں میں بھی سمجھ لی گئی تھی۔ایک شخص نے جو وہاں موجود تھا ایک جملہ کہاہے، اس کا مطلب اپنے وقت، زمانے اور سمجھ کے مطابق بہت بلند ہے وہ کہتاہے!''واللہ... جاشاء منہ''(۱) یہ شخص اصل میں ایک خبر نگار (رپورٹر) تھا جس نے واقعات بیان کئے ہیں، وہ کہتاہے: خدا کی قسم میں نے کوئی ایسا دل شکستہ شخص، ایسا مصیبت زدہ آدمی نہیں پایا جس کی اولاد (جس کے اہل بیتؑ) اس کی آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہوں، جس کے اصحاب کے سر اس کے دیکھتے دیکھتے ان کے

۱۔اللھوف ص ۵۰۔

بدنوں سے جدا ہو چکے ہوں اور پھر اس کے دل میں اتنی قوت باقی ہو۔ یہ بہت حیرت انگیز واقعہ ہے معمولی نہیں ہے وہ واقعہ جس پر مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی رہتی ہے: عاشور کے دن امام حسینؑ ایسے قدم اٹھاتے ہیں جیسے وہ روشن مستقبل کو یعنی اپنی تحریک کے نورانی آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، انہیں اس میں مطلق شک نہیں تھا کہ وہ اس شہید ہونے سے فتح یاب ہو جائیں گے۔انہیں اس میں شک نہیں تھا کہ عاشور کا دن اس بات کا اخیر ہے کہ جو کچھ پاس ہو خدا کی راہ میں لٹا دیا جائے یعنی یہ کھیتی کا اخیر ہے۔اس تحریک سے فائدہ اٹھانے کا آغاز روز عاشور ہی سے ہو جاتاہے گویا کہ یہ اسی لئے ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے ہی حسینؑ شہید ہوئے ویسے ہی بنی امیہ کی حکومت کے خلاف حرکتیں، ہمدردیاں، دوستیاں اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔

جس نے سب سے پہلے یہ کام کیا وہ ایک عورت تھی، کافروں کے لشکر کی ایک عورت۔ عاشور کے دن عصر کے وقت جب اس نے دیکھا کہ یزیدی لشکر حسینؑ کے حرم کے خیموں پر حملہ کرنے والا ہے دوڑ کر گئی، ایک خیمے کا کھونٹا اٹھایا اور خیموں کے سامنے کھڑی ہو گئی بکر بن وائل کے قبیلے کو پکارا: اے بنی بکر بن وائل! اے میرے قبیلے والو! اے میرے عزیزو! آؤ، حد ہو گئی ہے کہ یہ لوگ پیغمبرؐ کے اہل حرم کے جسم کا لباس بھی اتار لینا چاہتے ہیں!... میرے نزدیک جو منظر بہت شکوہ اور جلال والا ہے وہ یہ ہے ہم جانتے ہیں کہ امام حسینؑ اپنے اہل بیت سے رخصت ہونے کیلئے جس وقت تشریف لائے تھے اس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وقت ان کا کوئی آدمی زندہ نہیں بچا تھا۔ وہ رخصت بھی بہت دردناک اور دل ہلا دینے والی تھی لیکن امام حسینؑ ایک اور خاص وجہ سے دوبارہ رخصت کیلئے تشریف لائے تھے۔ لکھا ہے وہ وجہ یہ تھی کہ آپؑ نے جو حملے کئے تھے ان میں ایک بار لشکر کے پیچھے سے فرات کے گھاٹ پر پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے تھے، دشمن فکر مند ہو گیا کہ کہیں امام حسینؑ پانی نہ پی لیں کیوں کہ اگر وہ پانی پی لیں گے تو ان میں جان آ جائے گی۔ اسی وقت کسی نے اس زور سے فریاد کی کہ پھر امام حسینؑ کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ یہ بات سنیں (چاہے یہ سچ ہو یا جھوٹ) اور پانی پیتے رہیں۔ جس وقت امام حسینؑ نے چلو بھرنے کیلئے پانی میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کوئی پکارا حسینؑ! تم پانی پینا چاہتے ہو اور لشکر حرم کے خیموں پر دھاوا بول رہا ہے۔ آپؑ فوراً باہر آ گئے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا کہنا صحیح تھا یا نہیں اور وہ لوگ واقعی حملہ کرنا بھی چاہتے تھے یا نہیں لیکن اس تیز حملے اور امام حسینؑ کے باہر آنے کے درمیان کوئی وقت ہی نہیں لگا۔ جس وقت آقا باہر آئے ہیں اس وقت تک خیام حرم پر حملہ نہیں ہو پایا تھا، اس مہلت کو غنیمت جان کر آپ نے دوبارہ عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کیا۔ اس مقام پر امام حسینؑ کی روح کا شکوہ جلال نمایاں ہوتا ہے۔ آپؑ نے پہلے فرمایا: اے میرے اہل بیت! ''استعدو اللبلاء'' اپنے آپ کو مصیبت کیلئے تیار کر لو۔ آپ چاہتے تھے کہ ان کی روحیں آمادہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں آپ نے اس سے زیادہ ایک جملہ بھی نہیں کہ البتہ فوراً یہ بات کہی: ''واعلموان اللہ... بانواع البلاء۔''

اے میرے اہل بیت! یقین رکھو کہ تم پر اس گھڑی سخت مصیبت پڑے گی لیکن تم کو ذلت نہیں ہو گی۔ تم جان لو کہ خدا تمہارا حافظ ہے اور وہی تمہیں دشمنوں کے شر سے بچائے گا اور تمہیں عزت کے ساتھ تمہارے جد کے حرم کو واپس لے جائے گا، اس وقت کے بعد سے تمہارے دشمنوں کی بدبختی شروع ہو جائے گی، تم اطمینان رکھو کہ خدا تمہارے دشمنوں کو اسی دنیا میں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دے گا۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے امام حسینؑ حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

عاشور کے دن امام حسینؑ نے ایک جگہ کو مرکز بنایا تھا، وہیں سے حملہ کرتے تھے۔ پہلے ایک ایک کی یعنی انفرادی جنگ ہوئی، جتھے کے جتھے آتے لیکن جیسے ہی آئے امام حسینؑ نے انہیں مہلت نہیں دی کہ بچ کر جا سکیں اس سے دشمن کے دل پر سخت رعب پڑ گیا۔ پھر عمر ابن سعد پکارا: کیا کر رہے ہو؟ ''والہ نفس ابیہ بین جنبیہ'' تم جانتے ہو کس سے لڑ رہے ہو؟ یہ علیؑ کے بیٹے ہیں ''ھذا ابن قتال العرب'' یہ اسی شخص کا بیٹا ہے جو عرب کا زبردست قتل کرنے والا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حضرت کے خلاف عرب قومیت کا تعصب ابھارے۔ انھوں نے پوچھا کیا کریں؟ اس نے جواب دیا: یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ اگر ایک ایک کر کے جاؤ گے تم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا اس لئے چاروں طرف سے حملہ کرو! امام حسینؑ جس طرف جھپٹتے تھے دشمن بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن آپؑ کو اس بات کا خیال تھا کہ خیموں سے دور نہ جائیں۔ حسینؑ میں غیرت بھی ہے، حسینؑ شجاع بھی ہیں صابر بھی ہیں، خدا کی رضا پر راضی بھی ہیں، مخلص بھی ہیں لیکن غیرت الٰہی بھی ہے۔ آپ کی غیرت یہ وارا نہیں کرتی کہ ان کے جیتے جی کوئی ان کے حرم کے خیموں کے نزدیک بھی آئے۔ ہرگز نہیں! آپؑ نے اہل بیت کو حکم دے رکھا تھا کہ تم ہرگز خیموں سے باہر نہ آنا۔ اگر آپ نے یہ سنا ہو کہ اہل بیتؑ بار بار باہر آتے تھے اور ''العطش العطش'' کہتے تھے تو یہ بات بالکل غلط ہے، جھوٹ ہے۔ ہرگز نہیں! اہل بیتؑ صرف ایک بار باہر آتے ہیں اور وہ صرف وہ وقت تھا جب ذوالجناح، امام حسینؑ کے بغیر آیا ہے۔ اس وقت بھی جو باہر آئے تو پہلے تو انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ بات کیا ہے؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

انہوں نے جو گھوڑے کی آواز سنی تو یہی سمجھے کہ آقا تیسری رخصت کیلئے آئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ گھور اسدھایا ہوا تھا... صرف امام حسینؑ کا گھوڑا ہی تربیت یافتہ نہیں تھا بلکہ دشمنوں کے گھوڑے بھی ایسے سیدھائے ہوئے تھے کہ جس وقت کسی گھوڑے کا سوار گر پڑتا تھا تو یہ جانور احساس کر لیتا تھا۔

چنانچہ ذوالجناح نے جب دیکھا کہ آقا گر پڑے ہیں اور اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتے، اپنے یال امامؑ کے خون سے رنگین کی اور خیام حرم کی طرف آیا، واقعی یہ ہرکارہ تھا جو خبر دینا چاہتا تھا۔ یہ لوگ یہ سمجھ کر کہ آقا واپس آئے ہیں خیمے سے باہر آگئے لیکن جب انہیں حالات کا پتہ چلا تو پھر اس کے سوا چارہ نہیں دیکھا کہ گھوڑے کو چاروں طرف سے گھیر لیں اور فریاد و ماتم کرنے لگیں۔ بہر حال آقا نے انہیں باہر آنے کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ خود ایک جگہ کو مرکز بنا لیا تھا جہاں سے وہ لوگ آپ کی آواز سن لیتے تھے۔ آقا چاہتے تھے کہ اس طرح سے انہیں اطمینان دلاتے رہیں۔

جس وقت واپس آتے تھے تو اسی مرکز پر پہنچ جاتے تھے اور اونچی آواز سے (میں نہیں جانتا کہ اسے میں اونچی آواز کہوں۔ وہ خشک زبان منہ میں کس طرح حرکت کرتی ہوگی) جتنی بھی طاقت تھی کہتے تھے: "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" اے خدا! حسینؑ میں جتنی بھی روحانی یا جسمانی طاقت ہے وہ تجھی سے ہے، اہل بیت خوش ہو جاتے تھے کہ امام حسینؑ زندہ ہیں۔ کچھ دیر کیلئے ٹھہر جاتے تھے، ڈھارس ہو جاتی، لشکر پھر پلٹتا تھا، گھیرا تنگ کرتا تھا، تیر برساتا تھا، پتھر مارتا تھا، پھر آقا دوبارہ حملہ کرتے تھے۔ یہی صورتحال جاری رہی اور یہی کر و فر باقی رہا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ابن سعد نے عاشور کے دن لڑائی کس طرح شروع کی تھی اور پھر یہ بھی سنا ہوگا کہ امام حسینؑ نے اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ اپنی یا اپنے اصحاب کی طرف سے لڑائی کی ابتدا کی جائے۔ یہ ایک سنت ہے جو لڑائیوں میں بظاہر ایک فریق اس کا لحاظ رکھتا تھا۔ حضرت علیؑ بھی یہ خیال رکھتے تھے، آپؑ فرماتے تھے کہ میں لڑائی میں ہرگز پہل نہیں کروں گا۔ انہیں پہلے لڑائی شروع کرنے دیں ہم بعد میں ماریں گے۔

آقا نے بھی لڑائی کی ابتدا نہیں کی۔ عمر ابن سعد نے عبیداللہ ابن زیاد کی خوشنودی کی خاطر لڑائی اس طرح شروع کی کہ تیر اور کمان طلب کی۔ مشہور ہے کہ ابتدائے اسلام میں اس کا باپ بہت ماہر تیرانداز گزرا ہے اور شاید عمر ابن سعد خود بھی تیرانداز رہا ہو۔ اس نے کمان میں تیر جوڑا اور حرم حسنی کے خیام کی طرف پھینکا، پھر بلند آواز سے مخاطب ہوا: اے لوگو! امیر کے سامنے گواہی دینا کہ وہ پہلا شخص جس نے حسینؑ کے خیموں کی طرف تیر چھوڑا میں خود تھا۔ یہ جنگ عاشور کے دن ایک تیر سے شروع ہوئی اور یہ بھی ضروری ہے کہ بتاتا چلوں کہ ایک ہی تیر پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ تیر زہر آلود تھا جو امام حسینؑ کے سینہ مبارک میں پیوست ہوا... "فاتاہ سہم محدد مسموم" زہر آلود بھی تھا۔ امام حسینؑ کے سینے میں اس قدر گہرا اتر گیا تھا کہ آقا نے دبا کر سامنے کی طرف سے نکالنا چاہا لیکن نہیں نکلا۔ لکھا ہے کہ پیچھے باہر نکالا، اس کے بعد ہی حسینؑ گھوڑے سے زمین پر گرے۔ اس واقعے کے بعد آپؑ کی تاب و توانائی جاتی رہی اور پھر ابا عبداللہ کی قوت جواب دے گئی۔

لکھا ہے کہ امام حسنؑ کے کئی بیٹے تھے جو آپ کے ہمراہ آئے تھے۔ ان میں سے ایک جناب قاسم تھے، امام حسنؑ کا ایک آخری بیٹا تھا جو دس سال کا تھا۔ اس بچے کو شاید اپنے والد یاد بھی نہ ہوں گے کیوں کہ جس وقت اس کے والد دنیا سے رخصت ہوئے وہ چند ماہ کا رہا ہوگا۔ امام حسینؑ کے گھر میں پلا بڑھا تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

امام حسنؑ کے بیٹوں پر اباعبداللہ بہت شفقت فرماتے تھے، شاید اس سے بھی زیادہ جتنی اپنے بیٹوں کے ساتھ کرتے تھے اس لئے کہ وہ یتیم تھے۔ اس بیٹے کا نام عبداللہ تھا اور امام حسینؑ سے بہت مانوس ہے اور امام حسینؑ نے اسے جناب زینبؑ کے سپرد کر دیا کہ تم بچوں کا دھیان رکھنا اور جناب زینب برابر ان کا دھیان رکھے ہوئے ہیں۔ یکایک جناب زینبؑ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ خیمے سے نکل گیا ہے اور اپنے عم امام حسینؑ کے پاس جانا چاہتا ہے۔ جناب زینبؑ اُسے پکڑنے کو دوڑیں تو وہ زور سے چلایا: ''واللہ لا افارق عمی'' خدا کی قسم میں اپنے عم جان سے الگ نہ ہوں گا، وہ بچہ دوڑ رہا ہے اور جناب زینبؑ اس کے پیچھے دوڑ رہی ہیں۔ ''السلام علیک یا اباعبداللہ... جھادہ'' جناب زینبؑ دورتے دوڑتے امام حسینؑ کے قریب جا پہنچیں، آقا نے فرمایا: نہیں! تم واپس جاؤ! چھوڑ دو یہ بچہ میرے پاس رہے۔ بچے نے اپنے آپ کو امام حسینؑ کی گود میں گرا دیا۔ حسینؑ ہیں ان کا اپنا ایک اور ہی عالم ہے۔ اتنے میں ایک دشمن امام حسینؑ پر ایک وار کرنے آیا، جیسے ہی اس نے تلوار اٹھائی یہ بچہ چلایا: ''یا ابن الزانیۃ اترید ان تقتل عمی؟'' اے زنا زادے! کیا تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ جب تک وہ تلوار لگائے اس بچے نے اپنے ہاتھ آگے کر دیئے اور اس کے ہاتھ کٹ گئے... وہ پکارا: یا عماہ! دیکھئے اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟!

اشھد انک... حتیٰ اتاک الیقین

لا حول... یا اللہ

خدا...!

ہم سب کی عاقبت کو ختم بہ خیر فرما، ہم سب کو قرآن شناس قرار دیں، ہمیں اسلام شناس قرار دے خدایا...!

ہم مسلمانوں میں یہ جو سستی، کاہلی جدائی حاکم ہے اس کو ہم سے دور فرما

خدایا...!

ہم سب کو غیرت عطا فرما، ہم سب کو اتفاق اور اتحاد ہونے کی توفیق عنایت فرما، ہمیں ہمدردی اور ہم بستگی کی روح عنایت فرما۔

خدایا...!

مسلمانوں کے سروں سے کفار، اسرائیل اور صہیونزم کے شر کو اٹھا، ہمیں اس دشمن سے جو دین اور قرآن کو چیلنج کرتا ہے مبارزہ کرنے کی توفیق عنایت فرما خدایا...!

اس عزیز دن ہمارے گذشتگان کو بخش دے

ساتویں مجلس

واقعہ عاشورا کے بعد اہل بیتؑ کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اثر)ا(

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بسم اللہ الرحمن ...الرحیم {التائبون ...المومنین } (۲)

میری آج رات کی گفتگو پچھلی چھ گفتگوئوں کا تتمہ ہے۔ جو کچھ پچھلی مجالس میں یان ہوا اس سے معلوم ہوا ہے کہ ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصل کو اور اس اصل کی مدد سے اپنے آپ کو زندہ کرنا لازم ہے۔ تقویٰ کے بارے میں جناب امیر المومنینؑ کا ایک قول ہے جسے منطق کی اصطلاح میں شبہ دور کہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: ''الا فصونوھا وتصونوابھا''(۳) اے لوگو! تقویٰ کی ضیانت اور حفاظت کرو اور تقویٰ کی مدد سے اپنی آپ کو محفوظ رکھو۔ یہ نظر آتا ہے کہ دور ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم تقویٰ کی حفاظت کریں یا تقویٰ ہماری حفاظت کرے؟ جواب یہ ہے: دونوں باتیں لازم ہیں۔ یہ دور ہےلیکن دور محال نہیں ہے۔ کسی نے کہا ہے:

سلسلہ ابن قوم جعد مشکبار　　　مسئلہ دور است، امادوریار

۱۔ یہ تقریر ۱۳۵۰/۱/۱۴ محرم الحرام کو کی گئی۔

۲۔ تبہ: ۱۱۲۔

۳۔ نہج البلاغہ خ ۱۸۹۔

ہم تقویٰ کی حفاظت کریں تو یہ ایک صورت ہے اور تقویٰ ہماری حفاظت کرے یہ دوسری شکل ہے۔ ہم کو تقویٰ کی حفاظت کرنا چاہئے اور تقویٰ کو چاہئے ہماری حفاظت کرن اا اور وہ کر بھی سکتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے، ہم کو چاہئے کہ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا احیاء کریں اور اس کے مقابلہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چاہئے کہ وہ ہمیں زندہ کرے اور کرے گا۔

ہم نے حسینی تحریک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنصر یک متعلق صرف اس کے اس پہلو سے گفتگو کی ہے کہ اس عنصر کا کتنا اثر ہوا ہے، یہ کتنا محرک اور سبب بنا ہے کتنا حسینی پیغام کو تحریک بخشا ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے اور وہ یہ کہ اس تحریک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نے کتنی عملی صورت اختیار کی؟ امام حسینؑ کی پاکیزہ ہستی اور ان سے بھی زیادہ آپؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے اہل بیتؑ...روز عاشور کے بعد سے اس گیارہویں یا کم سے کم بارہویں تاریخ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک گروہ بن گئے اور اس قصے کے اختتام تک جہاں جہاں رہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہے۔ انہوں نے ایک جماعت کی حیثیت سے کبھی بھی شکست نہیں کھائی، کبھی شکست خوردہ جماعت نظر نہیں آئے۔ امام حسینؑ کی طرح یہ لوگ بھی خود زندہ رہنے یا مر جانے کو انجام کار نہیں سمجھتے تھے۔ جو یہ کہتے کہ مطلب یہ تھا کہ امام حسینؑ زندہ رہیں اور خلافت پر پہنچیں یا کم سے کم ایک گوشے میں جا کر زندگی بسر کریں۔ اب جو امام حسینؑ مارے گئے تو بات ہی ختم ہو گئی۔ نہیں! یہ سب لوگ اسی حسینی ہدف کیلئے کاربند رہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

امام حسینؑ کا مارا جانا، ایک لحاظ سے ان کیلئے کام کی ابتدا تھی، کام کا انجام نہیں تھا۔ اہل بیت پیغمبرؑ کا طریقہ کس قدر زیبا اور جاذب توجہ ہے اور واقعی جس وقت انسان کا اس تجزیہ اور تحلیل کرتا ہے تو اس عظمت اور زیبائی کے سامنے، اس قوت کے سامنے، اس روحانی قدرت کے سامنے، اس پورے یقین اور ایمان کے سامنے، اس تمام روحانی شجاعت کے سامنے حیرت میں ڈوب جاتا ہے، دنگ رہ جاتا ہے اور سوسائے اس کے کہ ان کے سامنے تعظیم سے سر خم کردے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ حضرت علیؑ اور پیغمبرؐ کے اہل بیت کی محبت بلکہ معرفت بھی شام میں سرے سے تھی ہی نہیں یعنی کوئی ان لوگوں کو نہیں پہچانتا تھا اور جو لوگ انہیں پہچانتے بھی تھے تو صحیح شناخت نہیں رکھتے تھے لیکن دیکھئے کہ اہل بیت پیغمبرؐ نے کیا کیا اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں اور پھر دوسری بات کی طرف آتا ہوں۔

ہم جانتے ہیں کہ عاشور کے دن کیا حالات تھے اور اہل بیت پیغمبرؐ نے گیارہویں رات کس طرح گزاری۔

گیارہویں تاریخ کو ابن زیاد کے جلاد آتے ہیں۔ اہل بیتؑ کو بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھاتے ہیں اور ایک دم روانہ کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ بارہویں کی ساری رات کو شاید صبح تک برابر کمال روحانی اور جسمانی اذیتیں راستہ طے کرتے ہیں اگلی صبح کو کوفہ کے دروازے کے نزدیک پہنچ جاتے ہیں، دشمن مہلت نہیں دیتا، اسی دن ظہر سے قبل اہل بیت پیغمبرؐ شہر کوفہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ابن زیاد اپنے دار الامارۃ میں بیٹھا ہوا ہے۔ مٹھی بھر قیدی، ان میں بھی عورتیں اور ایک مرد جو اس وقت بیمار تھا۔ حضرت سجادؑ کیلئے بیمار کا لقب صرف ہم ایرانیوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ کیسا ہوا کہ صرف ہم یہ لقب استعمال کرتے ہیں: امام زین العابدینؑ بیمار۔ ورنہ عربی زبان میں کبھی نہیں کہتے "علی ابن الحسینؑ المریض یا المراض" یہ لقب ہم نے دیا ہے۔ اس کی اصل صرف اتنی ہے کہ عاشور کے حادثے کے زمانے میں امام زین العابدینؑ سخت بیمار تھے اور ہر شخص اپنی عمر میں کبھی نہ کبھی بیمار ہوتا ہی ہے • کون ہے جو اپنی زندگی میں کبھی بیمار نہیں پڑتا؟ آپؑ صاحب فراش تھے، مشکل سے حرکت کر سکتے تھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے تھے، لاٹھی کے سہارے بستر سے اٹھ پاتے تھے، مشکل سے حرکت کر سکتے تھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے تھے، لاٹھی کے سہارے بستر سے اٹھ پاتے تھے، اسی حالت میں امام کو قیدی بنا کر روانہ کر دیا تھا۔ امام کو ایسے اونٹ پر سوار کیا تھا جس پر لکڑی کی ایک کاٹھی تھی لیکن اس پر کوئی نمدہ بھی نہیں تھا۔ جب انہیں یہ احساس ہوا کہ امام بیمار ہیں اور ممکن ہے اپنے آپ کو نہ سنبھال سکیں ان لوگوں نے آپؑ کے پاؤں مضبوطی سے باندھ دیئے تھے، گردن میں زنجیر ڈال دی تھی، ان کو اس حالت میں کوفہ لے گئے۔ پھر کوفت، جھڑکیاں اور ایذارسانی بہت زیادہ ہے۔ جب چاہتے ہیں ایک شخص سے زبردستی اقرار کرا لیتے ہیں، جب چاہتے ہیں اس کے اعصاب پر دباؤ ڈالتے ہیں، اس کا ارادہ درہم کر دیتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے اور اڑتالیس گھنٹے اسے کھانا نہیں دیتے، سونے نہیں دیتے، اسے سخت سست کہتے ہیں۔ ان حالات میں اکثر لوگ ٹوٹ جاتے ہیں، مضمحل ہو جاتے ہیں، کہنے لگتے ہیں جو چاہو پوچھو میں بتا دیتا ہوں۔ اس وقت آپ دیکھئے۔ یہ لوگ جب ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوئے تو روحانی اور جسمانی اذیتوں کے بعد ان کی کیا حالت ہو گئی ہو گی۔ جناب زینب ابن زیاد کے دربار میں آتی ہیں، جناب زینبؑ بلند قد کی خاتون ہیں کچھ لوگوں نے کہا: "وحفت بھا اماؤھا" یعنی ان کی کنیزوں نے آپ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ یہاں کنیز کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیوں کیونکہ اصحاب کی تمام عورتیں شریک تھیں۔ جناب زینبؑ کو سردار اور بزرگ مانتی تھیں اور اپنے آپ کو ان کی خادمہ سمجھتی تھیں، انہوں نے جناب زینبؑ کو گھیر رکھا تھا۔ ان کے گھیرے میں جناب زینبؑ ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوئیں لیکن نہ آپؑ نے سلام کیا نہ اس کی طرف رخ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کیا۔ابن زیاد کواس وجہ سے کہ اس کو مخالفت کااحساس ہواتوناگوار گزرا۔جناب زینبؑ کے سلام نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ابھی ہماراارادہ زندہ ہے، ہم اب بھی تمہاری پروانہیں کرتے۔اب بھی امام حسینؑ کی روح جناب زینبؑ کے قالب میں بولتی ہے: ''ھیھات مناالذلۃ''اب بھی کہہ رہی ہے: ''لا عطیکم بیدی اعطاء...العبید''۔

ابن زیاد کویہ بے اعتنائی بہت ناگوار گزری۔وہ سمجھتاتو تھا کہ یہ کون ہیں تمام باتیں اس تک پہنچ چکی تھیں۔جب اس نے یہ سمجھ لیاتھا کہ یہ سب سے زیادہ محترم خاتون ہیں اور دوسری عورتوں نے خصوصی احترام کے ساتھ ان کو حلقے میں لے رکھاہے تواس نے لازمی طور پر اندازہ لگالیاتھا کہ یہ کونہیں کیونکہ اسے خبر تھی کہ کون ہیں کون نہیں ہیں؟ پھر بھی کہنے لگا: ''من ھذہ المتکبرہ؟'' یا ''من ھذہ المتکرہ؟'' (دونوطرح لکھاہے) یہ مغرور عورت کون ہے یایہ ہ پہچاننے والی عورت کون ہے؟ کسی نے جواب نہیں دیا۔اس نے دوبارہ سوال کیا: وہ چاہتاتھا کہ انہیں میں سے کوئی جواب دے۔دوسری بار اور تیسری بار۔آخرکار ایک عورت نے جواب دیا:

''ھذہ زینب بنت علی ابن ابی طالب'' یہ علی ابن ابی طالبؑ کی بیٹی زینبؑ ہیں۔یہ کمینہ، گھٹیا، ملعون آدمی ذراسی بھی شرافت نہیں رکھتا تھا (ویسے بھی کوئی مرد یاعورت سخت مصیبت اٹھائے ہوئے ہو توکوئی شریف آدمی اس کے زخم پر نمک نہیں چھڑکتا، نہ کہ عورت سے جسے اصطلاحاً جنس لطیف کہتے ہیں کسی جنگی قانون میں جو مرد ذرہ برابر شرافت رکھتے ہیں عورت سے تعرض نہیں کتے۔اسے زبان کازخم نہیں لگاتے، اسے صدمہ نہیں پہنچاتے، عورت کو قیدی بن الیتے ہیں، اس حال میں بھی اس کااحترام کرتے ہیں) اس نے زبان سے سخت زخم لگانے شروع کردیئے۔بولا ''الحمدللہ الذی فضحکم واکذب احدوثتکم'' میں خداکاشکر کرتاہوں جس نے تم کو رسوااور تمہارا جھوٹ ظاہر کردیا۔جناب زینبؑ نے کمال جرات وشہامت سے جواب دیا: ''الحمدللہ الذی اکرمنا بالشھادۃ'' ہم خداکاشکر کرتے ہیں جس نے ہمیں شہادت کاافتخار بخشا، میں خداکاشکر اداکرتی ہوں کہ اس نے فخر کایہ تاج میرے بھائی کے سرپر رکھا، ہم خداکاشکر کرتے ہیں کہ ہم کو نبوت اور طہارت کے خاندان سے قرار دیا...پھر آخر میں فرمایا: ''انما...غیرنا''

رسوائی فاسق کونصیب ہوتی ہے، ہم نے اپنی عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولااور کوئی جھوٹاحادثہ بھی پیدانہیں کیا، جھوٹ بھی فاجر کاحصہ ہے، ہم فاسق وفاجر بھی نہیں ہیں، ہمارا غیر...فاسق اور فاجر ہے یعنی تو...توہی رسواہوا، خودتوہی جھوٹا بھی ہے...اس قدر شہامت اور شجاعت اور عملی ایمان! یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔لطف یہ ہے کہ یہ ایک درجہ اور ایک مرحلہ ہے جو میں نے عرض کیااور یہ خود ایک لمبی داستان ہے۔امام زین العابدینؑ نے کیاکہا، امام حسینؑ کی ایک بیٹی نے کیاکہا، کوفہ کے بازار میں جناب زینبؑ نے کیاتقریر کی، امام زین العابدینؑ نے وہاں کیاتقریر کی، راستے میں انہوں نے کیاکیا، قید خانہ میں یاکوچہ بازار میں جب لوگوں کاسامناہوتاتھاتو کیاکہتے تھےاور میری نظر میں تو یزید بن معاویہ کے دربار میں جناب زینبؑ کی وہ فصیح و بلیغ تقریر ان سب سے بہت اعلیٰ تھی۔

وہاں کوئی چوبیس گھنٹے اور اڑتالیس گھنٹے کی گفتگو نہیں ہے۔ایک ماہ کے قریب گزراہے کہ جناب زینبؑ ان کی قید میں ہیں اور ایک قیدی کو جو زیادہ سے زیادہ ایذادیتے ہیں وہ آپ کودے چکے ہیں لیکن دیکھیئے کہ یزید کے دربار میں؟ آپ نے کیاکہاہے؟ چنانچہ حسینی تحریک میں امر بالمعروف اور نہیع ن المنکر

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کے عنصر پر اس وجہ اور اس پہلو سے بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ تحریک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک تحریک تھی اور اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اثرات کی بھی پورے پورے طور پر جانچ کرنا چاہئے خصوصاً خود شام میں کہ شام کو کس طرح تہہ و بالا کر دیا۔

دوسری بات میں جو آپ سے عرض کرنا چاہت اتھا یہ ہے: ہمارے فقہاء نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں دو باتیں کہی ہیں جن کی میں وصاحت کر دوں۔ ایک یہ ہے: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقام وہ ہے جہاں انسان کو اس کے اثر کا احتمال ہو۔ اس جملے کے کیا معنی ہوئے ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نماز یا روزے کی طرح کا عبادتی قانون نہیں ہے جس میں حکمت، فلسفہ اور اثر ہوتا تو ہے لیکن یہ بات ہم سے متعلق نہیں ہے کہ ہم دیکھیں اگر اس کا اثر ہوتا ہے تو اسے انجام دیں اور اثر نہیں کرتا تو انجام نہ دیں۔ ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ تمہیں ہر حال میں نماز پڑھنا چاہئے۔ اس کا تمہیں اختیار نہیں ہے یہ حساب تم نہیں لگا سکتے کہ یہ نماز اثر کرتی ہے یا نہیں کرتی تم کو تو اس فارمولے اور قاعدے کے تحت پڑھنا چاہئے۔ اس کام کا کوئی نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں یہ بات انسان کی منطق کے دائرے سے باہر ہے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انسان اپنی منطق سے جاری کرے یعنی ہمیشہ کاموں میں اس سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے اس کا حساب ضرور لگانا چاہئے، آپ طاقت لگاتے ہیں، سرمایہ لگاتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں لیکن یہ حساب بھی تو کیجئے کہ اس کام میں آپ کو کیا نتیجہ ملتا اور کتنا مقصد حاصل ہوتا ہے؟ آپ اس سوداگری کی طرح رہیے کہ جس وقت وہ اپنا سرامیہ گلاتا ہے تو حساب کے مطابق (کم سے کم امکانات کا حساب) وہ اس کام سے اتنا فائدہ چاہتا ہے جو لگائے جانے والے سرمائے سے زیادہ ہو۔ اور یہ بالکل منطقی بات ہے یعنی جب ہم کسی جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں تو ہم ہر مال یا جان یا کم سے کم وقت اور زمانے کا سرمایہ لگاتے ہیں لیکن جب ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ اس کا کم سے کم بھی اثر نہیں ہوتا یا الٹا اثر ہوتا ہے تو کیا پھر بھی ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں؟! نہیں! یہ بالکل معقول اور صحیح بات ہے۔ یہ خوارج کی منطق کے بالکل مقابل میں ہے۔

خوارج کی فقہ میں امر بالمروف اور نہی عن المنکر صرف ایک کور کورانہ عبادت ہے یعنی انسان کو اس میں حساب اور منطق سے کام لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ بے دلیل اور آنکھیں بند کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے اگرچہ اسے اس بات کا یقین ہی کیوں نہ ہو کہ اس مقام پر وہ سرمایہ بھی لگا رہا ہے اور اسے فائدہ بھی نہیں ہو رہا ہے، خارجی کہتا ہے اس بات کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے، خدا نے کہہ دیا ہے کہ تو ہر حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے۔ ہمارے اماموں علیہم السلام نے ہم سے یہ کہا ہے کہ یہ غلط ہے! خدا نے اس قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم نہیں دیا ہے۔

خوارج کی فقہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف ایک کور کورانہ عبادت ہے یعنی انسان کو اس میں حساب اور منطق سے کام لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ بے دلیل اور آنکھیں بند کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے اگرچہ اسے اس بات کا یقین ہی کیوں نہ ہو کہ اس مقام پر وہ سرمایہ بھی لگا رہا ہے اور اسے فائدہ بھی نہیں ہو رہا ہے، خارجی کہتا ہے اس بات کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے، خدا نے کہہ دیا ہے کہ تو ہر حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے۔ ہمارے اماموں علیہم السلام نے ہم سے یہ کہا ہے کہ یہ غلط ہے! خدا نے اس قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم نہیں دیا ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں حساب، تدبیر، سوچ بچار اور عقل سے بالکل کام لینا چاہئے۔ جن عالموں نے سماجی مسائل کا مطالعہ کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ خوارج کے ختم ہو جانے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں منطق اور دلیل کے قائل نہیں تھے مثلاً جب کوئی خارجی کسی ایسی یمغرور ظالم کے سامنے بھی آتا تھا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار بھی ہوتی تھی اور اسے اس بات کا یقین بھی ہوتا تھا کہ اس وقت کسی بات کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوگا لیکن وہ کہہ ہی دیتا تھا اور اسے فوراً مار دیا جاتا تھا، اصطلاحاً ان لوگوں کو مصلحت نہیں آتی تھی، عقل اور منطق سے کام نہیں لیتے تھے، بغیر دیکھے چھلانگ لگا دیتے تھے آخر ختم ہو گئے لیکن ہمارے آئمہ نے فرمایا ہے کہ یہ کام غلط ہے۔ آپ نے تقیہ کا لفظ بھی سنا ہوگا جس کے معنی ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مصلحت سے کام لینا اور جو مادہ ''وقی'' سے بنا ہے جس کے معنی نگھداری کے ہیں۔ اس سے کیا مراد ہے؟ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک جنگ ہے۔

جنگ میں انسان بچاؤ کے وسیلے بھی کام میں لاتا ہے یعنی ضرب لگاؤ لیکن کوشش کرو کہ تم خود ضرب نہ کھاؤ لیکن تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مجھ پر تو جہاد واجب ہے... بالکل ٹھیک ہے... پھر میں ہتھیار کیوں لگاؤں، زرہ کیوں پہنوں۔ اگر میں قتل ہو جاؤں گا تو کیا میں بہشت میں نہیں جاؤں گا؟ تو میں اسی طرح لشکر کے درمیانی حصے پر حملہ کرتا ہوں تاکہ مارا جاؤں اور بہشت میں چلا جاؤں۔ اسلام کہتا ہے یہ کام نہ کرو! تم اسلام کی طاقت خرچ کرتے ہو، تم خود اسلام کی بنیاد کی ایک اینٹ ہو، اسلام کی طاقتوں میں سے ایک طاقت ہو۔ جاؤ اور مارو! لیکن کوشش کرو کہ جہاں تک ہو سکے کم ضرب کھاؤ۔ اگر تم اسی خیال سے جاتے ہو، ہتھیار نہیں لگاتے اور ہتھیار نہ لگانے سے مارے جاتے ہو تو گویا تم نے اسلام کی قوت ضائع کر دی۔ جاؤ مارو! اور جہاں تک ہو سکے اپنے مخالف کو ختم کر دو لیکن اپنے آپ کو بچاؤ۔ یہ مطلب ہے جو ہمارے آئمہؑ نے بیان کیا ہے اور یہ بہت معقول بات ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں ہماری ایک اور بات بھی ہے اور یہ بھی ہماری روایتوں اور حدیثوں میں موجود ہے۔ یہ حدیث کی عبارت ہے جو فقہ میں بھی نقل کی گئی ہے: ''انما...المطاع'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس شخص پر واجب ہے جو طاقت رکھتا ہے یعنی کمزور انسان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ بھی اسی بات سے ملی ہوئی بات ہے یعنی حساب یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسی نتیجے پر پہنچنے یا کوئی نتیجہ حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ: قوت کو بچاؤ اور نتیجہ حاصل کرو! لیکن جہاں تم کمزور ہو یعنی طاقت تو خرچ کرتے ہو لیکن نتیجہ حاصل نہیں کر پاتے تو ایسا نہ کرو۔ اب یہاں بعض کیلئے ایک بہت بڑا شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کوئی یہ کہے مجھ میں فلاں کام کرنے کی طاقت نہیں ہے اور اسلام نے بھی کہا ہے کہ اگر تم میں طاقت نہیں ہے تو نہ کرو تو پھر میں تو چین سے ہوں۔ دوسرا کہتا ہے: اسلام نے کہہ دیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس وقت ہوتا ہے جب اس سے کوئی نتیجہ نکلنے کا امکان ہو۔ اچھا! مجھے نتیجہ کی امید ہے تو پھر میں چین سے بیٹھ جاؤں۔ یہ غلطی ہے، یہ گمان اس قسم کا سا شک نہیں ہے جو تم طہارت اور نجاست کے سلسلے میں کرتے ہو، معلوم نہیں فلاں چیز پاک ہے یا نجس؟ اسلام کہتا ہے کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ یہ پاک ہے؟ ہاں مجھے گمان ہے... اچھا کہو پاک ہے۔ اس گمان کے معنی وہی ذہنی گمان کے ہیں یعنی تمہیں جہاں شک ہو کہ پاک ہے یا نجس مثلاً جو دوا باہر سے درآمد ہوئی ہے تمہیں سو فیصدی یقین نہیں ہے کہ یہ نجس ہے ننانوے فیصدی تمہیں یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ نجس ہوگی لیکن ایک فیصدی یہ گمان بھی ہے کہ پاک ہوگی تو تمہارے لیے یہی ذہنی گمان اس بات کیلئے کافی ہے کہ تم یہ کہو کہ یہ دوا پاک ہے۔ کیا یہ میرا فرض ہے کہ میں جا کر تحقیق کروں کہ یہ پاک ہے یا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نجس؟ ہر گز نہیں تمہارا کوئی ایسا فرض نہیں ہے، وہی گمان یعنی وہی ذہنی کیفیت جسے علمی اصطلاح میں علم موضوعی، احتمال موضوعی کہتے ہیں کہ یہی احتمال تمہارے لئے حکم ہے۔ اس سے زیادہ تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

لیکن یہاں جسے احتمال کہتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھے رہو پھر کہو مجھے اثر کا شک ہے مجھے اثر کا شک نہیں ہے۔ یہ طہارت اور نجاست کی بات نہیں ہے۔ اس معاملے میں جا کر کوشش کرو، زیادہ سے زیادہ تحقیق کرو، دیکھو اور سمجھو کہ تم کو کوئی نتیجہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ جو شخص بے خبر ہے اور پھر وہ تحقیق کرتا جو یہ سمجھ سکے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اسے کوئی فائدہ بھی ہوتا ہے یا نہیں اس کی طرف سے ایسا عذر ناقابل قبول ہے، یا ایک اور شخص کہتا ہے۔ صاحب! مجھ میں طاقت نہیں ہے، اسلام بھی کہتا ہے کہ۔ بہت خوب! لیکن جاؤ! طاقت حاصل کرو یہ شرط موجودگی کی ہے واجب ہونے کی شرط نہیں ہے یعنی یہ کہا ہے کہ جب تک تم کمزور ہو تو کسی کام میں ہاتھ نہ ڈالو جس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوئی اتم جس سے کوئی نتیجہ حاصل نہ کر سکو لیکن جا کر قدرت حاصل کرو تا کہ تم کوئی نتیجہ حاصل کر سکو، کوئی فائدہ اٹھا سکو...اب میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں: فقہ میں ایک مسئلہ ہے جسے ''ولایت از قبل جائر'' کہتے ہیں، آئمہؑ کے زمانے میں کاص طور پر یہ مسئلہ زیادہ پوچھا جاتا تھا۔ لوگ پوچھتے تھے یا بن رسول اللہ! یہ خلیفہ ظالم اور جابر خلیفہ ہیں ہم ان کی حکومت کی کوئی آسامی یا عہدہ قبول کریں یا نہ کریں اسلامی کا حکم یہ ہے کہ قبول نہ کریں، ان کا کوئی عہدہ قبول نہ کریں لیکن پھر فرماتے تھے اگر تم ان سے کوئی آسامی لے لو جس کی بدولت تمہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قوت مل جائے تو قطعی طور پر تم ایسا کر سکتے ہو۔ تمہیں اجازت ہے۔ ہماری فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

محقق ''شرائع'' میں لکھتے ہیں شہیدین • یعنی شہید اول اور شہید دومؒ) بعض منتہی بھی کہتے ہیں لیکن بعض کہتے ہیں: ''استحبت'' یعنی مستحب ہے اور بعض کہتے ہیں ''وجبت'' یعنی واجب ہے۔ کہتے ہیں یہ کام جو ظالم کی مدد کرتا ہے مثلاً جناب علی بن یقطین چاہتے ہیں کہ ظالم اور غاصب ہارون رشید کے وزیر بن جائیں اس لئے کہ واجب ہے یعنی یہ کام جو اپنی جگہ حرام ہے اگر ایسی طاقت حاصل کرنے کا وسیلہ بن جائے جسے آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے استعمال کر سکیں تو نہ صرف یہ کہ یہ کام آپ کیلئے حرام نہیں ہوگا بلکہ واجب ہے۔

امام موسیٰ بن جعفرؑ دو شیعوں محمد بن اسماعیل بن بزیع اور علی بن یقطین کے متعلق جو ظالم خلفاء کی حکومت میں اسلئے چلے گئے تھے کہ خدا کے مقاصد پورے کرنے کی کوشش کریں، فرماتے ہیں: تم زمین پر خدا کے ستارے ہو۔ تم وہاں اس لئے نہیں گئے کہ فائدہ کماؤ، جاہ و منصب کا لالچ کرو، دولت جمع کرو، تم وہاں اس لئے گئے ہو کہ اسلام کا نصب العین اپنے سامنے رکھو۔ دیکھو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر قوت حاصل کرنے کا کام اتنا اہم ہے، اتنا واجب ہے کہ اسلام کہتا ہے کہ تم اس کی کاطر سو فیصدی حرام کام کا بھی ارتکاب کر سکتے ہو یعنی یہ عمل جو اپنی جگہ اس صورت میں حرام ہے جب تم اسے صرف اس لیے انجام دو کہ اس حکومت کے جلال کا ایک حصہ بن جاؤ اور اس سے تمہارا کوئی مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی خدمت اسلام کا نہ ہو، اسلامکی ایسی خدمت کی خاطر جو واقعی کرنا چاہو حرام واجب میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک مستحب ہو جاتا ہے جیسا کہ محقق نے ''شرائع'' میں لکھا ہے: کم سے کم حرام مستحب میں تبدیل ضرور ہو جاتا ہے۔ اسی سے آپ سمجھ لیجئے کہ طاقت کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اگر اتفاقاً پیدا ہو گئی تو امر بالمعروف کر لیجئے اور جو اتفاقاً پیدا نہیں ہوئی تو نہ کیجئے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر طاقت اتفاقاً پیدا ہو گئی تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہو جاتا اور اگر یہ پیدا نہیں ہوئی تو واجب نہیں ہوتا اس لئے قدرت حاصل کرنا واجب نہیں ہے۔ اس قول کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھیں اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کیا قدر و منزلت مقرر کی ہے۔ ہم یہ دیکھیں کہ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو قدر و قیمت رکھی ہے۔۔ اس کے پیش نظر یہ کہنا ممکن ہے کہ جب مسلمانوں کو اتفاقاً قوت حاصل ہو جائے تو یہ فرض ادا کر دیں اور جو قوت حاصل نہ ہو تو پھر یہ فرض نہیں ہے کہ جا کر قدرت حاصل کریں تا کہ امر بالعمروف اور نہی عن المنکر انجام دے سکیں۔ اگر آپ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کیا مقام ہے؟ تو اس روایت کا مطالعہ کیجئے جو کافی میں موجود ہے اور ہماری بہت مشہور، قطعی اور مستند روایت ہے اور فقہ اور حدیث کی تمام معتبر کتابوں میں ملتی ہے اور اس بارے میں سب سے زیادہ مفصل حدیث ہے، میں آپ کو اس کے کچھ ٹکڑے سناتا ہوں اس لئے کہ یہ بہت مفصل ہے، اس کا ایک ٹکڑا جو حدیث کی ابتدا بھی ہے یہ ہے کہ آکری زمانے میں ریاکار لوگ پیدا ہوں گے جو قرآنی آیات اور دعائیں پڑھا کریں گے "ویستنکسون" تقدس کا اظہار کریں گے "حدثاء سفہاء" یہ احمق بھی ہوں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مطلق پروا نہیں کریں گے "لا یوجبون امر...الضرر" جب تک یہ لوگ بالکل مطمئن نہیں ہو جائیں گے کہ انہیں امر بالمعروف اور نہیع ن المنکر سے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچے گا اس وقت تک اس پر عمل نہیں کریں گے "یطلبون...والمعاذیر" برابر اس بات کے کواہشمند رہیں گے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر س بیچنے کی کوئی راہ نکالیں، کوئی عذر تراشیں کہ اب نہیں ہو سکتا اب ممکن نہیں ہے۔

"یقلبون علی/نفس ولا مال" ان عبادتوں کو قبول کریں گے جو ان کی جان، مال اور حیثیت کو ضرر نہ پہنچائیں گی، جیسے نماز اور روزہ اور اگر انہیں کوئی فریضہ نقصان پہنچائے گا تو اسے قبول نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ فرمتاے ہیں: اگر نماز بھی ان کے کام، ان کی حیثیت اور ان کی جان کو نقصان پہنچائے گی تو اسے بھی ترک کر دیں گے "کمار...واشرفھا" جس طرح انہوں نے سب سے اچھے اور اشرف فرائض بھی ترک کر دیئے ہیں، نماز کو بھی ترک کر دیں گے، وہ سب سے عالی اور سب سے اشرف فریضے کون سے ہیں؟ "ان الامر...الفرائض" یہ ایک ایسا بڑا فریضہ ہے جس کے وسیلے سے باقی تمام فرائض ادا ہوتے ہیں۔ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جس کے وسیلے سے نماز، زکوۃ، حج، خمس، معاملات، قانون اور اخلاق کے تمام فریضے ادا ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث کا تھوڑا سا حصہ پھر چھوڑے دیتا ہوں آپ نے فرمایا: "ان...الانبیاء" یقیناً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام پیغمبروں کا طریقہ ہے۔ "منھاج...المذاب" خدا کے واجبات اس کے وسیلے سے ادا ہوتے ہیں اور اسی سے خدا کی راہیں پر امن ہوتی ہیں۔ پیشے اس کے وسیلے سے حلال اور مظالم اس کے وسیلہ سے بے حجاب ہو جاتے ہیں، زمین اس کے وسیلے سے آباد ہوتی ہے۔ اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے، زمین کی آباد ہونے کی حدود تک۔ خدا جانتا ہے کہ انسان جب کسی وقت ایک چیز کو دیکھتا ہے اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتا ہے تو بہت حیران ہوتا ہے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے، میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ماوردی کی اس کتاب "الحکام السلطانیہ" کا مطالعہ کریں جو اسلام کی ایک معتبر ترین کتاب ہے جسے خاص طور پر یورپ عالم اور مستشرقین بہت اہمیت دیتے ہیں۔

اس کتاب نے تقریباً ایک ہزار سال پہلے کے اسلام کے سماجی نظام بیان کئے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ دنیائے اسلام میں کیسے کیسے نظامات رہے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دراصل کیا معنی رکھتے ہیں اور اس نے کیا کیا ہے؟ اس سے بھی زیادہ ایک اور اہم کتاب جس کا نام ہے "معالم القربہ فی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

احکام الحسبہ''خوش قسمتی سے اس کتاب کو بظاہر ایک فرنگی مستشرق نے (خوش قسمتی سے کہنا چاہئے، پھر خدا ان فرنگیوں کے باپ کے گناہ بخش دے کہ جو کم سے کم جاتے ہیں اور ہماری ایسی اچھی لکھی ہوئی کتابیں کتاب خانوں سے نکال لاتے ہیں اور چھاپ دیتے ہیں۔ ہم میں تو اتنی بھی طاقت نہیں ہے) ترکی کے ایک کتب خانے سے نکال کر چھاپ دیا ہے۔

یہ کتاب نویں صدی میں لکھی گئی ہے ''حسبہ'' میں وہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے یہ ایک اصطلاح رہی ہے کہ دوسری صدی ہجری سے امر بالمعروف اور نہیع ن المنکر کو ''حسبہ'' کہتے چلے آرہے ہیں۔ محتسب جسے اپ دیکھیں گے کہ ہمارے اشعار میں آیا ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ جو محکمہ اسلامی ملکوں میں ''حسبہ'' کے یا احتسابی اداروں کے نام سے رہے ہیں ان کے افراد یعنی آمرین بالمعروف اور ناہین عن المنک ر کو متحسب کہتے ہیں جو ہمارے شاعروں کی اصطلاح میں زیادہ آیا ہے، مولوی، حافظ اور سعدی نے یہ لفظ استعمال کیا ہے، سعدی کہتے ہیں: (چندان کہ مرا شیخ اجل شمس الدین ابوالفرج بن الجوزی...) کہتا ہے: جب میں جوان تھا تو میرے استاد ابوالفرج بن الجوزی مجھ سے کہتے تھے: ان محفلوں میں نہ جا، یہاں نہ جا، وہاں مت جا اور میں ان شیخ اور استاد کی بات نہیں سنتا تھا کیونکہ جوان تھا۔ کبھی کبھی ان کا مذاق بھی کرتا تھا۔ میں کہتا تھا:

قاضی ار با ما نشیند بر فشاند دست را

محتسب گر مے خورد، معذور دارد ست را

بہر حال اس کتاب کا نام ''معالم القربہ فی احکام الحسبہ'' ہے۔ جس وقت آدمی اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے کہ اصل میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کیا مفہوم ہے تو یہ دیکھتا ہے کہ یہ پوری زندگی پر محیط ہے۔ وہ تمام کام جو آج کل کی میونسپل کمیٹیاں انجام دیتی ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہیں، وہ تمام کام بھی جو شہر کا کوتوال انجام دیتا ہے احتساب کے دائرے میں ہوتے ہیں۔

اسی کتاب ''معالم القربہ'' میں لکھا ہے کہ محتسب کا یہ فرض ہے کہ جس دم بقال کی دکان پر جاتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ دہی کے برتنوں کے منہ کھلے ہیں اور مکھی بیٹھی ہوئی ہے تو بقال کو خبردار کرے کہ اپنے دہی کے برتن کا منہ ڈھانک کر رکھے، اس بقال کے کپڑوں پر نظر ڈالے کہ گندے تو نہیں ہیں، جو کپڑا وہ آگے باندھتا ہے چند دن میں ایک بار یا روزانہ ایک بار بدلے، دھوئے۔ غسل خانوں میں کیا کرتے ہیں؟ مسجدوں میں کیا کرتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ جس وقت انسان یہ باتیں دیکھتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے اے خدا! یہ ہم تھے اور یہ ایک وقت ہمارا تھا اور اب ہم یہ ہیں کہ ایسی حالت میں گرفتار ہیں؟ اے خدا! یہ ہم ہیں جو ہماری کافی کی اور ہماری تمام فقہی کتابوں کی روایتوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ امر بالعمروف وہ جے جس سے زمین آباد ہوتی ہے ''وتعمر الارض وینصف من الاعداء'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مدد سے دشمن سے بدلہ لے سکتے ہیں یعنی امر بالعمروف اور نہی عن المنکر کو زندہ کرو تاکہ تم اسرائیل کے مقابلے میں کھڑے ہو سکو۔ اگر اسرائیل کے مقابلے میں کمزور ہو تو اس کی جڑ چند سو سال پہلے تلاش کرو کہ تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ختم کر دیا اور جس وقت ختم کر دیا تو دشمن پر غالب آگیا ''ویستقیم الامر'' اسی وسیلے سے تمام کام اپنی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔

''فانکروا... عذاب الیم'' اب اس ٹکڑے کے ترجمے اور دوسرے ٹکڑوں کے بیان کا وقت نہیں ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جو فریضہ اسلام میں ایسی امقام اور قدر و قیمت رکھتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ اگر کسی دن اتفاق سے تمہیں قوت اور طاقت حاصل ہو جائے تو کرلو اور جو طاقت نہ ہو تو پھر یہ فریضہ ساقط ہے، یعنی اسلام ساقط ہے۔ چونکہ امر بالمعروف جو اسلام ہمیں بتاتا ہے اسلام کے خیمے کا کھونٹا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خود اسلام ہی یہ کہے کہ اگر اتفاق سے تم یہ دیکھو کہ اسلام کی حفاظت کر سکتے ہو تو کرلو اور اگر تم اتفاق سے یہ دیکھو کہ نہیں کر سکتے تو نہ کرو... چین سے رہو... آرام سے بیٹھو۔

اثر کے امکان کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔ می ں جا کر کمرے میں بیٹھ جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مجھے تو اثر کا کوئی امکان نہیں معلوم ہوتا۔ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اثر کا امکان بتاؤ یا نہیں بتاؤ۔ تمہارا کوئی مطالعہ نہیں ہے، تمہیں حالات کی اطلاع نہیں ہے، تم واقعات سے واقف نہیں، تم نہیں جانتے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ کون سی ہے، تم نفسیات نہیں جانتے کہ انسان پر اثر کرنے کیلئے اس کی روح کا کس طریقہ سے سامنا کیا جائے، تم عمرانیات نہیں جانتے۔ تم کچھ نہیں جانتے اس لیے تمہیں کوئی حق نہیں جو یہ کہو کہ مجھے اثر کا احتمال ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ اس بنیادی اصول کے دو پائے یہ ہیں: قدرت اور آگاہی... دونوں کو حاصل کرنا چاہئے اس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

آپ اپنے اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ امریکہ میں اسرائیل کیلئے مدد جمع کرنے والی تین سو اسی سے زیادہ کمیٹیاں قائم ہیں۔ میں اس لحاظ سے ان کی قدر کرتا ہوں کہ یہ بیدار قوم ہیں، اپنے لئے کام رہی ہیں، یہ قوم سمجھتی ہے کہ اس کا راستہ یہی ہے۔ ہر شخص ہر محلے میں، ہر گوشے میں ہے، خود بیٹھیں، سوچیں، کام کریں، معلومات حاصل کریں، انجام کا اندازہ لگائیں۔ یہ واقفیت اور اس واقفیت کا حاصل کرنا واجب ہے یہ قدرت ہے اور قدرت کا حاصل کرنا واجب ہے۔

اب میں پھر اسی بات پر واپس آتا ہوں جو میں نے ابتدا میں عرض کی تھی یعنی حسینی تحریک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنصر کا مطالعہ۔ اس لحاظ سے، اس وجہ سے کہ پیغمبر کے اہل بیتؑ نے اس موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کس طرح اٹھایا۔ خدا بخشے مرحوم آیت رضوان اللہ علیہ کو کیا بزرگ تھے، کیسے متقی تھے جو ہم سے جدا ہو گئے۔ ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام "بررسی تاریخ عاشورا" (عاشور کی تاریخ کا مطالعہ) ممکن ہے آپ میں سے بہت سے افراد نے دیکھی ہو، جنہوں نے نہیں دیکھی ہے وہ اسے دیکھیں اور پڑھیں، یہ ان تقریروں کا مجموعہ ہے جو مرحوم نے ریڈیو پر کی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ تقریریں چھاپ دی گئی ہیں، اس سلسلے میں فارسی میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اسے اگر بہترین نہ کہوں تو بہترین میں سے یقیناً ایک ہے۔ اب اگر تجزیہ اور تحلیل کے اعتبار سے اسے درجہ اول کی کتاب نہ کہوں تو اسناد کے پہلو سے یعنی اس پہلو سے کہ اس کا مواد معتبر تواریخ کی رو سے مستند ہے یہ یقینی طور پر بے مثال کتاب ہے۔ اس کتاب میں ان بزرگ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ کربلا کی تاریخ کو دراصل اسیروں نے زندہ رکھا ہے یعنی اسیروں نے تاریخ کی حفاظت کی ہے اور اموی حکومت نے جو سب سے بڑی غلطی کی وہ اہل بیتؑ کو قید کرنا اور انہیں کوفہ اور بعد میں شام تک پھرانا تھا۔ اگر یہ لوگ یہ کام نہیں کرتے تو شاید یہ تاریخ بھلا دی جاتی یا کم سے کم اس کے اثر اور قوت کو کچھ کم کر دیتے لیکن انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں ایسا کام کیا کہ اہل بیت پیغمبرؐ کو موقع دے دیا اور انہوں نے دنیا میں تاریخ کربلا مسجل کر دی۔ ان لوگوں کو یہ یقین نہیں تھا کہ یہ تھوڑی سی عورتیں اور بچے جو حد درجہ تھکا ماندہ و خستہ، مصیبت زدہ ہیں اس موقع سے زیادہ فائدہ اٹھالیں گے... کسے یقین تھا انہوں نے کس طرح تبلیغ کی؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شام میں جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ہے... مجبوراً خود یزید کو شرکت کرنا ہے بلکہ شاید نماز کی امامت بھی اسی کو کرنا تھی۔اس کا مجھے اب اس وقت یقین نہیں ہے۔

نماز جمعہ میں خطیب پہلے دو خطبے جو بہت مفید اور گرانقدر ہوتے ہیں پڑھتا ہے،اس کے بعد نماز شروع ہو جاتی ہے۔اصولاً یہ دونوں خطبے اندو رکعتوں کی جگہ ہوتے ہیں جو جمعہ کے دن ظہر کی نماز سے ساقط ہو جاتی ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعت میں بدل جاتی ہے۔پہلے وہ خطیب جو اصطلاح میں دستوری یعنی حکمیہ تھا منبر پر گیا اور جو کچھ پہلے سے اس سے کہا گیا تھا وہی اس نے دہرایا۔اس نے یزید اور معاویہ کی تعریف کی اور دنیا میں جو صفت اور جو خوبی ہو سکتی تھی وہ ان سے منسوب کی اور پھر حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کو اس طرح برا بھلا کہنا شروع کیا کہ یہ خدا کے دین سے خارج ہو گئے (نعوذ باللہ) انہوں نے یہ کیا اور وہ کیا...امام زین العابدینؑ نے پایہ منبر نیچے سے ڈانٹا"ایھا...الخالق"ایخطیب! تو نے ایک مخلوق کی خوشنودی کیلئے خالق کا غضب خرید لیا۔پھر آپ نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں ان لکڑیوں کے اوپر جاؤں؟ آپ نے منبر نہیں کہا۔عجیب بات ہے! پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ ان باتوں کا کتنا دھیان رکھتے تھے مثلاً یزید کے دربار میں یا امیر المومنین"یا ایھا الخلیفۃ!"نہیں کہتے بلکہ کنیت سے بھی مخاطب نہیں کرتے کہ یا ابا خالد! صرف اتنا کہتے ہیں: اے یزید!......امام زین العابدینؑ بھی اور جناب زینب نے بھی۔اس وقت بھی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے اس منبر پر جانے کی اجازت دے یعنی یہ کہ یہ منبر نہیں ہے۔یہ جو تین سیڑھیوں کی لکڑیاں یہاں ہیں اس پر ایسا ہی خطیب چڑھتا ہے اور ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔ہم اسے منبر نہیں سمجھتے! یہ چار لکڑیاں ہیں کیا تو مجھے ان لکڑیوں پر چڑھنے کی اجازت دیتا ہے تاکہ میں دو باتیں کر سکوں؟ یزید نے اجازت نہیں دی۔جو لوگ چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اس وجہ سے کہ علی بن الحسینؑ حجازی ہیں،اہل حجاز ہیں اور حجاز کے لوگوں کی گفتگو شیریں اور لطیف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کہ آکا انداز خطاب دیکھیں کہا کہ اجازت دے دو منع نہ کرو لیکن یزید نے منع کر دیا،اس کا بیٹا آ گیا: بابا! اجازت دے دیجئے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس حجازی جوان کا انداز خطاب کیسا ہے۔اس نے جواب دیا مجھے ان لوگوں سے ڈر ہے۔سب نے اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ مجبور ہو گیا یعنی جب اس نے دیکھا کہ اس سے زیادہ اپنی عاجزی اور خوف کا اظہار ہوتا ہے تو اجازت دے دی۔

دیکھئے کہ یہ امام زین العابدینؑ اس وقت بیمار تھے (اس کے بعد وہ بیمار نہیں رہے تھے،ان میں اور دوسرے اماموں میں کوئی فرق نہیں رہا تھا)۔پھر قیدی بھی تھے اور ذاکروں کے مشہور قول کے مطابق طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے چالیس منزلیں طے کر کے شام تک آئے تھے۔جس وقت منبر پر تشریف لے گئے تو آپ نے کیا کیا؟ کس قدر ولولہ پیدا کیا؟ یزید گھبرا گیا۔اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔کہنے لگا ابھی لوگ ٹوٹ پڑیں گے اور مجھے مار ڈالیں گے۔اس نے ایک چال چلائی،ظہر کا وقت تھا اچانک موذن سے کہا اذان دے نماز کو دیر ہوتی ہے۔موذن کی آواز بلند ہوئی،زین العابدینؑ خاموش ہو گئے۔موذن نے کہا: اللہ اکبر،اللہ اکبر،امام نے دہرایا: اللہ اکبر،اللہ اکبر۔موذن نے کہا: اشھد ان لا الٰہ الا اللہ،اشھد ان لا الٰہ الا اللہ پھر امامؑ نے دہرایا،یہاں تک کہ پیغمبرؐ کی رسالت کی شہادت پر پہنچا۔یہاں تک موذن پہنچا ہی تھا کہ امام زین العابدینؑ نے آواز دی: موذن! خاموش ہو جا۔آپؑ نے یزید کی طرف رخ کیا۔اے یزید! اس جگہ جس کا نام لیا جا رہا ہے اور جس کی رسالت کی گواہی دی جا رہی ہے کون ہے؟ اے لوگو! ہم کون ہیں جنہیں تم نے قید کیا ہے؟ اور میرے پدر جنہیں تم نے شہید کر دیا کون تھے؟ اور یہ کون ہیں جن کی رسالت کی تم گواہی دے رہے ہو؟ اس وقت تک لوگوں کو صحیح واقعہ معلوم نہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تھا کہ انہوں نے کیا کر ڈالا ہے،اس وقت آپ سنتے ہیں کہ یزید نے بعد میں اہل بیت پیغمبرؐ کو اس قید خانے سے رہا کیا اور پھر حکم دیا کہ انہیں عزت واحترام کے ساتھ لے جائیں۔

نعمان بن بشیر کو جو نرم دل اور ملائم آدمی تھا اس کام پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ ان لوگوں کو بے حد مہربانی اور آرام کے ساتھ سام سے مدینہ تک لے جائو!...

یہ کس لئے تھا؟ کیا یزید شریف بن گیا تھا؟ اس کی ذہنیت بدل گئی تھی؟

ہر گز نہیں...!

دنیا اور یزید کا ماحول بدل گیا تھا۔ آپ سنتے ہیں کہ یزید بعد میں ابن زیاد پر لعنت بھیجا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ تمام گناہ اس کا تھا۔ وہ اس سے بالکل انکار کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے ایسا حکم نہیں دیا تھا۔ ابن زیاد نے اپنے آپ ہی یہ کام کیا۔

کیوں؟......

اس لئے کہ امام زین العابدینؑ اور جناب زینب سلام اللہ علیہا نے حالات کا رخ پلٹ دیا تھا۔

باب پنجم

عاشور کے شعار

الحمد للہ رب العالمین...الرجیم {یاایھاالذین... یحییکم})ا(

ہماری گفتگو کا عنوان شعار عاشور☆ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دو مطالب کو ایک دوسرے سے جوڑ کر بات کروں۔ ایک وہ شعار جس کا اباعبداللہ حسینؑ اور آپؑ کے اہل بیت اطہارؑ نے روز عاشور اظہار کیا ہے، دوسرا خود عاشورا اہم شیعوں کیلئے شعار ہے۔ پہلے کلمہ شعار کے معنی اور اس کی وضاحت کروں گا۔ کلمہ شعار اصل لغت میں وہ اشعار یا وہ نثر ہے جو جنگوں میں بولی جاتی ہے، ایک جانباز میدان جنگ میں جب نبرد کیلئے بھیجا جاتا تھا تو وہ ایک شعار بلند کرتا تھا۔ جنگوں میں عام طور پر تن بہ تن مقابلہ ہوتا تھا، دو دستے ایک دوسرے سے جنگ لڑتے تھے تو افراد مسلح ہوتے تھے۔ خود زرہ، چکمہ، تلوار، سپر سے پوشیدہ ہوتے تھے، پیر سے لے کر جنگ باز کا سارا چہرہ سوا آنکھ کے پوشیدہ ہوتا تھا۔ ایک عسکری دوسرے کی صرف آنکھ کو دیکھ سکتا تھا لہٰذا میدان جنگ میں ایک دوسرے کی پہچان نہیں ہوتی۔ میدان جنگ سے باہر سب کے سر اور گردن کھلے ہوئے ہوتے تھے۔ تنہا یاک لشکر یک سپاہی سے اپنا ساتھی پہچانا نہیں جاتا بلکہ اپنے مخالف ک وبھی پہچان نہیں سکتے تھے۔ یہ امکان تھا کہ اشتباہ ہو جائے اور کوئی اپنے ہی ساتھ کو مار دے لہٰذا ہر قوم اور ہر لشکر اپنا ایک مخصوص شعار رکھتا تھا۔ ایک جملہ کا انتخاب کرتا تھا اور اسے بار بار تکرار کرتا رہتا تھا تاکہ پہچانا جائے کہ یہ سپاہی لشکر "الف" کا تھا اور دوسرا شعار دیتا تھا وہ لشکر "ب" کا تھا۔ اس عمل کا کمترین فائدہ یہ تھا کہ لشکری کا آپس میں اشتباہ نہیں ہوتا تھا لہٰذا خود اپنا ساتھی دوسرے ساتھی کو نہیں مارتا تھا۔ کبھی شعار دینے والے اس سطح سے بھی زیادہ واضح اور روشن شعار دیتے تھے۔ جب سپاہی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ا۔انفال:۲۴

☆۔شعار کے معنی وہ نشان یا لفظ جس سے فوج والے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔

میدان جنگ میں پہنچتا تھا تو اپنے گروہ کا شعار دیتا تھا، اپنا شخصی تعارف بھی کرواتا تھا، عرب چونکہ شعر گوئی میں قوی تھے اور ان کیلئے شعر گوئی آسان تھی اور شعر گوئی عربی زبان کی خصوصیات میں سے رہی ہے لہذا عرب اکثر و بیشتر جب میدان جنگ میں وارد ہوتا تو اپنی ایک رباعی یا ایک رجز سے تعارف کراتا مثلاً جو مبارزہ طلب کرتے تھے اپنی مبارزہ طلبی کو شعر کے ذریعے کرتے تھے، دوسرا آدمی شعر ہی میں اسے جواب دیتا کہ وہ بھی آمادۂ جنگ ہے۔آپ نے سن اہے کہ جنگ خندق میں پیغمبر اکرمؐ نے دستور دیا کہ مدینہ کے گرد جہاں سے دشمن کے داخل ہونے کا خطرہ ہو خندق کھودیں تاکہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہو سکے لیکن دشمن کے کچھ افراد ایک جگہ سے اپنے گھوڑے کے ذریعے خندق پار کر کے مدینہ آنے میں کامیاب ہو گئے ان میں سے ایک ''عمرو بن عبدود'' تھا جو کہ معروف شجاع تھا۔فارسی اصطلاح میں اسے ''یل یل'' کہ اس کی ضرب المثل شجاعت تھی۔مسلمانوں کے مقابلے میں آ کر اس نے للکارا ''الارجل الارجل'' ہے کوئی مرد؟ کسی نے جواب نہ دی کیونکہ سب اسے جانتے تھے، کسی ایک آدمی نے بھی جرأت نہ کی کیونکہ سب جانتے تھے کہ اس سے مقابلہ محض موت ہے۔صرف بیس (۲۰) سے چند سال اوپر کے ایک نوجوان نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! مجھے اجازت دیں میں جاؤں گا۔وہ علیؑ تھے۔پیغمبرؐ نے کہا بیٹھ جاؤ۔عمرو بن عبدود نے دوبارہ للکارا: ہے کوئی مرد؟ تو علیؑ کے علاوہ کسی نے جواب نہ دیا۔تیسری دفعہ علیؑ جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ مسلمانوں کی آبروریزی ہو رہی ہے۔حضرت عمر ابن الخطاب نے مسلمانوں کی طرف سے عذر پیش کرنے کیلئے پیغمبرؐ سے کہا کہ اگر کوئی نہیں اٹھ سکتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔میرا خود تجربہ ہے کہ ایک دفعہ میں اس کے ساتھ قافلے میں جا رہا تھا کہ بہت سے رہزنوں نے ہم پر حملہ کر دیا، یہ شخص تن تنہا ان کے مقابل ہو گیا اور بطور سپر اونٹ کے بچے کو اٹھا لیا بھلا ایسے شخص کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ جب عمرو بن عبدود نے دیکھا کہ کوئی جواب نہیں آ رہا تو مسلمانوں کی تحقیر کیلئے یہ شعر کہا:

ولقد بححت من النداء بجمعکم ھل من مبارز

ووقفت اذ وقف المشجع موقف القرن المناجز) ا

''میں تمہیں پکار پکار کے تھک گیا، میرا گلا درد کرنے لگا ھل من مبارز کہتے کہتے، تمہارے درمیان ایک بھی مرد نہیں ہے؟''

اس وقت پیغمبرؐ نے علیؑ کو اجازت دی۔علیؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا:

ولقد اتاک مجیب صوتک غیر عاجز...

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تمہاری آواز کا جواب دینے والا آگیا اور اسی شعر کے انداز میں جواب دیا۔ آپ نے سنا ہے کس طرح علیؑ کامیاب ہوئے۔ اس مقابلے کی صورت کچھ ایسی تھی کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: آج تمام اسلام کا تمام کفر سے مقابلہ ہو رہا ہے یعنی یہ جنگ ہماری تقدیر کا فیصلہ کرنے والی ہے۔

جو چیز ہمیں عاشورا میں زیادہ دیکھنے میں آتی ہے وہ مسئلہ شعار ہے۔ اباعبداللہ کا شعار، اصحاب اباعبداللہ کا شعار اور خاندان اباعبداللہ کا شعار۔ ان شعار میں خصوصاً خود اباعبداللہ کے شعار۔ ہر ایک ین اپنا تعارف ایک رجز، ایک رباعی سے کیا۔ کبھی کبھی اس معرفی کے دوران اپنے ہدف کی بھی معرفی کرتے تھے۔ اہم مسئلہ یہ ہے کہ تاریخ میں بہت سی چیزیں دیکھنے میں آئی ہیں، کبھی کبھی لوگ جمع ہوتے یں ایک مقصد اور ایک ہدف کیلئے لیکن بعد میں ایک اور مقصد کو نظر میں رکھتے ہوئے منتشر اور پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ ایران میں مشروطیت کے دوران ایسے واقعات کا بہت اتفاق ہوا ا ابتداء میں لوگوں کو مشروطیت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ لوگ مختلف ناموں سے جمع ہوتے تھے جب منتشر ہوتے تو کوئی نیا مطلب لے کر نکلتے تھے۔ کہتے تھے کہ لوگ اس مسئلہ کیلئے جمع ہوئے۔ یہ باتیں کیں، یہ کہا، یہ کہا...چونکہ لوگوں کی سمجھ پختہ نہ تھی، لوگ کہتے تھے کہ ہمارا جمع ہونا کس مقصد کیلئے ہے۔

اباعبداللہ حسینؑ نے بھی عاشورا کے دن بہت سے شعار دیئے۔ آپؑ نے اپنی نہضت کی روح کو مشخص کیا کہ میں کیوں جنگ کر رہا ہوں۔ ہم تسلیم کیوں نہیں ہوتے۔ ہم یہاں کیوں آئے ہیں کہ آخری قطرۂ خون تک بہادیں گے؟ افسوس کی بات ہے کہ شیعہ یہ شعار فراموش کر بیٹھے ہیں اور اس کی جگہ نیا اور دوسرا شعار لائے ہیں جن میں حسینؑ کی نہضت کی روح منعکس نہیں ہوتی۔

ہمارے آئمہؑ ایک دوسرے کے بعد آئے اور حکم دیا کہ عاشورا کو زندہ رکھیں، حسینؑ کی مصیبت کو فراموش نہ ہونے دیں، اس مکتب کو زندہ رکھیں، ہر سال محرم کا عاشورا ہوتا ہے، شیعہ ہے جو اسے زندہ رکھتا ہے، عاشورا شیعوں کا شعار ہے... شیعوں کو چاہیئے کہ وہ جواب دے سکیں۔

شیعہ جب غیر شیعہ کے مقابلے میں، ایک مسیحی یا ایک یہودی یا ایک لا مذہب کے مقابلے میں اگر کھڑا ہوتا ہے اور لوگ پوچھتے ہیں کہ تاسوعا اور عاشورا کے دن تمام کام ترک کر کے مسجدوں، امام بارگاہوں میں جمع ہوتے ہو، جلوس نکالتے ہو، سینہ زنی کرتے ہو، زنجیر زنی کرتے ہو، چیخ و پکار کرتے ہو تو تمہارا کیا مطالبہ ہے؟ اگر کوئی ایسا سوال کرے تو شیعوں کے پاس جواب ہونا چاہئے کہ ہمارا مطالبہ ہے کہ اباعبداللہ، فقط جنگ کیلئے نہیں آئے تھے کہ لڑیں اور مر جائیں۔ حسینؑ نے اپنے مطالب کو واضح کیا ہے اپنے ہدف اور مقصد کو مشخص کیا ہے۔

ہمیں دیکھنا چاہئے کہ عاشورا کے دن حسینؑ کا کیا شعار تھا۔ یہ حسینؑ کا شعار ہی تھا جس کے اسلام کو زندہ رکھا، تشیع کو زندہ کیا، خلافت بنوامیہ کے پائے متزلزل کئے، اگر حسینؑ کا قیام نہ ہوتا تو بنو عباس جنھوں نے پانچ سو سال حکومت کی اور مزید پانچ سو سال کرتے ان سب کا ہدف اسلام کو ختم کرنا تھا۔ اسلام کے پردے میں فروغ دے کر جاہلیت کو پھر سے زندہ کر دیتے۔

اباعبداللہ الحسینؑ کا شعار تھا جس نے ان کے پردے چاک کر دیئے اور درمیان سے ہٹا دیا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہم عاشورا میں دو نوعیت کے شعار دیکھتے ہیں۔ ایک تو خود شخصی تعارف ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں لیکن دوسرا شعار فکر کی پہچان، احساس کی پہچان، نظر کی پہچان، روز عاشورا یہ دونوں شعار بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔ اباعبداللہؑ کا شعار خود ایک مفصل داستان ہے، انہیں ہم اس مجلس میں بیان نہیں کر سکیں گے۔

اباعبداللہ الحسینؑ عاشورا کے دن علی مرتضیٰ پر زیادہ افتخار کرتے ہیں البتہ نواسہ رسولؐ، ہونے پر بھی افتخار کرتے ہیں۔ کس لئے؟ اس لئے کہ سامنے سب دشمنان علیؑ ہیں اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ امت پیغمبرؐ ہیں۔

حسینؑ کی کوشش تھی کہ برملا کہیں کہ مجھے علیؑ کا بیٹا ہونے پر فخر ہے۔ جو شعار حسین ین عاشورا کے دن ارشاد فرمایا ہے بعض خود حسین کے ہیں اور بعض دوسروں کے۔ مثلاً وہ معروف اشعار جو سروت ابن مسیک ین کہے ہیں جو کہ پورا حماسہ ہے۔ اباعبداللہؑ نے روز عاشورا شعاروں میں سے ایک خود فرمایا ہے (خصوصاً ایک مصرعہ):

الموت اولی من رکوب العار والعار اولی من دخول النار

"میرے پاس موت ذلت و پستی سے کئی گناہ بہتر اور عزیز ہے، محبوب اور پسند ہے"۔

اس شعار کا نام شعار آزادی، شعار عزت، شعار شرافت ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کیلئے ذلت و خواری کی زندگی سے بہتر ہے کہ وہ مر جائے۔ دنیا جان لے کہ اگر حسینؑ حاضر ہے تو اپنا اور اپنے جوانوں یک خون کا آخری قطرہ بہا دوں گا۔ وہ حسینؑ جو دامن رسولؐ کا پروردہ ہے، علیؑ کا فرزند ہے اور زہراؑ کا شیر خوردہ ہے۔

جب ظاہری طور پر ساری امیدیں ختم ہو گئی تھیں تو حسینؑ نے یہ خطبہ فرمایا جو اتنا پر از شور اور کہیں گے دہکتی آگ ہے جو حسینؑ کے دہن سے باہر آ رہی ہے:

آیا یہ کلمات معمول میں مذاق ہیں جو حسینؑ نے فرمایا:

"الا وان...الذلۃ"

پسر زیاد کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے۔ اس کے سفاک باپ نے بیس (۲۰۰) سال پہلے کوفہ والوں کو قتل کیا ہے، کوفہ پر حکومت کی ہے، ہر ایک اس سے ڈرتا ہے چونکہ کوفہ والے اس کو اور اس کے باپ کو جانتے ہیں کہ یہ سفاک اور خونخوار ہیں۔ یہ پسر زیاد جب کوفہ آیا اور وہاں کا امیر ہوا چونکہ اس کے باپ کا رعب اہل وکفہ کے دل میں تھا سب مسلم بن عقیل سے دور ہو گئے، لوگ خوفزدہ ہو گئے۔

اس عبیداللہ زیاد کے بارے میں حسینؑ اہل کوفہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں "الا وان الدعی...والذلۃ" مجھے تجویز دیتا ہے کہ میں خوار و ذلیل ہو جاؤں یا تلوار نیام سے نکال کر مقابلہ کروں، تم اپنے امیر سے کہہ دو کہ حسینؑ کہتا ہے "ھیھات منا الذلۃ" (ذلت ہم سے دور ہے۔) ہم ذلیل ہو کر تسلیم نہیں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوں گے (شہید مطہری یہ جملہ کہہ کر رو پڑے) آیا وہ خیال کرتا ہے کہ میں کو بھی ان جیسا ہوں "بابی اللہ... وطھرت" (گریہ استاد) خدا چاہتا کہ حسینؑ اس طرح ہو، مگر تمہیں پتا نہیں، وہ زنازادہ ابن زیادہ نہیں جانتا کہ میں کسی دامن میں پل کر بڑا ہوا ہوں۔ میں دامن پیغمبرؐ میں بڑا ہوا ہوں، میں دامن علی مرتضیٰ کا پروردہ ہوں، میں نے شیر فاطمہؑ پیا ہے (استاد گریہ کرتے ہیں)۔ کیا جس نے فاطمہ زہراؑ کا دودھ پیا ہے وہ خود کو پسر زیاد کی ذلت اور اسیری میں دے گا؟ ناممکن "ھیھات مناالذلۃ" کہاں میں اور کہاں ذلت؟ حسینؑ کا شعار عاشورا ک دن اسی طرح ہے۔

برادران! تم لوگ جو دستوں میں شعار بناتے ہو آیا یہ حسینؑ کے موقف سے موافقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ اباعبداللہ ان کے اہل کاندان اور اصحاب حسینؑ کی تشنگی کوئی مذاق نہیں کیونکہ ہوا بہت گرم تھی۔ اس وقت کا عاشور اطاہراً اور خر کرداد تھا، عراق کی ہوا سردیوں میں ہی گرم ہوتی ہے چہ جائیکہ گرمیوں میں) تین دن سے اہل بیت پیغمبر پر پانی بند کیا ہوا ہے۔ شب عاشور تھوڑا پانی خیمہ میں لایا گیا حضرت نے فرمایا: یہ پانی پیو، یہ تمہارا آخری توشہ ہے۔ پانی نہ ہونے کے علاوہ ایک طبیعی قاعدہ ہے کہ جس کے بدن سے خون زیادہ نکلے اور جس کے بدن میں خون کم ہو، تازہ خون کی احتیاج پیاس بڑھاتی ہے۔ خداوند متعال نے بدن کو ایسا بنایا ہے کہ جس وقت کسی چیز کی احتیاج ہوتی یہ وہ احتیاج خود فوراً ظاہر ہوتی ہے۔

وہ افراد جن کے جسم پر زخم لگتا ہے ان پر تشنگی جلدی غالب آتی ہے کیونکہ ان کے جسم سے خون زیادہ نکل گیا ہوتا ہے، جسم خون بنانا چاہتا ہے جس کیلئے پانی کا درکار ہوتا ہے۔ "یحول بینہ وبین السماء العطش" اباعبداللہ اتنے زیادہ پیاسے تھے کہ اپنے اوپر آسمان نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن میں نے مقاتل میں بہت کوشش کی کہ یہ معروف جملہ تلاش کروں جو لوگ کہتے ہیں کہ حسینؑ نے کہا: اسقرنی شربۃ من الماء" (مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو)۔ ہر گز نہیں! حسینؑ ان میں سے نہ تھے کہ پانی طلب کرتے بلکہ حسینؑ جب حملہ کرتے تے کوشش میں تھے کہ خود فرات جا کر پانی اٹھالیں۔ یہ نہیں کہ لوگوں (اشقیاء) سے طلب کریں اباعبداللہ کی تشنگی معمولی بات نہ تھی تاہم امامؑ نے لوگوں سے پانی طلب نہیں کیا۔ عظمت اباعبداللہؑ کوئی اور چیز ہے۔ ہم کوئی اور۔ ہم جو شعار سینہ زنی، نوحہ سرائی میں دیتے ہیں جسے شعار حسینی کہتے ہیں وہ اپنی جگہ بہتر ہے کہ نوحہ خوانی کریں۔ آئمہ نے بھی کہا ہے کہ شعائر حسینی ہو جائیں ان پر گریہ کریں۔ ہم ان تمام شعائر کا دفاع کرتے ہیں لیکن یہ التماس کرتے ہیں کہ ان تمام شعائر کو شعائر حسینی ہونا چاہیئے۔ نہ خودخواہی، من گھڑت، نہ اپنی خود ساختہ ہوں مثلاً نوجوان اکبر من، نوجوان اکبر من" یہ حسینؑ کا شعار نہیں۔ حسینؑ نے اس طرح کا شعار نہیں دیا۔

حسینؑ فرماتے تھے: "الاترون... محقا" کیا حق کی طرف نہیں دیکھ رہے، باطل سے باز نہیں آتے، ایسے حالات میں مومن کو لقاء اللہ کی تمنا کرنی چاہیئے۔ امامؑ نے فرمایا: "انی لااری... الا برما" میں ایسی حالت میں موت کو جز سعادت کچھ نہیں سمجھتا اور زندگی کو جز ہلاکت کچھ نہیں سمجھتا۔ (حسینؑ کا ہر جملہ سزاوار ہے کہ سنہری حروف سے لکھا جائے اور ساری دنیا میں نشر کیا جائے تب بھی کم ہے) یہ کہنا کہ موت کو خوش بختی سمجھتا ہوں اور ظالموں کے درمیان رہنے کو بدبختی اور ہلاکت سمجھتا ہوں۔

مرا عار آید ازیں زندگی کہ سالار باشم کنم بندگی

"مجھے عار ہے یہ زندگی کہ سالار ہوتے ہوئے بندگی کروں۔"

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

امام حسینؑ کا شعار حیات بخش ہے۔ "یا ایھا الذین... یحییکم" ابا عبداللہ ایک مصلح ہیں۔ یہ آپ کے خود کے مستقبل کی تعبیر ہے:

"انی لم اخرج... وابی" "میں طغیان، سرکشی، فساد پھیلانے اور ظلم کرنے کیلئے نہیں بلکہ اپنے جد کی امت کی اصلاح کیلئے نکل رہا ہوں اور اپنے اب وجد کی سیرت پر چل رہا ہوں"۔

حضرت نے یہ جملہ اس خط میں لکھا جو آپؑ نے وصیت نامہ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو لکھا تھا جو کہ معذور تھے، ہاتھ مفلوج تھے۔ حسینؑ کے ساتھ نہیں چل سکتے، ان میں حسینؑ کے رکاب میں رہنے کی قدرت نہیں تھی، امامؑ نے یہ وصیت نامہ ان کے سپرد کیا تا کہ دنیا ان کے نہضت قیام سے آگاہ ہو۔

حسینؑ نے فرمایا: اے دنیا والو! میں دوسروں جیسا نہیں ہوں۔ میرا انقلاب اس لئے نہیں کہ خود کسی امتیاز کو پہنچوں، کوئی مال و دولت ہاتھ آئے۔ آج سے پوری دنیا یہ جان لے کہ (یہ خط مدینہ میں لکھا) میں امت جد کی اصلاح چاہتا ہوں، میں امر بالمعروف نہی عن المنکر چاہتا ہوں، میں سیرت پیغمبرؐ زندہ کرنا چاہتا ہوں، میں سیرت علیؑ زندہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ اطہارؑ نے کیوں اتنی تاکید کی کہ عاشورا زندہ رہے، کیوں عزاداری کیلئے اتنا اجر وثواب بیان کیا۔ آیا یہ اجر وثواب اسی عزاداری کیلئے ہے جس نوعیت کی ہم اپنے ماں، باپ کے مرنے پر کرتے ہیں چونکہ ہمارے مرنے کی کوئی اہمیت نہیں، نہ کوئی فکر، نہ کوئی ہدف ہے۔ آئمہؑ نے اس جہت سے عاشورا زندہ رکھنے کو کہا ہے تا کہ عاشورا سے صرف حسین نہیں بلکہ مکتب زندہ رکھ سکیں، اس مکتب کا نمونہ (ماڈل) حسینؑ ہیں۔ حسینؑ ایک فکر کی صورت زندہ ہیں۔ شخصیت حسینؑ کی ہر سال محرم کا چاند دیکھتے ہی تمام فضا میں یہ آواز سننی چاہیئے:

"الا ترون... محقا"

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے اجتناب نہیں کیا جاتا؟ ان حالات میں ہر مومن کا فرض ہے کہ شہادت کیلئے تیار ہو جائے تا کہ لوگوں میں حق اور حقیقت کے ذریعے حیات یک بارے میں، امر بالمعروف کے بارے میں، نہی عن المنکر کے بارے میں اور اسلامی معاشرے کے مسائل کے بارے میں شعور پیدا ہو جائے۔

اگر ہم سے پوچھا جائے کہ روز عاشورا تم حسینؑ حسینؑ کرتے ہو، اپنے سر پر مارتے ہو۔ بولو! تم کیا چاہتے ہو؟ ہم جلدی سے، آسانی سے کہہ سکیں ہم وہی چاہتے ہیں جو ہمارے آقا چاہتے ہیں، ہم ہر سال اس آیت کے تحت تجدید حیات کرتے ہیں: {یا ایھا... یحییکم} ہم یہ کہہ سکیں کہ عاشورا ہمارے تجدید حیات کا دن ہے، آج کا دن کوثر حسینی کی نہر میں اپنے آپ کو اپنی روح کو دھونے کا دن ہے، اپنے اندر روح اسلام کو پھونکنے کا دن ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، احساس شہادت، احساس جہاد، راہ حق میں فداکاری کو فراموش کر دیں، ہم نہیں چاہتے کہ روح فداکاری ہم میں سے نکل جائے۔ فلسفہ عاشورا یہ نہیں کہ پہلے گناہ کرے پھر حسینؑ کے نام سے بخشش طلب کرے، پہلے گناہ کریں پھر مجلس میں جائیں پھر کہہ دیں کہ ہماری بخشش ہو گئی۔ ہمارے گناہوں کی بخشش اس وقت ہوتی ہے جب ہماری روح کا روح حسینؑ سے وصل ہو جائے۔ گناہوں سے بخشش کی علامت یہ ہے کہ ایک بار

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

گناہ کرنے کے بعد ادھر نہ جائے۔اگر گناہ کرنے کے بعد مجلس میں جائیں اور وہاں سے نکلنے کے بعد دوبارہ گناہ کا ارتکاب کریں تو یہ علامت ہے کہ ہماری روح، روح حسین سے وصل نہیں کر پائی۔شعار حسینؑ شعار اسلام ہے۔

حسینؑ فرماتے ہیں مسلمانوں کے بیت المال کیونکر ایک گروہ سے مختص ہو گیا ہے؟ کیوں حلال خدا حرام اور حرام خدا حلال ہو گیا ہے؟ کیوں وہ لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے... فقیر فقر میں مبتلا ہے، دردمند درد میں مبتال ہے، جو پیٹ بھر کے کھاتا ہے وہ اٹھ نہیں پاتا۔

حسینؑ نے راہ میں حر کے ایک ہزار لشکر سے خطاب یں وہ معروف خطبہ ارشاد فرمایا جس میں پیغمبرؐ کی اس حدیث سے استفادہ کیا کہ پیغمبرؐ نے ایسا فرمایا کہ اگر ایسا زمانہ آجائے اور حالات ایسے ہو جائیں کہ بیت المال مسلمین کے حالت ابتر ہو، حلال خدا حرام اور حرام خدا حلال ہو جائے اور مسلمان اس کو جان لیں اور خاموشی اختیار کر لیں تو خدا پر واجب ہیکہ ایسے مسلمان کو وہاں پہنچادیں جہاں ظالمین کا ٹھکانا ہے، ایسے حالات میں مجھے میری ذمہ داری کا احساس ہے۔''ولاوانی احق من غیر''کہ میں اس منصب کیلیئے دوسروں سے زیادہ سزاوار ہوں...یہ ہے مکتب حسینؑ، یہ ہے روح شعار حسینؑ، یہ ہے شعار عاشورا...

ہماری مجالس، امام بارگاہ، جلوس میں جو شعار بلند ہوتا ہے وہ جاندار ہونا چاہیئے نہ کہ سلانے والا، جان بخشنے والا ہونا چاہئے، نہ کہ بے حس کرنے والا۔اگر بے حس کرنے والا ہے تو ہم کو حسینؑ سے دور کرنے والا ہے۔

یہ آنسو جو حسینؑ کیلیئے بہاتے ہیں اس کا بہت اجر ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ حسینؑ ہمارے دلوں میں ہماری روحوں میں جا گزیں ہوں چنانچہ روایات میں ہے:''ان للحسین...المومنین''، مومنین کے دلوں میں حسینؑ کی محبت چھپی ہوئی ہے ممکن نہیں انسان ایمان رکھے اور حسینؑ سے محبت نہ رکھتا ہو کیونکہ نام حسینؑ ایمان ہے۔

اسی طرح اصحاب حسینؑ کا شعار دیکھیں کہ عجیب ہے۔واقعہ کربلا اس طریقہ سے وجود میں آیا کہ سوچنے والے سوچتے ہیں کہ اس کی ترتیب و تنظیم اور ساخت اس طرح کی گئی ہے کہ کبھی بھلائی جانے والی نہیں۔یہ بھی عجیب ہے کہ اباعبداللہ کبھی اپنا تعارف یوں کراتے ہیں:

انا الحسین بن علی　　الیت ان لا انثی

احمی عیالات ابی　　امضی علی دین النبی (۱)

(۱)۔مقتل مقرم ص ۳۴۵۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

''میں حسینؑ ابن علیؑ ہوں، بخدا میں ہرگز منہ نہ موڑوں گا، اپنے اہل وعیال کی حمایت کروں گا اور دین نبیؐ پر قائم رہوں گا''۔

آپ کا شعار مختلف آہنگ کے ساتھ ہے، کبھی میدان میں تنہا کھڑے ہوئے شعار بلند کرتے ہیں۔ ایک شعار میں فرماتے ہیں جو کہ طولانی وزن کا ہے:

انا بن علی الطھر من آل ھاشم   کفانی بھذا مفخرا حین افخر (۱)

''میں علیؑ کا بیٹا ہوں جو کہ ہاسم کی پاک نسل سے ہیں، میرے لیے یہی فخر کافی ہے کہ میں فرزند علیؑ ہوں''۔

جب امام حملہ آور ہوتے تھے، حملہ کا شعار الگ دیتے تھے جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے مثلاً ''الموت اولی من رکوب العار'' یا وہ شعر قبلاً پڑھے۔

روز عاشورا حسینؑ کی شجاعت اور اطمینان قلبی اس بات کی نشانی ہے کہ حسینؑ ہر چیز فراموش کر چکے تھے چنانچہ دشمن کے راوی حسینؑ کے اس منظر کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا کی قسم کسی شکستہ انسان جس کے اہل بیت، اولاد اور اصحاب سب قتل ہو گئے ہیں اور اس کا دل اتنا مطمئن ہو، خدا کی قسم مجھے تعجب ہے کہ یہ کونسا دل تھا کہ ایک طرف سے سکستہ وہ، اس کے اولاد اصحاب کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہوئے ہوں لیکن اس کا قلب اتنا قوی کہ جس کی نظیر نہیں ملتی ''واللہ... منہ''

روز عاشورا امام حسینؑ نے اپنے لئے ایک مرکز کا انتخاب کیا تھا۔ وہاں جا کر قیام کرتے اور وہیں سے حملہ کریت تھے، واپس اس مقام پر تشریف لے جاتے تھے۔ بطور قطع اور یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور تمام تواریخ نے ثبت کیا ہے کہ کوئی شخص تنہا امام سے جنگ کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا، جو بھی آتا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے۔

یہ صورتحال دیکھ کر پسر سعد نے بآواز بلند چیخ کر کہا: ''ان النفس ابیہ بین جنبیہ'' یا ''ان فنسا ابیۃ بین جنبیہ'' اس کے باپ کی روح اس کی جان میں ہے۔ یہ سمجھ لو کس کے ساتھ جنگ کر رہے ہو، یہ علیؑ کا پسر ہے اس کے قالب میں علیؑ کی روح یہ ایک ایک کر یک اس کے مقابلے میں نہ لڑو۔'' عمر سعد کے اس علان کے بعد تن بہ تن جنگ ہو گئی، نامردوں کی جنگ شروع ہو گئی۔ ہر طرف سے پتھر، تیر کا حملہ شروع

(۱)۔ منتھی آمال ج ا ص ۲۸۲۔

ہو گیا۔ سوچیں تو سہی! تیس ہزار کے لشکر نے ایک آدمی کو قتل کرنے کیلئے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اتنے اجتماع کے باوجود امامؑ ان پر حملہ آور ہوتے تو جیسے گلہ گوسفند بھیڑیئے کو دیکھ کر فرار کرتے ہیں بھگدڑ مچ جاتی۔ امامؑ ان کا زیادہ دور تک پیچھا نہیں کرتے تھے کیونکہ آپؑ نہیں چاہتے تھے کہ خیمہ سے زیادہ دور ہوں۔ غیرت حسینؑ اس کی متحمل نہ تھی کہ جب تک زندہ ہیں خیمہ سے دور ہوں مبادا کوئی اہانت نہ کرے۔ حملہ کر یک دور بھگاتے اور مرکز پر

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

واپس آجاتے تھے۔یہ وہ جگہ تھی جہاں سے خیمہ تک آپؑ کی آواز آسانی سے پہنچتی تھی گرچہ حسینؑ کو اہل بیت دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن آواز سن سکتے تھے۔اس لئے حسینؑ آواز دیتے تھے تاکہ زینب مطمئن ہوں، سکینہ مطمئن ہو تاکہ آپؑ کے بچے مطمئن ہوں کہ حسینؑ ابھی زندہ ہیں۔اسی جگہ آکر قیام کرتے، اپنی خشک زبان وخشک دہن میں حرکت دے کر کہتے: ''لا حول...العظیم'' یہ طاقت حسینؑ کی نہیں بلکہ خدا نے یہ قوت عطا فرمائی یہ جو حسینؑ کو استقامت دیتی ہے۔ایک طرف شعار توحید بلند کرتے تھے دوسری طرف زینبؑ کو خبر دیتے تھے کہ زینب جان! حسینؑ ابھی زندہ ہے، اپنے خاندان کو یہ دستور دیتے تھے کہ جب تک میں زندہ ہوں خیمہ سے باہر نہ آنا۔امام حسینؑ دو دفعہ وداع کیلئے آئے...ایک دفعہ وداع کر کے گئے۔دوسری دفعہ اس طریقہ سے آئے کہ آپؑ نہر فرات کی طرف گئے، خود کو فرات تک پہنچایا تو کسی نے آواز دی: حسینؑ! آپؑ پانی پینا چاہتے ہیں؟ سب نے خیمہ کی طرف ہجوم کیا ہے۔یہ سن کر حسینؑ فرات سے پلٹے اور دوسری دفعہ خیمہ میں گئے ''ثم ودع اھل بیتہ ثانیا'' اور اہل بیتؑ سے دوسری دفعہ وداع کیا۔یہاں ایک نورانی جملہ کہتے ہیں:

میرے اہل بیت! مطمئن رہو۔میرے بعد اسی رہ جاؤ گے لیکن کوشش کرنا کہ اسارت میں اپنے وظیفہ سے ذرہ برابر کوتاہی نہ کرنا۔اپنی زبان سے ایک کلمہ بھی جاری نہ کرنا جو آپ کے اجر کو کم کرے۔مطمئن رکھنا، دشمن کا یہ کام آخر ختم ہو کر رہے گا۔دسم کا یہی کام، یہی عمل اسے ذلیل کرے گا۔'' واعلموا ان اللہ منجیکم'' خدا آپ کو نجات دے گا، اپنے حفظ میں رکھے گا۔یہ بہت بڑا جملہ حسینؑ نے فرمایا کہ آپ لوگ اسیر ہوں گے لیکن آپ ذلیل وحقیر نہ ہوں گے یعنی اسارت آپ کیلئے ذلت نہیں عزت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوفہ میں جب لوگوں نے اسیروں کو صدقہ دیا تو جناب زینبؑ نے صدقہ لینے سے روکا، کبھی خواری یا ذلت برداشت نہیں کی۔یعنی شیر اگر زنجیر میں بندھا تو بھی شیر ہے۔لومڑی اگر آزاد ہے پھر بھی لومڑی ہے۔اس دفعہ جب امام تشریف لائے تو اہل بیت خوشحال ہوگئے۔حسینؑ نے خدا حافظ کہا۔خیمہ سے باہر آئے۔اباعبداللہؑ کے حکم کے بعد اہل بیت باہر نہیں نکلے۔

کچھ دیر بعد حسینؑ کی سواری کی صدائے شیہہ سنی تو اہل بیتؑ سمجھے کہ امامؑ تیسری بار رخصت کو آئے ہیں (گریہ استاد) لیکن جب باہر آئے تو دیکھا کہ سواری بغیر حسینؑ آئی ہے (استاد کا گریۂ شدید)۔سب نے اس سواری کے گرد حلقہ بنایا، ہر ایک نے سواری سے مخاطب ہو کر کہا۔ایک نے کہا: اے ذوالجناح! ''ھل سقی ابی او قتل عطشانا؟'' آیا میرے بابا کو پانی پلایا یا پیاسا شہید کیا؟ یعنی میرا باپ پیاسا گیا تھا آیا ایک گھونٹ پانی دیا یا پیاسا شہید کیا؟ (گریۂ استاد)

یہاں ایک منظر پیش کروں جو قلب امام زمانؑ میں آگ لگا دیتی ہے۔آپؑ نے فرمایا: ''واسرع فرسک...لاطمات) ''ا(

(آپ کی سواری دوڑتے ہوئی، آواز نکالتے ہوئے خیمہ کی طرف آئی۔جب اہل حرم نے اس گھوڑے کی زین کو الٹا دیکھا تو خیمہ سے منہ پر طمانچے مارتے ہوئے اہل بیت نکلے) امام زمان فرماتے ہیں: ''اے جد بزرگوار! آپ یک اہل بیت آپ کے حکم کے مطابق خیمہ سے نہیں نکلے، جب آپ کی سواری کو بے صاحب دیکھا تو پریشان سب آپ کے مقتل کی طرف دوڑے۔(استاد بزرگوار چند لحہ اس مصیبت عظمیٰ پر رونے کے بعد ان دعائی فقرات کو پڑھ اور اپنی زبان میں بھی دعا کی)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لاحول ولا... باسمک... والمعرفۃ

خداوند......!

ہمیں صحیح معنوں میں حسینی بنادے، ہمیں روح نہضت حسینی سے آشنا فرما، اس نور کی کرن سے ہمارے دلوں کو تابانی بخش، حسینی روح سے ہمیں زندہ رکھ، اپنی معرفت سے ہمارے دلوں کو روشن کر، ہمارے دلوں کو اپنی محبت کا مرکز بنادے، ہمارے دلوں کو دامن علی اور اولاد علی سے کوتاہ نہ کر، قلب مقدس امام زمان کو ہم سب سے راضی فرما......

وعجل فی فرج ولانا صاحب الزمان

ا۔ بحار الانوار ج ۱۰۱ ص ۲۴۰۔

باب ششم

عاشور کے سانحے کا تجزیہ

الحمد للہ... المعصومین

عاشور کا حادثہ اس دنیا کے بہت سے حقائق کی طرح ہے جو اپنے زمانے میں صحیح طور پر پہچان میں نہیں آتے بلکہ فلاسفہ تاریخ تو اس حد تک دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی تاریخی حادثہ کا بھی صحیح صحیح اندازہ خود اس کے زمانے میں نہیں ہو پاتا۔ حادثہ کے رونما ہونے کے بعد جب کافی وقت گزر جائے اور اس سے متعلق تمام رد عمل اور واقعات سامنے آجائیں تب وہ حادثہ بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی بات شخصیتوں کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ بڑی بڑی شخصیتیں غالباً اپنے زمانے میں اپنی ہستی کے شایان شان بلندی نہیں پاتیں۔ ان کے موت کے بعد رفتہ رفتہ ان کی شناخت بہتر طور پر ہوتی یہ، وہ اپنی موت کے دسیوں سال بعد رفتہ رفتہ شناخت پاتے ہیں اور عموماً یوں ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے زمانے میں بہت نمایاں ہوتے ہیں وہ ان کی موت کے بعد فراموش کر دیئے جاتے ہیں اور بہت سے لوگ جو اپنے زمانے میں اتنے نمایاں نہیں ہوتے لیکن ان کے مرنے کے بعد بتدریج ان کی شخصیت وسعت پیدا کرتی ہے اور بہتر طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

اگر ہم دو عالموں پر نظر کریں جو ایک ہی وقت میں زندگی گزار رہے ہیں چاہے ان میں سے ایک کی علمی شہرت دوسرے بزرگ کی شہرت کا دسواں حصہ ہی ہو، بعد میں تاریخ سے روشن ہوتا ہے کہ یہی جو دوسرے بزرگ سے چھوٹے نظر آتے تھے سے بڑے عالم ہیں، ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ ہم خود حضرت علیؑ کی مثال لیں اور خود انہی کی زبان ہے۔

حضرت نے ضربت کھانے اور شہادت پانے کے درمیان زندگی کے آخری چوالیس پینتالیس گھنٹے کے عرصے میں جو کلمات فرمائے ہیں نہج البلاغہ میں ان میں سے دو تین جملے ایسے موجود ہیں جن کا مطلب بہت عجیب ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''غداً تعرفوننی... رائری'' تمہیں کل میری سناکت ہوگی یعنی تم نے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مجھے آج نہیں پہچانا، میرے زمانے نے مجھے آج نہیں پہچانا، وہ مجھے آئندہ پہچانے گا'' وبکشف لکم سرائری''، جن چھپی ہوئی باتوں کو جن بھیدوں کو آج آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اس خزانے کی طرح جو زمین میں دفن ہے، میری ہستی کی مخفی باتیں تمہیں کل معلوم ہوں گی اور یہی ہوا۔ لوگوں نے حضرت علیؑ کو ان کے زمانے کے بعد ان کے زمانے سے بہتر طور پر پہچانا۔ حضرت علیؑ کو ان کے زمانے میں کس نے پہچانا؟ بہت تھوڑے سے آدمیوں نے۔ ان لوگوں کی تعداد جو حضرت علیؑ کو ان کے زمانے میں واقعی پہنچاتے تھے شاید انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اپنے کلمات کے متعلق جو حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا یہ تھا (دیکھئے کتنی بڑی باتیں ہیں!) ''نضر (نصر) اللہ عبدا... منہ'' خدا اس کا چہرہ مبارک کرے (خدا اس کا دوست ہو) جو میری بات سنے اور یاد کرے اور لکھ لے اور نالو گوں تک جنہوں نے میری بات نہیں سنی ہے، ان لوگوں تک جو میرے زمانے میں ہیں لیکن یہاں موجود نہیں ہیں یا ان لوگوں تک جو میرے بعد آئیں گے پہنچائے یعنی تم جو میری بات سن رہے ہو یاد رکھو اور دوسروں تک پہنچاؤ! ''فرب حامل فقہ غیر فقیہ'' بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس حکمت اور حقیقت ہے حالانکہ وہ خود اس حقیقت کے اہل نہیں ہیں یعنی اس حقیقت کی گہرائی اور معنی نہیں سمجھتے ہیں'' ورب... منہ'' اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو فقہ کو، حکوم تکو، حقیقت کو اٹھائے پھرتے ہیں، اس کی حفاظت کرتے ہیں اور بعد میں ان لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ دانا ہوتے ہیں۔

اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ تم انہیں حفظ کرو اور دسروں تک پہنچاؤ! تم میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو میری بات کا عمق درک نہیں کرتے لیکن دوسرا سنتا ہے، سمجھلیتا ہے۔ تم تو صرف نقل کرنے والے ہو، نقل کرتے ہو اور پھر تم میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ سمجھتے ہیں لیکن وہ شخص جس سے تم بعد میں نقل کروگے ہو سکتا ہے تم سے بہت رسمجھے گا۔ مطلب یہ ہے کہ میری باتیں آئندہ نسلوں تک پہنچانا جو میری باتوں کو تم سے بہتر سمجھیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: آئندہ نسل مجھے بہتر طور پر پہچانے گی۔ پیغمبرؐ نے بھی فرمایا کہ آنے والے زمانے میں لوگ موجود لوگوں سے بہتر طور پر میری باتوں کو درک کریں گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کی قدر و قیمت اس کے زمانے میں جسی درک کرنی چاہئے نہیں کی جاتی، زمانہ گزر جائے پھر آنے والے رفتہ رفتہ ایک شخص، کتاب یا کسی شخص کی بات یا کسی کے عمل کی قدر و قیمت بہتر طور پر سمجھ لیتے ہیں۔

اقبال کا ایک شعر ہے... گویا مولا علیؑ کے جملے کا ترجمہ ہے، حضرتؑ فرماتے ہیں: ''عدا تعرفونی''، تم مجھے کل پہنچانو گے اس جملہ کو آپؑ نے اس دن فرماتے ہیں جس دن آپؑ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، تم میری موت کے بعد مجھے پہچانو گے۔ اقبال کہتا ہے۔:

اے بسا شعر کہ بعد از مرگ زاد

شاعر سے مراد ہر وہ آدمی نہیں یہ جو چند کلمات کہہ دیتا ہے بلکہ اس سے مراد وہ شاعر ہے جو کوئی پیام رکھتا ہے جیسے خود اقبال جو ایسا شاعر ہے کہ فکر رکھتا ہے، سوچ رکھتا ہے، پیام رکھتا ہے یا مولوی اور حافظ ایسے شاعر ہیں اور پیام رکھتے ہیں اگرچہ ان میں سے بعض کا پیام پانچ سو سال کے بعد بھی لوگ اب تک صحیح نہیں سمجھ پا رہے ہیں جیسے حافظ جس کا مطلب اب بھی لوگ لکھتے ہیں تو ادھر ادھر کی ہزار قسم کی باتیں لکھتے ہیں لیکن وہ پیام جو حافظ جس کا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مطلب اب بھی لوگ لکھتے ہیں تو ادھر ادھر کی ہزار قسم کی باتیں لکھتے ہیں لیکن وہ پیام جو حافظ دیتا ہے ہاتھ نہیں آتا "اے بسا شار کہ بعد از مرگ زاد" بتہ سے مفکر مرنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں یعنی اس قسم کے لوگ ابھی اس کے اپنے زمانے میں پیدا نہیں ہوئے ہیں۔

جبران خلیل جبران عربی زبان کا اعلیٰ درجے کا مصنف ہے لیکن وہ عیسائی عرب ہے جو لبنان میں پیدا ہوا ہے اور اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت امریکہ میں ہوئی ہے۔ وہ عربی اور انگریزی لکھتا ہے اور مصور بھی ہے۔ وہ خاص طور پر عربی کا درجہ اول کا شیریں قلم مصنف ہے حالانکہ عیسائی ہے، حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے چاہنے والوں میں سے ہے۔ عیسائی عربوں میں حضرت علیؑ کے عاشق کئی افراد ہیں۔ ایک میکائیل نعیمہ ہے، ایک اور جارج جرداق ہے جس نے چند سال پہلے ایک کتاب علی ابن ابی طالبؑ "صوت العدالۃ الانسانیۃ" کے نام سے لکھی ہے جو پہلے پہل ایک جلد میں تھی پھر خود اسی نے اسے تفصیل دی اور وہ پانچ چھ جلدوں میں چھپی۔ یہ بہترین کتاب ہے جو جناب امیرؑ کے متعلق لکھی گئی ہے۔

جبران خلیل کہتا ہے میں نہیں جانتا کہ کیا راز ہے کہ کچھ لوگ اپنے وقت سے پہلے پیدا ہو جاتے ہیں اور حضرت علیؑ اپنے زمانے کیلئے بہت زیادہ تھے، وہ زمانہ حضرت علیؑ کا زمانہ نہیں تھا لیکن بہتر حقیقت وہی ہے جو خود حضرت علیؑ نے بیان فرمائی ہے کہ در حقیقت اس قسم کے لوگ جس زمانے میں بھی پیدا ہوں ہوتے یعنی اتنے بڑے ہیں کہ ان کا زمانہ جو بھی زمانہ ہو گنجائش ہی نہیں رکھتا کہ انہیں پہچان سکے یا پہچان کروا سکے ان کا مزید تعارف کروا سکے۔ جب مدتیں گزر جاتی ہیں تب وہ اپنی موت کے بعد دوبارہ دریافت ہوتے اور پہچانے جاتے ہیں، آج کل کے الفاظ میں ان کی نئی ولادتی ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس موضوع سے متعلق مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ انسانوں کے تمام طبقوں میں یہی صورتحال ہے۔ یہی حافظ جس کی مثال میں نے پیش کی کیا اپنے زمانے میں یہی شہرت رکھتا تھا جو آج ہمارے زمانے میں رکھتا ہے؟ نہیں! اس کے زمانے یں تو کسی نے اس کا دیوان بھی جمع نہیں کیا تھا۔ اسے خود بھی چونکہ دل میں عرفانی روح رکھتے تھے اپنے صوفیانہ خیالات کی خاطر لوگ اس سے کہتے بھی رہتے تھے، اپنا دیوان جمع کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

حافظ ایک عالم شخص ہے یعنی پہلے عالم ہے پھر شاعر اور یہی اس میں سعدی یا فردوسی میں فرق ہے۔

یہ لوگ شاعر ہیں اور انہوں نے تیس چالیس ہزار بیت کہے ہیں، ان کا کام شاعری تھا۔ حافظ کا کام شاعری نہیں تھا وہ ایک مرد عالم، مدرس اور محقق تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے جس دوست نے اس کا دیوان جمع کیا ان خاص خاص کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے جو وہ پڑھا کرتا تھا۔ وہ قرآن کا مفسر اور حافظ تھا، اس نے قرآن کی تفسیر بیان کی ہے، یہ اس کا کام تھا... وہ خود بھی ایک مقام پر کہتا ہے:

ز حافظان جہان کس چو بندہ جمع نکرد

لطائف حکمی با نکات قرآنی

دوسری جگہ کہتا ہے:

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ

بہ قرآنی کہ اندر سینہ داری

ایک اور مقام پر کہتا ہے:

عشقت رسد بہ فریاد گر خود بہ سان حافظ

قرآن زہر بخوانی با چاردہ روایت

یعنی نہ صرف قرآن سے واقف تھا اور اسے حفظ کیا تھا بلکہ اسے ساتوں قسم کی قراتوں سے پڑھتا تھا اور اس طرح حفظ کر چکا تھا کہ اس آیت کی بندے نے یوں قرأت کی ہے اور لوگوں نے اس طرح قرأت کی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ملا صدرائے شیرازی جو آج نئے سرے سے پہنچانے جا رہے ہیں جبکہ ان کی موت کو تقریباً تین سو پچاس سال گزر چکے ہیں (ان کی وفات ۱۰۵۰ سنہ ہجری میں ہوئی تھی)(۱) ان کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد تک ان کی کتابیں ع لمی اداروں میں نہیں پڑھائی جاتی تھیں، ان کے صرف تھوڑے سے شاگرد تھے۔ رفتہ رفتہ جو حکماء ان کے بعد آتے رہے انہوں نے ان کے خیالات کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا اور پھر

)۱(۔ جبکہ اب اس سے زیادہ برس ہو چکے ہیں۔

ان کے خیالات بتدریج بو علی جیسوں کے خیالات و افکار کو پیچھے چھوڑ گئے۔

مغربی دنیا بھی ابھی نئی نئی اس شخص کے خیالات سے آشنا ہو رہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بڑے آدمی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے دور میں کوئی ایسی لہر یا ایسا ہنگامہ پیدا نہیں کرتے جو ان کے شایان شان ہو لیکن آنے والے زمانوں میں دھیرے دھیرے اس خزانے کی طرح باہر آتے اور پہچانے جاتے ہیں جو زمین سے کھود کر نکالا جاتا ہے۔

دوری مثال سید جمال الدین اسد آبادی کی ہے جن کے بارے میں دنیا میں کم سے کم فی ہفتہ ایک مقالہ لکھا جاتا ہے، مسلمان ممالک میں بھی ان پر فخر کرتے ہیں۔ ایرانی کہتے ہیں سید جمال ہمارے ہیں، افغانی کہتے ہیں ہمارے ہیں، ترک کہتے ہیں ہمارے ہیں کیونکہ ان کا انتقال ترکی میں وہا ہے۔ آخر کار افغانی کامیاب ہو گیء وہ گئے اور ترکی سے سی د جمال کی ہڈیاں افغانستان میں لے آئے حالانکہ سید جمال اپنے آپ کو نہ ایران سے مخصوص کرتے تھے، نہ افغانستان سے، نہ ترکی سے، نہ عرب سے (البتہ بظاہر وہ ایرانی تھے) نہ مصر سے اور نہ کسی اور مقام ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مصر فخر کرتے ہیں کہ ہاں سید جمال ہمارے ملک میں آئے تھے اور لوگوں نے ان کی قدر شناسی کی تھی، یہیں محمد عبدہ جیسے علماء ان کی طرف مائل ہوتے تھے اور یہی مقام تھا جہاں وہ ایک سیاسی جماعت کی تشکیل کر سکے اور دراصل سید جمال کو بلندی اور اوج یہیں نصیب ہوا، اس لئے ہم دوسروں کے مقابلے میں سید جمال سے زیادہ قریب ہیں لیکن وہ اپنے زمانے میں جہاں جہاں جاتے تھے لوگ انہیں مسترد کر دیتے تھے۔ خود ہمارے ایران میں جب وہ آئے تھے تو انہیں کس بری حالت سے نکالا گیا تھا۔ وہ مدتوں حضرت عبدالعظیم میں پناہ گزیں رہے۔ جاڑوں کی سخت سردی میں جب بہت زیادہ برف باری ہو رہی تھی لوگ دوڑ پڑے اور انہوں نے انہیں پناہ گاہ سے نکال باہر کیا خچر پر بٹھا دیا۔ اپنے دادا امام زین العابدینؑ کی طرح ان کے پاؤں خچر کے پیٹ سے باندھ دیئے اور اس سخت ٹھنڈی ہوا میں انہیں مغربی ایران (ہمدان اور کرمانشاہ) کے راستے سے ملک سے نکال دیا۔ کسی ایک آدمی نے بھی تو کچھ نہیں کہا۔ اب ہر شخص فخر کرتا ہے کہ میں نے سید جمال کے بارے میں ایک مقالہ پڑھا ہے۔ سید جمال کو ان ان کے زمانے میں نہیں پہچانا گیا۔

البتہ مصر میں کچھ دانشوران کے گرد جمع ہو گئتے تھے لیکن انہیں انگریزوں نے ملک بدر کر دیا، وہ مدتوں ہندوستان اور نجف میں رہے۔ اس شخص کی علمی زندگی کے ابتدائی چار سال دراصل نجف میں گزرے ہیں، سید جمال کی تعلیم اسلامی تعلیم ہے (اور اس کی یہی اہمیت ہے) یعنی ان کی اعلیٰ تعلیمات اسلام کی اعلیٰ تعلیمات ہیں۔ نجف میں وہ استاد الفقہا شیخ مرتضیٰ انصاری کے درس میں شریک رہے جو زہد، تقویٰ، علم، اور تحقیق میں غیر معمولی آدمی تھے اور انہوں مین اخلاق، فلسفہ اور عرفان ایک اور بزرگ آخوند ملا حسین قلی ہمدانی سے پڑھا ہے۔ وہ اصل میں اس دائرے کو جو اس وقت سلطنت عثمانی سے تعلق رکھتا تھا برداشت نہیں کر پاتے تھے اس لئے ان کے استاد ان سے کہتے تھے کہ بہتر یہ ہے کہ تم ہجرت کر جاؤ اور تم جو نظریات رکھتے ہو ان کو پروان چڑھاؤ۔

اب جو ہم غور کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی دنیا میں جو پے در پے تحریکیں پیدا ہوئیں وہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ (اس بات کے بعض حصے ابھی ٹھیک ٹھیک مکمل نہیں ہو پائے ہیں) یعنی انہوں نے جو تخم لگائے تھے ان میں سے ایک بھی ان کے زمانے میں بار آور نہیں ہوا البتہ ان کے مرنے کے بعد سبھی میں پھل آ گئے۔ ان کیبعد جو تحریکیں مصر میں چلیں، جو تحریکیں ہندوستان میں چلیں، ایران میں مشروطیت کی تحریک بلکہ تمباکو کی تحریک بھی انہیں کی کوششوں کے ثمر ہیں۔ ان کے حالات میں جو باتیں نہیں لکھی گئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عراق کی آزادی کی تحریک جو مشروطیت کے عہد شروع ہئی تھی انہیں کی مرہون منت ہے۔ جب ہم تاریخ سے پردہ اٹھاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے جو لوگ اس تحریک کی رہبری کرتے رہے ہیں وہ سید جمال کے دوست تھے یہی وجہ ہے جو ہم کہتے ہیں کہ بہت بڑے آدمی اپنے زمانے میں چاہے جتنے بھی پہچانے جائیں پہچانے نہیں جاتے بعد کے زمانوں میں بہت رطور پر ان کی شناخت ہوتی ہے اور ان کی قدر و قیمت کا بہتر اندازہ لگایا جاتا ہے۔

حادثات اور واقعات کا بھی یہی طور ہے۔ حادثات اور واقعات کے حدود کی ان کے زمانے میں صحیح صحیح تشخیص نہیں ہو پاتی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک حادثہ چھوٹا معلوم ہوتا ہیلیکن کچھ مدت کے بعد رفتہ رفتہ اس حادثے کی وسعت گہرائی' تہہ' عظمت اور اہمیت کی بہتر طور پر شناخت ہوتی ہے۔ عاشور کا حادثہ بھی ایسا ہی حادثہ ہے اس لحاظ سے کہ ایک شخص مر جاتا ہے اور اپنے مرنے کے عبد پہچانا جاتا ہے یا اس کا اثر پیدا ہوتا ہے، برسوں کے بعد اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو پاتا ہے۔ کوئی سماجی حادثہ بھی رونما ہوتا ہے بعد میں اس کی اصلی اصلیت کا پتہ لگتا ہے اور اس کی قدر و قیمت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ بعض

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حادثات پر ہزار سال گزرنے کی ضرورت ہوتی ہے تب جا کر ان کی صحیح صحیح اور اصلی و واقعی ماہیت پہچان میں آتی ہے۔ عاشور کا حادثہ اسی قسم کے حادثات میں سے ہے۔

امام حسینؑ نے ایک جملہ فرمایا ہے۔ اگرچہ میں نے یہ جملہ خود اکثر دہرایا ہے لیکن اس کے معنی اور گہرائی پر میں نے بہت غور نہیں کیا تھا۔ یہ جملہ اس مشہور وصیت نامے میں موجود ہے جو امام حسینؑ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو لکھے ہیں۔ جناب محمد بن حنفیہ بیمار تھے، ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا اس لئے جہاد میں شرکت سے معذور تھے۔ بظاہر جس وقت امام مدینہ سے نکلنا چاہتے تھے اس وقت آپؑ نے یہ وصیت نامہ لکھا تھا اور محمد ابن حنفیہ کو دے دیا تھا البتہ یہ وصیت نامہ ان معنوں میں وصیت نامہ نہیں ہے جن میں ہم کہتے ہیں بلکہ سفارش نامہ کے معنوں میں ہے۔ ان معنوں میں ہے کہ آپؑ کا طور طریق بتاتا ہے کہ آپؑ کی روانگی اور قیام کیا ہے اور ان کا ہدف کیا ہے، ابتدا میں آپؑ نے فرمایا ہے: ''انی لم... امة جدی'' آپؑ نے ان اتہامات کی تردید کی جو آپ جانتے تھے کہ بعد میں ان پر لگائے جائیں گے۔ لوگ کہیں گے کہ حسینؑ کا دل مقام و منصب چاہتا تھا، ان کا دل دنیا کی نعمتیں چاہتا تھا، حسینؑ ایک فسادی اور تخریب کار انسان تھے، حسینؑ ایک ظالم شخص تھے۔ دنیا جان لے کہ حسینؑ کا مقصد امت کی درستی کے سوا اور کچھ نہیں تھا، میں ایک اصلاح کرنے والا ہوں۔ پھر فرمایا: ''ارید... وابی میرا ہدف ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور دوسرا یہ کہ میں چاہتا ہوں اپنے نانا اور والد کی سیرت کو اپنی سیرت بنائوں۔ اس دوسرے جملے کی زیادہ تشریح ہونا چاہئے، اس تاریخ میں اس جملے کا خاص مفہوم رہا ہے۔ امام حسینؑ نے یہ فرمانے کے بعد میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں یہ جملہ کیوں بڑھایا کہ میں اپنے نانا اور والد کی سیرت کے مطابق سیر کرنا چاہتا ہوں؟ ممکن ہے کوئی کہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہہ دینا ہی کافی تھا۔ کیا نانا اور والد کی سیرت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے الگ کوئی چیز تھی؟ جواب یہ ہے کہ اتفاق سے... ہاں! میں پہلے ایک تاریخ کی طرف اشارہ کرتا ہوں بعد میں اس بات کی تشریح کروں گا۔

ہم جانتے ہیں کہ جس وقت حضرت عمر کو ضربت لگی اور خود یہ احساس کر لیا کہ جانے کا وقت آ پہنچا ہے تو اپنے بعد کیلئے حقیقت میں ایک بدعت کی داغ بیل ڈال دی یعنی ایسا کام کیا جو نہ پیغمبرؐ نے کیا تھا نہ حضرت ابو بکر نے، نہ ہم شیعوں کے عقیدے کے مطابق جس پر اہل تسنن کی مستند کتابیں بھی گواہ ہیں (اب جو عملاً نہیں مانتے تو بات دوسری ہے) خلافت کو ایک معین شخص یعنی حضرت علیؑ کیلئے چھوڑا جن کا پیغمبر خداؐ نے اپنے زمانے میں تعارف کرا دیا اور تعین کر دیا تھا اور نہ اس کے مطابق ہی عمل کیا جو آج اہل تسنن کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے کسی کو مقرر نہیں کیا تھا بلکہ امت خود ہی کسی کا انتخاب کر لے اور پیغمبرؐ نے یہ کام امت کے انتخاب اور امت کے مشورے کیلئے چھوڑ دیا تھا اور یوں نہ حضرت عمر نے وہ کام کیا جو حضرت ابو بکر نے کیا تھا اس لئے کہ جس وقت حضرت ابو بکر مرنے والے تھے تو انہوں نے اپنے بعد کیلئے ایک شخص کا تعین کر دیا جو خود حضرت عمر تھے۔

حضرت ابو بکر کا کام نہ شیعوں کے عقیدے کے مطابق ہے نہ اہل تسنن کے عقیدے کے مطابق۔ حضرت عمر کا کام نہ شیعوں کے عقیدے سے مطابقت رکھتا ہے نہ اہل تسنن کے عقیدے سے اور نہ حضرت ابو بکر کے کام سے میل کھاتا ہے۔ انہوں نے ایک نیا ہی کام کر ڈالا اور وہ یہ تھا کہ درجہ اول کے صحابہ میں سے چھ شخصوں پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ نامزد کر دی لیکن یہ شوریٰ ڈیموکریسی (جمہوریہ) کی صورت کی نہیں بلکہ اریسٹوکریسی (اشرافیہ) کی طرح کی تھی، جس کے اشراف کو بھی میں خود ہی نامزد کرتا ہوں، حضرت علیؑ (چونکہ حضرت علیؑ نہیں ہو سکتے تھے اس لئے انہیں ایک طرف ہٹا دیا)، عثمان،

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص اور عبد الرحمن بن عوف۔ اس وقت پیغمبرؐ کے صحابہ میں ان سے بڑی شخصیت کے لوگ نہیں تھے، بعد میں خود کہا اس شوریٰ کے ارکان کی تعداد جفت ہے۔ (عموماً آپ دیکھتے ہیں کہ شوریٰ کے ارکان کی تعداد طاق رکھتے ہیں تا کہ رائے شماری یک وقت جس طرف کی تعداد میں نصف تعداد سے ایک زیادہ ہو وہ جیت جائے) اگر تین اشخاص ایک رائے پر قائم ہو جائیں اور تین دوسری پر تو جس طرف حضرت عثمان ہوں وہ جماعت جیتنے والے ہو گی۔ خوب! اگر شوریٰ ہی یہ تو پھر لوگوں کا فرض کیوں مقرر کرتے ہو؟ مجلس شوریٰ اس طریقے سے ترتیب دی گئی تھی کہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ آخر کار خلافت حضرت عثمان کو مل جائے گی کیونکہ حضرت علیؑ کی قطعی طور پر ایک کے سوا تین رائیں نہیں تھیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ حضرت علیؑ کے ساتھ تین اشخاص ہو جائیں جن میں یقیناً حضرت عثمان شامل نہیں ہوں گے کیونکہ عثمان ان کے رقیب اور حریف تھے۔ پس عثمان یقینی طور پر جیتنے والے ہیں۔ اس وقت حضرت عمر کے خیال میں حضرت علیؑ کے ساتھ یاد و نفر تھے۔ یعنی خود زبیر (کیونکہ زبیر اس وقت حضرت علیؑ کے ساتھ تھے) یا اگر عبد الرحمنبن عوف حضرت علیؑ کا ساتھ دیتے تو حضرت علیؑ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تین آدمی ہو جاتے، یہی وجہ ہے جو حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: ''فصغی ... لصهره'' (نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ) فلاں شخص اس دشمنی کے باعث جو وہ مجھ سے رکھتا تھا حق سے پھر گیا اور فلاں دوسرے شخص نے اپنی نسل، رشتہ داری اور ازدواجی تعلق کی وجہ سے اپنی رائے اس طرف دی، خود حضرت عمر بھی یہ باتیں پہلے سے دیکھ رہے تھے۔ بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ زبیر نے کہا میں نے اپنے رائے حضرت علیؑ کو دی۔ طلحہ نے کہا میں نے اپنی رائے حضرت عثمان کو دی، سعد بھی ایک طرف ہٹ گیا، اب بات عبد الرحمن بن عوف کے ہاتھ آ گئی۔ وہ جس طرف رائے دیتا تھا وہی منتخب ہوا جاتا تھا، عبد الرحمن اپنے آپ کو غیر جانبدار رکھنا چاہتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا تھا یہ لوگ تین دن تک ایک کمرے میں بند رہیں اور بیٹھے رہیں اور ایک بات پر اتفاق کریں۔

نماز اور حوائج ضروری کے علاوہ اور کسی وجہ سے باہر نہ آئیں (یہ بھی ایک فریب تھا جو حضرت عمر نے کیا) پھر کچھ ہتھیار بند لوگ بھیجو کہ اگر یہ کوئی فیصلہ نہ کریں تو تمہیں ان کے مار ڈالنے کا حق ہے۔ نہایت عجیب بات ہے! یہ لوگ تین دن کے بعد باہر آئے۔ سب لوگ منتظر ہیں کہ دیکھیں کیا نتیجہ نکلا، بنی امیہ حضرت عثمان کی طرف تھے اور بنی ہاشم اور پیغمبرؐ کے نیک صحابی جیسے جناب ابوذرؓ اور جناب عمارؓ حضرت علیؑ کے طرفدار تھے۔ ان لوگوں نے شور غل مچایا تا کہ حضرت علیؑ کے حق میں طے ہو جائے لیکن حضرت اس سے قبل خود ہی خاص طور پر لوگوں سے کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں اس بات کا انجام کیا ہے لیکن میں اپنے آپ کو الگ نہیں کر سکتا اور نہ میں خود کنارہ کشی کروں گا جس سے لوگ یہ کہیں کہ وہ خود نہیں چاہتے تھے، اگر وہ آ جاتے تو سبھی میں یقیناً اتفاق رائے ہو جاتا۔

عبد الرحمن پہلے حضرت علیؑ کے پاس آیا اور بولا: اے علی! کیا تم میری بیعت کرنے کو آمادہ ہو اس شرط پر کہ خلافت کا عہدہ قبول کرو اور کتاب خدا (قرآن)، سنت پیغمبرؐ اور سیرت شیخین پر عمل کرو؟ یعنی کتاب اللہ اور سنت کے علاوہ ایک بات کا اور اضافہ ہو گیا، سیرۃ یعنی روش شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر)، تمہاری حکومت اور رہبری کی روش ہو۔ دیکھئے حضرت علیؑ کس طرح یہاں تاریخ کے دوراہے پر کھڑے ہیں۔ اس وقت ہر شخص از خود حضرت علیؑ سے کہتا ہے، یہ خلافت لے لینے کا وقت ہے، تاریخ کا دوراہا ہے یا خلافت بنی امیہ لے لیں یا تم لے لو مصلحت آمیز جھوٹ بول دو لیکن حضرت علیؑ نے کہا میں یہ بات ماننے کو تیار ہوں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر اور اس طریقے پر جو میں نے خود منتخب کیا ہے، عمل کروں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

عبدالرحمن بن عوف حضرت عثمان کے پاس گیااور وہی سوال دہرایا۔

حضرت عثمان نے کہامیں تیار ہوں جبکہ انہوں نے نہ کتاب اللہ پر عمل کیا، نہ سنت رسول اللہ پر اور نہ شیخین کے سیرت پر، یہ بات تین بار دہرائی گئی۔ عبدالرحمن جانتا تھاکہ حضرت علیؑ اپنی بات سے نہیں پھریں گے اور نہ اس وقت شیخین کی رہبری کے طریقے کی تائید کر کے پھر اپنا کہا ہوا واپس لیں گے۔ اس صورت میں حضرت علیؑ نے اپنے آپ کو خلافت پر قربان کر دیا تھا۔تینوں بار حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ کتاب اللہ، سنت رسولؐ اللہ اور اس طریقے پر جو میں نے منتخب کیا ہے اور اپنے اجتہاد پر عمل کروں گا۔ عبدالرحمن نے کہا: تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ تم ان دونوں شخصوں کے طریقے پر عمل کرنا نہیں چاہتے، تم خارج ہوگئے۔اس نے حضرت عثمان سے بیعت کرلی۔اس طرح حضرت عثمان خلیفہ ہوگئے لیکن انہی حضرت عثمان نے نہ صرف جناب عمارؓ اور جناب ابوذرؓ جیسے صحابہ کو قید میں ڈالا، دیسے نکال دیا، کوڑے لگوائے اور جناب عمارؓ کو اس قدر مارا کہ اس نیک شخص کو فتق کی بیماری پیدا ہوگئی بلکہ جب عنان حکومت سنبھال لی تو رفتہ رفتہ عبدالرحمن سے بھی بے اعتنائی کرنے لگے اس حد تک عبدالرحمن اپنی عمر کے آخری پانچ چھ سال میں حضرت عثمان سے سخت ناراض ہوگیا تھا اور کہتا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو حضرت عثمان میرے جنازے کی نماز میں شریک نہ ہو۔

ممکن ہے آپ یہ کہیں کہ حضرت علیؑ نے اس قسم کا جواب کیوں دیا؟ وہ یہ کہہ دیتے کہ میں بیعت کرتا ہوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر اور پھر یہ نہ کہتے کہ اس طریقے پر جو میں منتخب کروں گا صرف دونوں خلفاء کے طریقے کو رد کر دیتے، کہہ دیتے کہ میرے پاس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے سوا اور کوئی تیسری شے نہیں ہے لیکن حضرت علیؑ نے تیسری شے مان لی البتہ اس شکل میں نہیں مانی جیسی ہو لوگ چاہتے تھے۔یہ تیسری بات اس شکل میں جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر عمل کرتے تھے غلط تھی لیکن اس کی ایک شکل وہ ہے جس شکل میں اس پر پیغمبرؐ نے عمل کیا اور حضرع علیؑ بھی چاہتے تھے کہ اس شکل میں عمل کروں۔یہ بات رہبری کا مسئلہ تھی۔

کتاب اور سنت قانون ہے۔اس میں شک نہیں ہے کہ اس قوم کا رہبر جو ایک مکتب اک پیرو ہے وہ پہلی چیز جس کا اسے پابند ہونا چاہیئے، اس مکتب کے قوانین ہیں اسے ان کا احترام کرنا چاہیئے۔مکتب کے قوانین کہاں بیان ہوتے ہیں؟ کتاب اور سنت میں۔لیکن کتاب اور سنت قانون ہے جس کے جاری ہونے اور عمل میں لانے کا ایک طریقہ درکار ہوتا ہے۔لوگوں کو کتاب اور سنت کی بنیاد پر چلانے کے طریقے کو ''سیرۃ'' کا لفظ عربی زبان کے علماءادب کی اصطلاح میں فعلہ کے وزن پر ہے، عربی زبان میں ایک ''فعلة''(ف پر زبر) ہے اور ایک ''فعلة''(ف پر زیر) ہے۔ابن مالک کے ''الفیہ''میں لکھا ہے: ''وفعلة... کجلسة'' عرب کیلئے جب ایک بات ''فعلة''(ف پر زبر) کے وزن پر کہی گئی یعنی کسی عمل کو ایک بار انجام دینا اور جب ''فعلة''(ف کی زیر) کے وزن پر کہی گئی یعنی عمل کو کسی خاص طریقے سے انجام دینا یعنی لفظ ''فعلة'' میں ایک خاص طریقہ پوشیدہ ہے۔لفظ ''سیرۃ'' کا مادہ ''سیر'' ہے ''سیر'' یعنی حرکت لیکن ''سیرۃ'' یعنی خاص وضع کی حرکت، خاص قاعدہ کی حرکت۔

رہبر وہ شخص ہوتا ہے جو لوگوں کو اپنے پیچھے حرکت میں لاتا ہے۔اب ممکن ہے کہ کوئی ایسا رہبر بھی پیدا ہو جائے جو ٹھہرے ہوئے یعنی ساکن لوگوں کی دیکھ بھال کرتا رہے، وہ پھر رہبر نہیں ہو سکتا۔تمام رہبر قوموں کو حرکت دیتے ہیں لیکن بات سفر کے طور طریقے، مشکل اور مصلحت کی ہے۔پیغمبر اکرمؐ خدا کی طرف سے مختلف حیثیتیں اور مقامات رکھتے ہیں وہ نبی اور رسول میں یعنی خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پیغمبر اس اعتبار سے کہ خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں پیغام رساں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں یعنی صرف پیغام رساں ہیں۔ آپ کے قلب پر قرآنی آیت نازل ہوتی ہے اور آپ لوگوں کے سامنے تلاوت فرماتے ہیں: {ھوالذی...آیاتہ} (۱) پیغمبر کی ایک حیثیت مبلغ کی اور ایک معلم کی حیثیت ہے، وہ خدا کے احکام بدنوں وک پہنچاتا ہے اور انہیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے جو وہ نہیں جانتے۔ امت کے فقیہہ اور مبلغ پیغمبر کی اس حیثیت کے وارث ہوتے ہیں یعنی اگر فقیہ خود کو پیغمبر کا جانشین سمجھتا ہے تو صرف اسی ایک خصوصیت میں، وہ کہتا ہے پیغمبر خدا کے پاس سے احکام لائے ہیں اور میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہیں تا کہ ان لوگوں کے سامنے بیان کر دوں جو کچھ نہیں جانتے۔ پیغمبر کی دوسری شان کی وہ شان الٰہی بھی یہ اور خدا ہی معین کرتا ہے یہ ہے: لوگوں میں حقوق کے مسئلوں میں باہمی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے یا جرم اور سزا کے مسئلوں میں لوگوں میں جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے اور فیصلہ کی نوبت آجاتی ہے تو قانون کے علاوہ بھی کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو لوگوں کا جھگڑا چکائیں یعنی اختلافات کا فیصلہ کریں، اس حیثیت کو قضاء کہتے ہیں جسے ہم عموماً قضاوت کہتے ہیں۔ قضا کی حیثیت یعنی قاضی ہونا سب سے زیادہ پاک و پاکیزہ حیثیت ہوتی ہے۔ اسلام کی رو سے قاضی کو فقیہ، مجتہد اور ایسا عادل بھی ہونا چاہئے جس کی عدالت اور انصاف کو سب تسلیم کرتے ہوں۔ ایک سب سے زیادہ حرام کا یہ ہے کہ انسان قضا کا پیشہ انجام دیتا ہوں لیکن اس میں اس بات کی شرعی صلاحیت نہ ہو۔

پیغمبرؐ یا امامؑ نے فرمایا ہے: قضاء ایک ایسی جگہ ہے جہاں وصی بیٹھتا ہے یعنی امام یا وہ شخص جس کو امام نے مقرر کیا ہے۔ یہ پیغمبر کی ایک حیثیت ہوتی ہے، پیغمبر صرف خدا کا پیغام پہنچانے والے ہی نہیں تھے بلکہ ایک ایسے شخص بھی تھے جن کو خدا نے یہ حق دے دیا تھا کہ وہ اختلافات اور خصومات میں قضا کے اصولوں کی رو سے لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کریں: {فلاوربک...تسلیما} (۲)

پیغمبر کی تیسری شان امت کی رہبری ہے۔ پیغمبر جہاں پیغمبر ہے، امام بھی ہے...امام پیغمبر نہیں ہیں البتہ پیغمبر امام ہیں۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر ہمیشہ امامت سے الگ ہوتی ہے، امامت یعنی رہبری اور امامعنی رہبر، پیغمبروں کی جب حیثیت بلند ہو جاتی ہے تو وہ پیغمبر بھی ہوتے ہیں اور

۱۔ جمعہ: ۲۔

۲۔ نساء: ۶۵۔

امام بھی۔ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں حضرت علیؑ بھی تھے۔ امت کی رہبری اور امامت کون کرتا تھا؟ خود پیغمبر اکرمؐ...

خدا نے امام اور رہبر کو اس اعتبار سے کہ وہ امام اور رہبر ہے اختیارات دے دیئے ہیں۔ بلا تشبیہ (تشبیہ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے) جس طرح بعض ملکوں میں عوام کا سردار کانگریس سے اختیارات حاصل کرتا ہے خدا نے بھی امت کی رہبری کیلئے امت کے رہبر کو بہت سے اختیارات دے دیئے ہیں (کیونکہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مختلف شرائط میں قانون جاری کرنااوراسے عمل میں لاناہر ایک کاکام نہیں ہوتا) پھر جب پیغمبر کسی کونامزد کرناچاہتاہے مثلاً مکہ کی فتح کے بعد وہاں کاحاکم مقرر کرنایافلاں لشکر کیلئے امیر یعنی کمانڈر مقرر کرنا...تو یہ ضروری نہیں کہ جبرائیلؑ ہی کہیں کہ اے رسولؐ! آپ فلاں شخص کونامزد کریں۔یہ بھی خود پیغمبرؐ کے اختیار میں ہے کہ وہ ان امتیازی اختیرات کی روسے جو رہبر کے پاس ہوتے ہیں یہ کام بھی انجام دیں البتہ یہ کام قانون کی حدود سے باہر نہ ہو (۱) یہ بات بھی زیادہ تران حکمت عملی اور مصلحتوں کی طرح ہوتی ہے جن پر فوجوں کے کمانڈر عمل کرتے ہیں کیونکہ ان کی ابتدا بھی خود انہیں سے وابستہ ہوتی ہے مثلاً جس وقت اتحادی ملک مصر (اسکندریہ اور العلمین) میں دشمنوں کی فوجوں سے لڑرہے تھے اور آئزنہاور اتحادیوں کاکمانڈر تھاایسے ضوابط وشرائط موجود تھے جن سے اسے تجاوز نہیں کرناچاہئے تھالیکن اس نے بہت سے نظری مسائل یافرضیئے ایجاد کرلئے تھے جو فتح حاصل کرنے کی غرض سے ضروری تھے۔دشمن کی بھی بالکل یہی حالت تھی۔

اب ہم دیکھیں کہ عبدالرحمن بن عوف کاجملہ اوراس پر حضرت علیؑ کاجواب۔عبدالرحمن نے حضرت علیؑ سے کہا: آپ عہد کیجئے کہ قانون کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہوگالیکن رہبری کاطریقہ وہی شیخین کی رہبری کاطریقہ ہوگا۔اگر حضرت علیؑ شیخین کاطریقہ قبول کرلیتے تواس صورت میں مثلاً حضرت عمرنے جس متعہ کو حرام کردیاتھاحالانکہ رسول ۖ نے حلال رکھاتھا، حضرت علیؑ بھی یہ کہتے ہیں کہ میں بھی حرام قرار دیتاہوں یابیت المال کے معاملے میں جسے حضرت عمرنے رفتہ رفتہ پیغمبرؐ کے زمانے کی مساوی تقسیم سے خارج کردیاتھااور جانبداری یاتبعیض روا رکھی تھی، حضرت علیؑ بھی یہ عہد کرتے کہ آئندہ اسی ترتیب پر عمل ہوگااوران بدعتوں کو بھی قبول کرلیتے جو حضرت عمرنے اپنے زمانے میں اس لحاظ سے شروع کی تھی کہ میں رہبر ہوں اور رہبر کو یہ حق ہے کہ وہ ایساکرے اور ویساکرے۔عبدالرحمن بن عوف یہ چاہتے تھے کہ

)۱(۔اس بارے میں مزید مطالعے کیلئے استاد شہید کی کتاب ''ولاءھاولایتھا'' اور امامت ور ہبری دیکھئے۔

حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی رہبری کے ڈھانچے میں محدود کردیں اور یہ بات حضرت علیؑ کیلئے ممکن نہیں تھی کیونکہ اس صورت میں وہ بھی نعوذ باللہ حضرت عثمان کی طرح اپنے لئے ایک طرز طے کرلیتے اور پھر جو کام چاہتے اپنے دل کے مطابق کرتے اور جو کوئی بھی اعتراض کرتااسے مارتے پیٹتے اوراسے فتق کامریض بنادیتے۔حضرت علیؑ جو کتاب اللہ اور سنت پیغمبرؐ پر عمل کرناچاہتے ہیں ان دونوں اشخاص کی رہبری کاطریقہ قبول نہیں کرسکتے، اس لئے انہوں نے کہہ دیاکہ میں ان دونوں کی رہبری کاطریقہ قبول نہیں کرتا۔اسی ایک لفظ کے باعث آپ عبدالرحمن بن عوف کی بیعت کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔

پس معلوم ہواکہ رہبری کے طریقے کامسئلہ کتاب وسنت مسئلے سے مختلف ہے۔کتاب اور سنت توخود قانون ہے لیکن رہبری کاطریقہ خود قانون سے مربوط نہیں ہے، لوگوں کی رہبری کی حالت سے مربوط ہے جو رہبر کو حاصل ہوتے ہیں اوران فیصلوں سے تعلق رکھتاہے، جو رہبر کرتاہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اب امام حسینؑ کے اس جملے ''ارید ان...ابی'' کا جو انہوں نے محمد بن حنفیہ کے نام اپنے وصیت نامے میں لکھا تھا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ اس وقت دنیائے اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے قطع نظر ایک اور بھی مسئلہ موجود تھا اور وہ یہ کہ : اب سن ۶۰ ہجری ہے۔ سن ۱۱ ہجری سے اب تک پیغمبرؐ کو دنیا سے گئے ہوئے تقریباً پچاس سال ہو چکے ہیں۔ ان کے چھتیسویں اور اکتالیسویں سال کے دوران حضرت علی بن ابی طالبؑ نے رہبری کی ہے۔ اس عرصے میں رہبری پیغمبر ۶ کے چلن پر پلٹ گئی تھی۔ نئی بات یہ ہوئی تھی کہ چونکہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان نے اپنے اپنے طریقے ایجاد اور رائج کر دیئے تھے۔ بہت سے معاملات میں حضرت علیؑ میں مطلق یہ قوت پیدا نہیں ہو سکی کہ وہ سنت پیغمبرؐ جاری کرتے۔ جب سنت پیغمبرؐ جاری کرنے وقت آیا خود لوگوں نے ان کے خلاف بغاوت کر دی۔ آپؑ نے فرمایا کہ فلاں نماز جو تم اس شکل میں پڑھتے ہو (ماہ رمضان کی رات کی نماز جو باجماعت پڑھتے تھے) بدعت ہے، نہ پڑھا کرو۔ انہوں نے کہا یہ حضرت عمر کے زمانے سے تیس سال ہو گئے کہ رائج اور ''واعمر''، ''وامعر''حضر تعمر کی جگہ خالی ہے کی آواز بلن دہوئی، حضرت عمر کہاں ہیں جن کی سنت ختم ہو رہی ہے۔ حضرت علیؑ نے قاضی شریح کو بر طرف کرنا چاہا، لوگوں نے کہا تم اس شخص ک و بر طرف کرنا چاہتے ہو جو بیس سال پہلے سے حضرت عمر کے زمانے سے کوفہ کا محترم قاضی رہا ہے؟ چنانچہ امت اسلام کے پچاس سال گزر چکے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علاوہ رہبری کا طریقہ بھی بدل چکا ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا تھا: ''اسیر بسیرۃ جدی وابی'' میں چاہتا ہوں کہ اپنے جد اور والد کی سیرت پر چلوں یعنی نہ حضرت ابو بکر کی سیرت پر، نہ حضرت عمر کی سیرت پر، نہ حضرت عثمان کی سیرت پر اور نہ کسی اور شخص کی سیرت پر ... یہ وجہ ہے جو عاشور کے حادثے میں ہم امام حسینؑ میں ایسے جلوے دیکھتے ہیں جو بتلاتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مسئلہ، بیعت سے انکار کا مسئلہ اور کوفیوں کی دعوت قبول کرنے کے مسئلہ کے علاوہ دوسرے کام بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ آپ اپنے جد کی سیر تک کو زندہ کرنا چاہتے تھے۔

آپ نے یہ قصہ سنا ہوگا: ماموں نے اصرار کیا کہ حضرت امام رضاؑ ولی عہدی قبول فرمالیں، حضرت قبول نہیں فرماتے تھے۔ آخر اس نے جبر کر دی تو قبول کر لیا لیکن اس طریقے سے قبول کیا جو بالکل قبول نہ کرنے کے برابر تھا اور زیادہ تر ماموں کی بدنامی کا سبب بنا۔ سالہا سال سے عید اور بقر عید کی نمازیں خلفاء پڑھاتے آرہے تھے، پیغمبرؐ عبدالفطر وعید قربان کی نماز پڑھاتے تھے، یہ بھی عید اور بقر عید کی نماز پڑھتے تھے لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ دھیرے دھیرے بدل گیا تھا، سیرت بدل گئی تھی (بہت اچھی مثال ہے: عید کی نماز پڑھنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے لیکن کس طریقہ سے نماز پڑھنا سیرت ہے) رفتہ رفتہ خلفاء کے دربار میں ساسانی ایرانیوں اور رومی قیصروں کے دربار ہو گئے تھے۔ بہت پر شکوہ دربار، خلیفہ اور فوجی افسران کا لباس طرح طرح لے سنہری اور پہلی تمغوں سے سجا ہوت اتھا۔ جب خلیفہ نماز عید میں آنا چاہتا تھا تو خاص جلال و شکوہ یک ساتھ اور سلطنت کے کروفر کے سات ھآتا تھا۔ ایک ایسے گھوڑے پر سوار ہوتا تھا جس کے گلے میں سنہری یا روپہلی گلوبند ہوتا تھا اور ہاتھ میں سنہری اور روپہلی تمغوں سے سجا ہوتا تھا۔ جب خلیفہ نماز عید میں آنا چاہتا تھا تو خاص جلال و شکوہ کے ساتھ اور سلطنت کے کروفر کے ساتھ آتا تھا۔ ایک ایسے گھوڑے پر سوار ہوتا تھا جس کے گلے میں سنہری یا روپہلی گلوبند ہوت اتھا اور ہاتھ میں سنہری تلوار لئے ہوتا تھا، اس کے پیچھے پیچھے فوج بھی آتی تھی بالکل اس طرح جیسے فوجی کروفر دکھانا چاہتے تھے، پھر مصلے پر جاتے تھے، دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور واپس ہو جاتے تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے اصرار کیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ عید فطر کی نماز پڑھائیں۔ امامؑ نے فرمایا: میں نے تم سے پہلے ہی یہ اقرار کر لیا تھا کہ میرا صرف نام ہوگا اور میں کوئی کام نہیں کروں گا۔

نہیں آقا! میں چاہتا ہوں۔ کیا آپؑ نماز سے بھی انکار کر رہے ہیں، یہ بات لوگوں سے متعلق تو نہیں ہے جو آپؑ یہ فرمائیں کہ اس کام میں ظلم کا دخل ہوتا ہے، آپؑ کم سے کم یہی ایک نماز پڑھا دیجئے۔ اس مقام پر حضرت ایک جملہ فرماتے ہیں جیسا جملہ امام حسینؑ نے اور جیسا جملہ حضرت علیؑ نے حضرت عمر کے عہد بیعت کے سلسلے میں فرمایا تھا: میں ایک شرط پر تیار ہوں کہ میں اپنے جد اور باپ کی سیرت پر نماز پڑھاؤں گا۔ تمہاری سیرت پر نہیں پڑھاؤں گا۔ مامون اپنی زیرکی کے باوجود (جو وہ اپنی نظر میں رکھتا تھا) احمق ہو گیا، بولا: بہت خوب! آپ جس سیرت پر بھی چاہیں پڑھایئے۔ وہ سوچتا تھا کہ مقصد تو یہ ہے کہ یہ کام حضرت رضاؑ کے ذمے لگا دیا جائے تاکہ لوگ کہہ سکیں کہ آخر امام رضاؑ نے عملی طور پر بھی قبول کر لیا۔

عید فطر کے دن امام رضاؑ نے اپنے ساتھ والوں سے کہا: معمول کا لباس پہنو، برہنہ پا ہو جاؤ، عبا کے دامن اور اپنی آستینیں چڑھا لو اور جو تسبیح میں پڑھتا رہوں تم بھی پڑھتے رہو، تمہاری حالت خضوع اور خشوع کی حالت ہونا چاہیے، ہم جیسے کدا کے سامنے جا رہے ہیں، تمہاری توجہ خدا کی طرف ہونا چاہیے، تسبیح پڑھنے میں خدا پر دھیان جمائے رکھو۔ امامؑ نے (جو مرد حقیقت ہے، مرد خدا ہے، مرد عبادت ہے، میں نے پچھلے جلسے میں عرض کیا تھا کہ خدا کی عبادت اور محبت اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے جس کیلئے عمر بھر جنگ کی تھی) عمامہ اس طرح باندھا جس طرح پیغمبرؐ باندھا کرتے تھے، لباس اس طرح پہنا جس طرح پیغمبرؐ پہنا کرتے تھے، ہاتھ میں عصا پیغمبرؐ کی طرح لیا ہے، برہنہ پا ہو گئے ہیں۔ ایک خضوع اور خشوع کی حالت میں جس در سے باہر آرہے تھے، وہیں سے آپؑ نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا: ''اللہ اکبر...ما اولانا'' سال بیت چکے ہیں لوگوں نے اس طرح ذکر صحیح طور پر نہیں سنا ہے۔ جو لوگ حضرت کے ساتھ تھے انہوں نے جس وقت حضرت کا وہ خدائی حال دیکھا کہ آپ بالکل منقلب چکے ہیں، اپنے آپ کو خدا کے سامنے لے جا رہے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں خضوع اور خشوع کی حالت میں، پوری روحانیت کے ساتھ بہتے آنسوئوں کے ساتھ زور زور سے کہنے لگے: ''اللہ اکبر... ما اولانا'' امام بولتے جاتے تھے اور یہ لوگ دہراتے جاتے تھے یہاں تک کہ مکان کے دروازے کے قریب پہنچ گئے، آواز اونچی ہوتی جاتی تھی۔ مامون نے فوجی کمانڈروں اور قبیلوں کے سرداروں کو بھیجا کہ امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کے پیچھے پیچھے جا کر عید الفطر کی نماز پڑھو۔ انہوں نے خلفاء کے عہد کی سیرت کے مطابق اپنے آپ کو سجایا اور فاخرہ لباس پہنے تھے۔ بہت عمدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اور سنہری تلواریں کمر میں لگا کر دروازے پر کھڑے ہو گئے تھے تاکہ حضرت امام رضاؑ دنیاوی اور سلطنتی رعب اور جلال کے ساتھ باہر تشریف لائیں۔ یکایک امام اس حال میں باہر تشریف لائے تو لشکریوں میں ولولہ پیدا ہو گیا، وہ بے اختیار گھوڑوں سے کود پڑے اور انہوں نے سواری چھوڑ دی۔ تاریخ لکھتی ہے کہ جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا وہ ننگے پاؤں ہو گئے اور جن کے پاؤں میں تسمہ تھا اور فوجی چکمہ جلدی سے اتر نہیں سکتا تھا اس کیلئے ہر شخص چاقو کی تلاش میں چلا کہ جلدی سے تسمہ کاٹ کر پاؤں سے الگ کر لیں۔ یہ لوگ بھی حضرت کے پیچھے پیچھے چلے۔ یکایک ''اللہ اکبر'' کی صدائے دلکش سے شہر ''مرو'' گونج اٹھا۔ لوگ کوٹھوں کی چھتوں پر دوڑ کر پہنچے اور رفتہ رفتہ سب مل گئے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لوگوں میں بھی روحانیت جوش مار رہی تھی۔ حضرت فرماتے تھے "البر اکبر" پورا شہر ایک زبان ہو کر چلاتا تھا "اللہ اکبر" ابھی شہر پناہ سے باہر نہیں گئے تھے کہ جاسوسوں نے مامون کو اطلاع دی کہ اگر یہ معاملہ زیادہ بڑھا تو، تو سلطنت کا مالک نہیں رہے گا۔ سپاہی دوڑ پڑے کہ نہیں نہیں آقا! ہم آپؑ کو تکلیف نہیں دیان چاہتے، آپؑ کو بہت تکلیف ہوئی ہے، اب ہماری درخواست ہے کہ واپس چلئے۔ یہ ہیں روش کے معنی۔ مامون بھی اس معاملے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرتا تھا، عید فطر کی نماز کتاب اللہ کا ایک حصہ ہے لیکن اسی نماز کو چلن ملا تھا جو کھوکھلی اور بے حقیقت ہو چکی تھی۔ امام رضاؑ نے فرمایا میں نماز پڑھانے کو تیار ہوں لیکن تیرے باپ دادا کے طریقے سے نہیں اپنے باپ دادا کے طریقے سے...

امام حسینؑ کے زمانے میں رہبری کی روش بہت بدل چکی تھی۔ زمین سے آسمان تک تبدیلی آچکی تھی۔ ایک خط جو دوسرے خط کے متوازی بڑھنا چاہتا ہے جب بھی موازات سے ذرا سا بھی باہر ہو جائے گا تو شروع شروع میں تو فاصلہ تھوڑا رکھے گا لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتا جائے گا دوسرے خط سے اس کا فاصلہ زیادہ ہوتا جائے گا۔ ساٹھ سال پہلے پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں جب لوگ دنیائے اسلام کا مرکز رکھنا چاہتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں؟ حضرت ابو بکر او رحضرت عمر کے زمانے میں بھی یہی حال تھا، لیکن حضرت عثمان کے زمانے میں بدل گیا اور دوسری شکل پیدا ہو گئی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے خلفیہ سے اختلاف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے میں نہیں تھا بلکہ خلیفہ کی روش میں تھا۔ حضرت ابوذر اور معاویہ کا اختلا بھی زیادہ تر روش ہی کا تھا۔

اب (امام حسینؑ کے زمانے میں) جب مسلمانوں کے خلیفہ کو دیکھنا چاہتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں؟ بوڑھے بوڑھے آدمی جنھوں نے پیغمبرؐ کو درک کیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو درک کیا ہے اور خاص طور پر وہ لوگ جنھوں نے حضرت علیؑ کو آپ کی خلافت کے زمانے میں دیکھا ہے اب جس وقت دنیائے اسلام کے مرکز میں آتے ہیں تو ایک جوان کو دیکھتے ہیں جس کی عمر ۳۲ سال سے زیادہ کی نہیں ہے۔ بہت دراز قد جوان جس کو کہتے ہیں کہ خوش شکل تھا لیکن اس کی صورت میں سیاہ داغ ہیں، شاعری پیشہ ایک جوان جو بہت اعلیٰ شعر کہتا ہے لیکن جس کے تمام اشعار شرابا اور معشوق کی تعریف میں ہوتے ہیں یا کتے، گھوڑے اور بندر کی تعریف میں ہوتے ہیں۔ اس کی جگہ تک پہنچنے کیلئے سات دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے، جو اس کی ملاقات کو جانا چاہتا ہے پہلے دربار آکر اس کے سامنے کھڑے جاتے ہیں، پوچھ گچھ کے بعد اگر وہ یہاں سے گزر سکتا ہے تو پھر اسے کچھ اور دوسرے دروازوں اور دربانوں سیگزرنا پڑتا ہے تب جا کر وہ اس خلیفہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جب وہ وہاں پہنچتا ہے تو ایک ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو ایک شاندار دائرے میں سنہری تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے گرد سونے چاندی کے پایوں کی کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ بڑے بڑے لوگ، امراء، رئوساء اور غیر ملکی سفیر آتے ہیں اور ان کرسیوں پر بیٹھتے ہیں۔ ان تمام بڑے لوگوں، امراء شرفاء سے بلند اپنے پہلو میں ایک بندر بٹھا رکھا ہے جسے زربفت کا لباس پہنا رکھا ہے۔ ایسا شخص کہتا ہے کہ میں پیغمبرؐ کا خلیفہ ہوں، وہ خدائی احکام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جمعہ کی نماز بھی پڑھاتا ہے یا جمعہ کی امامت بھی کرتا ہے، لوگوں کو خطبہ سناتا ہے او رلوگوں کو وعظ بھی دیتا ہے۔ اسی سے انسان سمجھ لیتا ہے کہ حسینی تحریک اسلامی دنیا کیلئے کس قدر مفید تھی اور اس نے یہ پردے کس طرح چاک کر ڈالے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس زمانے میں رابطوں کے وسیلے نہ ہونے کے برابر تھے مثلاً مدینہ کے لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ شام میں کیا ہورہا ہے؟ آمدورفت بہ تکم تھی۔ وہ لوگ کبھی کبھی اتفاق سے مدینہ سے شام جاتے تھے، یزیدی حکومت سے بالکل بے خبر ہی رہتے تھے، امام حسینؑ کے قضیہ کے بعد مدینہ کے لوگوں کو اس بات پر بہت تعجب ہوا کہ پیغمبرؐ کے فرزند کو قتل کرڈالا۔ لوگوں کی ایک جماعت اس بات کی تحقیق کرنے کیلئے شام بھیجی گئی کہ امام حسینؑ کس لئے قتل کئے گئے۔ اس جماعت کی واپسی پر لوگوں نے پوچھا کہ کیا واقعہ گزرا؟ وہ بولے بس ایک جملے میں ہم اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ ہم جب تک وہاں رہے برابر یہی کہتے رہے۔ اے خدا! ایسا نہ ہو کہ آسمان سے پتھر برسیں اور ہم اس حال میں ہلاک ہو جائیں اور ہم تمہیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہم ایک ایسے شخص کے پاس آرہے ہیں جس کا شغل شراب پینا اور کتوں، شکاری کتوں اور بندروں سے کھیلنا ہے، اس کا شغل گانا بجانا اور لہو ولعب ہے، اس کا کام زنا کرنا ہے محرموں سے بھی... باقی حال آپ خود سمجھ لیجئے۔

یہی وجہ تھی جو مدینہ نے بغاوت کردی۔ خونی بغاوت۔ کربلا کے حادثہ کے بعد کیسے کیسے لوگوں نے شور مچایا۔

اے بسا شعر کہ بعد از مرگ زاد

امام حسینؑ جب تک زندہ رہے یہی باتیں کرتے رہے: "وعلی... یزید" (۱) جب ایسا شخص اسلام کا نگہبان ہو تو پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ دو! لیکن اس وقت کوئی نہیں سمجھتا تھا البتہ جب شہید ہو گئے اس وقت ان کی شہادت نے دنیائے اسلام کو جھنجھوڑ ڈالا، نئے نئے افراد

(۱)۔ مقتل مقرم ص ۱۴۶۔

جاتے رہے اور نزدیک سے دیکھتے رہے اور سمجھتے رہے کہ جو کچھ وہ آئینے میں نہیں دیکھ پاتے تھے وہ امام حسینؑ نے کچی اینٹ میں دیکھ لیا تھا۔ اس وقت انہوں نے امام حسینؑ کی بات کی تصدیق کی اور کہا وہ اس دن صحیح کہتے تھے۔

وصلی... یااللہ...

اے پروردگار...!

ہمارے دلوں کو نور ایمان سے منور کر، ہم کو اسلام کے معارف اور حقائق سے آگاہ کر،

اے خدا...!

ہم کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما،

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اے پروردگار...!

ہماری نیتوں کو، ہماری روحوں کو، ہمارے دلوں کو پاک اور خالص بنادے، مسلمانوں کو بیداری عنایت فرما۔

اے پروردگار......!

ہمارے اموات کو اپنی عنایت اور مغفرت میں شامل فرما۔

رحم اللہ من قرء الفاتحہ مع الصلوۃ

باب ہفتم

امام حسینؑ کی تحریک کی ماہیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام حسینؑ کی تحریک کے متعلق ایک سوال یہ ہے کہ اس تحریک کی ماہیت کیا تھی؟ کیونکہ تحریکیں بھی قدرتی مظاہر کی طرح مختلف ماہیتیں رکھتی ہیں۔ چیزوں اور قدرتی مظاہر کی، معدنیات سے لے کر نباتات اور طرح طرح کے حیوانات کی، الگ الگ قدرتی ماہیت اور خصوصیت حالت ہوتی ہے۔ تحریکوں اور اجتماعی بغاوتوں کا بھی یہی حال ہے۔

اگر ہم کسی شے کو پہچاننا چاہیں تو یا تو اس کے علل فاعلی سے پہچانیں گے یا اس کے علل غائی سے (آج کل علل غائی سے پہچاننے کو نہیں مانتے) یا اس کے علل مادی سے یعنی اس کو تشکیل دینے والے اجزا اور عناصر سے یا اس کی ظاہری شکل و صورت سے یعنی مجموعی طور پر اس نے جو حالت، شکل اور خصوصیت اختیار کرلی ہے۔ اگر ہم کسی تحریک کی شناخت کرنا چاہیں تو اس کی ماہیت کا پتہ لگائیں، ان علل و وجوہات کو پہچانیں جن کے نتیجے میں یہ تحریک وجود میں آئی ہے۔ جب تک ہم ان کو نہیں پہچانیں گے اس تحریک کی ماہیت نہیں پہچان سکیں گے (علل فاعلی کی پہچان) پھر اس کے آخری علل فاعلی کو پہچانیں یعنی اس تحریک کا ہدف کیا ہے؟ پہلے تو یہ کہ اس کا کوئی ہدف بھی ہے یا نہیں اور اگر ہدف ہے تو کیا ہے؟ پہلے تو یہ کہ اس کا کوئی ہدف بھی ہے یا نہیں اور اگر ہدف ہے تو کیا ہے؟ تیسرے ہم اس تحریک کے عناصر اور مشمولات کو پہچانیں کہ اس تحریک میں کون کون سے کام اور کون کون سے عمل انجام پذیر ہوئے ہیں۔ چوتھے ہم یہ دیکھیں کہ ان عملیات نے جو انجام پذیر ہوئے ہیں مجموعی طور پر کون سی شکل اختیار کی ہے؟ امام حسینؑ کی تحریک کے متعلق ایک مسئلہ درپیش ہے کہ کیا یہ قیام اور تحریک ایک قسم کا انفجار تھی؟ ایک قسم کا اچانک اور غیر متوقع عمل جیسے کسی دیگ کو گرمی پہنچاتے ہیں تو اس کا اندر کا پانی بھاپ بن جاتا ہے اور نکاس بند ہوتے ہیں تو آخر میں وہ دیگ پھٹ جاتی ہے جیسے وہ انفجار جو بعض انسانوں کیلئے ہوتے ہیں۔ جب انسان کچھ ایسے حالات میں پھنس جاتا ہے (اب یا تو اس سبب سے جو اسی وقت پیدا ہو جاتا ہے یا پچھلے علل سے دل میں گھٹن اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے) کہ وہ باوجودیکہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایک بات کہنا نہیں چاہتا لیکن اچانک یہ دیکھتا ہے کہ وہ آگ بگولہ ہو گیا ہے اور جس بات کو اس کا دل بھی نہیں چاہتا کہ اس کے منہ سے نکلے بے اختیار منہ سے نکل جاتی ہے، اسے کہتے ہیں انفجار یعنی پھٹ پڑنا... بہت سی بغاوتیں انفجار ہوتی ہیں۔

ایک وہ مقام جہاں مکتب اسلام کی راہ آج کل کے مکاتب مادی کی راہ سے مختلف ہو جاتی ہے یہ ہے کہ آج کل کے مادی مکاتب مخصوص جدلیاتی اصول کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ اختلافات پر اصرار کرو، تکلیفوں میں اضافہ کرو، جس طرح ہو سکے شگافوں کو گہرا کرو بلکہ صحیح اصلاحات کی بھی مخالفت کرو تاکہ سماج کو (سمجھے بوجھے انقلاب نہیں) انفجار والے اچانک انقلاب کی طرف دھکیل سکو۔ اسلام انفجار کے انقلاب کا بالکل قائل نہیں ہے، اسلام کا انقلاب سو فیصدی جانا بوجھا ہوتا ہے اور مصمم ارادے، پوری پوری واقفیت اور انتخاب سے عمل میں آتا ہے۔

کیا امام حسینؑ کا واقعہ انفجاری انقلاب اور ایک انفجار تھا؟ کیا یہ کوئی کام تھا جس کا علم نہ تھا؟ کیا اس کی یہ صورت تھی کہ اس بہت زیادہ فشار کے باعث جو معاویہ کے زمانے سے بلکہ اس سے پہلے عوام پر اور امامؑ کے خاندان پر ڈالا جا رہا تھا کہ یزید کا زمانہ آیا تو پھر امام حسینؑ کی برداشت جواب دی گئی اور انہوں نے فرمایا کہ ہر چہ باداباد... جو کچھ وہ چاہتا ہے ہو جائے؟ نعوذ باللہ۔ خود امام حسینؑ کی وہ باتیں جو نہ صرف اس تحریک کی ابتداء سے بلکہ ماویہ کی موت کے بعد سے شروع ہو جاتی ہے، وہ خط و کتابت جو آپ کے اور معاویہ کے درمیان ہوئی ہے، وہ تقریریں جو آپ نے مختلف موقعوں پر کی ہیں، ان میں سے وہ مشہور خطاب جو منیٰ میں صحابہ پیغمبرؐ کو جمع کر کے کیا جس کا بیان "تحف العقول" میں ہے اور بہت مفصل اور نہایت فصیح و بلیغ خطبے ہیں۔ یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ یہ تحریک جو پورے پورے علم کے ساتھ شروع ہوئی تھی انقلاب ہے انفجار نہیں ہے۔ انقلاب ہے لیکن اسلامی انقلاب ہے، انفجار نہیں ہے۔

جملہ خصوصیات میں سے امام حسینؑ کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے اصحاب میں سے ہر فرد کے سلسلے میں اپنے قیام کو انفجار روالی شکل اختیار کرنے نہیں دیتے۔ امام حسینؑ ہر موقع پر اپنے اصحاب کو کسی نہ کسی بہانے سے رخصت کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ ان سے کہتے ہیں: جان لو کہ یہاں کوئی ضیافت نہیں ہے۔ معاملہ خطرناک ہے۔ عاشور کی رات آتی ہے تب بھی آپ ایک خاص انداز میں ان سے گفتگو کرتے ہیں:

میں اپنے اصحاب سے بہتر اصحاب اور اپنے اہل بیتؑ سے بہتر اہل بیت نہیں پاتا، میں تم سب کا شکر گزار ہوں، تم سب کا ممنون ہوں، ان لوگوں کو میرے علاوہ تم میں سے کسی سے کوئی سروکار نہیں ہے، تم جانا چاہو، تو چلے جاؤ، وہ لوگ جب جان لیں گے کہ تم اپنے آپ کو اس معرکے سے الگ کر رہے ہو تو وہ تم میں سے کسی سے بھی تعرض نہیں کریں گے، میرے اہل بیتؑ اس بیابان میں کسی سے واقف نہیں ہیں، اس علاقے سے بھی ناواقف ہیں، تم میں سے ہر شخص میرے اہل بیت میں سے ایک ایک فرد کو لے کر دور نکل جائے، میں خود اس جگہ اکیلا رہوں گا... کیوں؟ لوگوں کی تکلیف اور ناخوشی سے فائدہ اٹھانے کا خواہاں رہبر ایسی باتیں نہیں کرتا، وہ تو شرعی فریضہ کی بات کرتا ہے۔ بیشک شرعی فریضہ بھی تھا اور امام حسینؑ نے اس کے بیان کرنے میں بھی کوئی غفلت نہیں کی لیکن وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ لوگ اس شرعی فریضہ کو نہایت آزادی اور مکمل آگاہی کے ساتھ انجام دیں۔ وہ ان سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ دشمن نے تمہیں محصور نہیں کیا ہے، تم پر دشمن کی طرف سے کوئی جبر یا دباؤ نہیں ہے، اگر تم رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھانا چاہو اور چلے جاؤ تو کوئی مزاحم نہ ہو گا۔ دوست بھی تم کو مجبور نہیں کرنا، میں نے تم سے اپنی بیعت اٹھالی۔ اگر تم کو یہ خیال ہے کہ تمہارے لئے بیعت کے مسئلے نے عہد او رجبر پیدا کر دیا ہے تو میں نے وہ بیعت بھی اٹھالی یعنی اب تم اپنی راہ منتخب کرنے کیلئے بالکل آزاد ہو۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تم کو پوری پوری واقفیت اور آزادی کے ساتھ اور دشمن یا دوست کی طرف سے ذرا سا بھی دباؤ کے احساس کے بغیر میرا انتخاب کرنا چاہئے۔

یہ ہے وہ بات جو سہدائے کربلا کو قدر و منزلت بخشتی ہے ورنہ طارق بن زیاد نے اسپین کی لڑائی میں جس وقت اسپین فتح کیا اور اپنی کشتیاں اس آبنائے سے پار کر لیں اور جیسے ہی پار کیں حکم دے دیا کہ چوبیس گھنٹے کے لائق رسد رکھ لو اور اس سے زیادہ جو کچھ ہے اسے پھونک دو اور کشتیوں کو بھی جلا دو۔ اس کے بعد سپاہیوں اور افسروں کو جمع کیا۔ اس سمندر کی طرف اشارہ کیا جس سے گزر کر آئے تھے اور کہا: اے لوگو! دشمن تمہارے سامنے اور سمندر تمہارے پیچھے ہے اگر بھاگنا بھی چاہو گے تو سمندر میں ڈوبنے کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے، کوئی اور کشتی بھی نہیں ہے۔ اگر تم کاہلی کرو گے تو غذا بھی چوبیس گھنٹے سے زیادہ کی نہیں ہے اس کے بعد مر جاؤ گے۔ اس لئے تمہاری نجات اسی میں ہے کہ دشمن کو مار دو اور ہلاک کر دو، تمہاری غذا دشمن کے چنگل میں ہے، اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں ہے یعنی ان لوگوں پر دباؤ ڈالو۔ یہ سپاہی اپنے خون کے آخری قطرے تک نہیں لڑیں گے تو کیا کریں گے؟

لیکن امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ طارق بن زیاد کے برعکس عمل کیا۔ یہ نہیں کہا کہ یہاں دشمن موجود ہے اگر اس طرف سے جاؤ گے تو وہ تمہیں فنا کر دے گا، اس طرف سے جاؤ گے تو تمہیں نابود کر دے گا، اس طرف سے تمہیں لولو کھا جائے گا، اس طرف سے تمہیں لولو کھا جائے گا۔ اس لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نیں ہے کہ چراغ سے گرے ہوئے تیل کو امام زادے کی نذر کر دو، تمہیں بہر حال مارا جانا ہے، اب جو تم مارے ہی جاؤ گے تو آؤ میرے ہی ساتھ مارے جاؤ۔ اس قسم کی شہادت کی کوئی اہمیت نہ ہوتی۔ سیاستدان اسی قسم کا عمل کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: نہ سمندر تمہارے پیچھے ہے نہ دشمن تمہارے سامنے۔ نہ دوست نے تمہیں مجبور کیا ہے نہ دشمن نے۔ جس کسی ک وچاہو پوری پوری آزادی سے منتخب کر لو۔

پس انقلاب حسینؑ کا درجہ اول کا ہے۔ ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ انقلاب، حسینؑ کی طرف سے، آپؑ کے اہل بیتؑ کی طرف سے بھی اور آپؑ کے اصحاب کی طرف سے بھی آگاہانہ یہ، پوری واقفیت اور جانکاری سے آیا ہے۔ یہ انفجار نہیں ہے۔

آگاہانہ انقلاب کی مختلف ماہیتیں ہو سکتی ہیں۔ اتفاق سے امام حسینؑ کے معاملات میں زیادہ عوامل کارفرما ہیں جن سے امام حسینؑ کی تحریک ایک ماہیت والی نہیں بلکہ کئی ماہیت کی تحریک ہو گئی ہے۔ سماجی اور قدرتی مظاہر میں ایک فرق یہ ہے کہ قدرتی مظاہر صرف ایک ماہیت کے ہوتے ہیں، کئی ماہیتوں کے نہیں ہو سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک دھات میں بیک وقت سونے کی بھی ماہیت ہو اور تانبے کی بھی البتہ سماجی مظاہر کی بیک وقت کئی کئی ماہیتیں ہو سکتی ہیں۔

انسان خود ایک ایسا عجوبہ ہے جس کی بیک وقت کئی مہاہیتیں ہو سکتی ہیں۔ سارٹر اور دوسروں نے کہا ہے کہ انسان کا وجود اس کی ماہیت پر مقدم ہے۔ یہاں تک بات درست ہے۔ اس کا وجود ماہیت پر تقدم رکھتا ہے لیکن اس طرح نہیں یعنی ان معنوں میں نہیں جن میں یہ کہتے ہیں کہ درست ہے۔ یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ انسان کی ایک وقت میں کئی کئی ماہیتیں ہو سکتی ہیں۔ فرشتے کی ماہیت ہو سکتی ہے اور اسی وقت سور کی بھی ماہیت ہو سکتی ہے۔ اس وقت چیتے کی ماہیت بھی ہو سکتی ہے اور یہ اسلامی تعلیم و تربیت کی ایک بڑی داستان ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سماجی مظاہر میں کئی ماہیتیں ہوسکتی ہیں۔ اتفاق سے امام حسینؑ کا قیام کئی ماہیتیوں والا ایسا ہی مظہر ہے کیونکہ اس میں مختلف عوامل اثر انداز ہیں مثلاً کئی تحریک میں رد عمل کی ماہیت ہوسکتی ہے یعنی صرف رد عمل ہو، ابتدا کرنے کی ماہیت ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی تحریک رد عمل کی ماہیت رکھتی ہو تو ہوسکتا ہے کہ کسی واقعے کے مقابلے میں اس کا یہ رد عمل منفی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے واقعے کے مقابلے میں یہ رد عمل مثبت ہو۔ یہ سب باتیں امام حسینؑ کی تحریک میں ملتی ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ ایک ہی تحریک کی کئی ماہیتیں ہیں۔ کس طرح؟

ایک عامل جو وقت کے لحاظ سے پہلا عامل ہے بیعت کا مطالبہ ہے۔ امام حسینؑ مدینہ میں ہیں، معاویہ جس نے اپنے مرنے سے پہلے یزید کی جانشینی اپنے لئے واجب کر لی ہے اور جسے وہ پکا کرنا چاہتا ہے مدینہ آتا ہے، امامؑ سے بیعت لینا چاہتا ہے، اس وقت کامیاب نہیں ہوتا۔ اس کے مرنے کے بعد یزید بیعت لینا چاہتا ہے۔ بیعت کرنا یعنی مہر لگانا اور تصدیق و توثیق کرنا نہ صرف خلافت یزید کی ذات کو بلکہ اس رواج کی رو سے جس کی بنیاد معاویہ نے ڈال دی ہے کہ جانے والا خلیفہ بعد کے خلیفہ کا تعین کیا کرے یہ نہیں کہ ایک خلیفہ مر جائے بعد میں لوگ اگلا خلیفہ مقرر کریں یا اگر سیعہ ہوں تو پیغمبرؐ کی نص کے مطابق عمل کریں۔ نہیں! ایک ایسی بات جو نہ شیعہ کہتے ہیں نہ سنی: ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کو یعنی اپنے بیٹے کو مسلمانوں کیلئے ولی عہد مقرر کرے۔

اس لئے یہ تنہا یزید جیسے قبیح اور رسوا انسان کی خلافت پر مہر تصدیق لگانا ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی سنت رائج کر کے مہر ثبت کرنا تھا جس کی پہلی بار معاویہ کے ذریعے بنیاد ڈالی جانی ہے۔

وہ لوگ امام حسینؑ سے اس لئے بیعت چاہتے ہیں یعنی ان کی طرف سے ایک مطالبہ پیدا ہوا ہے۔ امام حسینؑ ردّ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ منفی ردّ عمل۔ تم بیعت چاہتے ہو؟ میں نہیں کرتا۔ یہاں امام حسینؑ کا عمل منفی عمل ہے، یہ تقویٰ کا تقاضہ ہے، یہ ایسا تقاضہ ہے جس کا ہر انسان کو اپنے معاشرے میں ایسے مطالبوں کے ساتھ سامنا ہو جاتا ہے جو اس سے مختلف شکلوں، شہوت کی صورت میں، مقام کی صورت میں، خوف اور رعب کی صورت میں کئے جاتے ہیں اور اسے ان کے مقابلے میں کہنا پڑتا ہے نہیں!... یعنی تقوی۔

وہ لوگ کہتے ہیں بیعت... امام حسینؑ کہتے ہیں: نہیں!... وہ ڈراتے دھمکاتے ہیں، آپ کہتے ہیں: ''میں قتل ہونے کو تیار ہوں لیکن بیعت کرنے کو تیار نہیں ہوں۔''

یہاں تک یہ تحریک ایک غیر شرعی مطالبے کے جواب میں رد عمل کی ماہیت بلکہ مفی رد عمل کی ماہیت رکھتی ہے، دوسرے لفظوں میں اس کی ماہیت تقوٰی کی ماہیت ہے۔ ''لاالہ الااللہ'' کے پہلے ٹکڑے یعنی ''لاالہ'' کی ماہیت ہے، غیر شرعی مطالبے کے جواب میں ''نہ'' کہنا تقوٰی ہے۔

لیکن تحریک حسینی میں جس عامل (سبب) کا دخل تھا وہ صرف یہی تھا جھگڑا نہیں تھا۔ یہاں ایک اور عامل بھی موجود تھا جس کی رو سے تحریک حسینی کی ماہیت پھر رد عمل کی ماہیت ہے لیکن یہ رد عمل نہ مثبت ہے نہ منفی۔

معاویہ دنیا سے چلا جاتا ہے۔ کوفہ والوں نے اس حادثے سے بیس سال پہلے کم سے کم پانچ سال تک حضرت علیؑ کے ساتھ اس شہر میں زندگی بسر کی ہے اور ابھی تک حضرت علیؑ کی تعلیم و تربیت کے آثار پورے طور پر نہیں مٹ پائے ہیں (البتہ بہت کچھ چھن کر صاف ہو چکے ہیں ان کے بہت سے بزرگ اور مرد

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حجر بن عدی، عمرو بن حمق خزاعی، رشید حجری، میثم تمار جیسے مارے جا چکے ہیں تاکہ اس شہر کو حضرت علیؑ کے خیالات سے اور حضرت علیؑ کے طرف دار جذبات سے خالی کر سکیں پھر بھی ابھی تک ان تعلیمات کا اثر باقی ہے) یہاں تک کہ معاویہ مر جاتا ہے، چونکتے ہیں، ایک دوسرے کے گرد جمع ہوتے ہیں، اکٹھے ہوتے ہیں کہ اس وقت موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ موقع اس کے بیٹے یزید کو مل جائے، ہمارے ساتھ امام حسینؑ ہیں، ہمارے سچے امام حسینؑ ابن علی ہیں، ہم اس وقت تیار ہو جائیں اور ان کو بلائیں کہ کوفہ آیئے۔ ان کی مدد کریں اور کم سے کم ابتداء میں اس جگہ ایک قطب قائم کر دیں بعد میں خلافت کو بھی اسلامی خلافت بنالیں گے۔ یہاں ان لوگوں کی طرف سے بلاوا ہے جو دعوے دار ہیں کہ ہم دل و جان سے تیار ہیں، ہمارے درختوں میں پھل آ گئے ہیں۔ اس جملے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بہار کا موسم ہے۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ درخت سرسبز ہو گئے ہیں اور ان میں پھل لگ آئے ہیں یعنی آقا! اس وقت یہاں پھلوں کا موسم ہے۔ یہاں آیئے اور پیٹ بھر کر پھل کھایئے! نہیں یہ مثل ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسانوں کے درخت ہرے بھرے ہیں اور یہ اجتماعی باغ اس بات کیلئے تیار ہے کہ آپ اس میں قدم رکھیں۔

کوفہ اصل میں فوجی چھاؤنی رہا ہے، شروع ہی سے اس کی بنیاد چھاؤنی کے طور پر رکھی گئی تھی۔ یہ شہر خلیفہ حضرت عمر بن خطاب کے زمانے میں بسایا گیا تھا۔ اس سے پہلے اس کا نام ''حیرہ'' تھا۔ یہ شہر سعد ابن وقاص نے آباد کیا تھا۔ جو مسلمان سپاہی تھے انہوں نے اسی چھاؤنی میں اپنے لئے گھر بنائے تھے اس لئے ایک لحاظ سے یہ دنیا کا نہایت قوی ترین شہر تھا۔

اس شہر کے لوگ امام حسینؑ کو بلاتے ہیں۔ ایک شخص نہیں، دو نہیں، دس ہزار نہیں، پانچ ہزار نہیں، دس ہزار آدمی نہیں بلکہ تقریباً اٹھارہ ہزار خطوط پہنچتے ہیں، جن میں سے بعض خطوط پر چند لوگوں نے اور کچھ اور خطوط پر سو سو آدمیوں نے بھی دستخط کئے تھے۔ اگر ہم اوسط بھی نکالیں تو شاید ایک لاکھ آدمیوں نے امام حسینؑ کو خط لکھے تھے۔

یہاں امام حسینؑ کا رد عمل کیا ہونا چاہیے؟ ان پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ یہاں رد عمل مثبت ہے اور آپ کے عمل کی ماہیت تعاون کی ماہیت ہے یعنی مسلمانوں نے قیام کیا ہے۔ امام کو چاہیے کہ ان کی مدد کو دوڑیں۔ یہاں منفی اور تقویٰ کی ماہیت نہیں ہے، مثبت ماہیت ہے، جو کام دوسروں سے شروع ہوا ہے امام حسینؑ کو چاہیے کہ ان کی دعوت پر مثبت جواب دیں۔ یہاں ذمہ داری کیا ہے؟ وہاں پر ذمہ داری انکار کرنا تھا؟ ''نہ'' کہنا تھا؟ بیعت کے لحاظ سے امام حسینؑ کو صرف یہ کہنا چاہیئے: ''نہیں!'' اپنے آپ کو پاک رکھیں اور گناہ سے آلودہ نہ کریں لہٰذا اگر امام حسینؑ ابن عباس کی تجویز پر عمل کرتے اور چلے جاتے، کوہسان یمن میں رہتے جہاں یزید کے لشکری ان تک نہ پہنچ پاتے تو وہ اپنی پہلے فریض سے ضرور عہدہ برآ ہو جاتے۔ وہ چونکہ بیعت چاہتے تھے اور یہ بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بیعت کیجیئے اور آپؑ کہتے تھے: نہیں!... بیعت کے مطالبے کے لحاظ سے اور امام حسینؑ تقویٰ کے احساس کے لحاظ سے اور اس لحاظ سے کہ منفی جواب دینا چاہیئے یمن کے پہاڑوں میں جا کر جیسا کہ ابن عباس اور دوسروں نے تجویز دیا تھا وہ (امام حسینؑ) اپنا فرض ادا کر چکے ہوتے لیکن یہاں مسئلہ دعوت کا ہے۔ یہ نیا فریضہ ہے۔ مسلمانوں نے تقریباً بیس ہزار خطوط تقریباً ایک لاکھ دستخطوں سے بھیجے ہیں...

یہ اتمام حجت ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

امام حسینؑ کی پہلی حرکت سے ظاہر تھا کہ وہ اہل کوفہ کو آمادہ نہیں سمجھتے، وہ ان کو سست اور مرعوب شدہ سمجھتے ہیں۔ عین اس حال میں تاریخ کو کیا جواب دیں؟ اگر امام حسینؑ کوفیوں کی طرف بالکل توجہ نہ کرتے تو ہم ہی لوگ جو آج یہاں بیٹھے ہیں یہ کہتے کہ امام حسینؑ نے مثبت جواب کیوں نہیں دیا؟

ابو سلمہ خلال ایک شخص تھا جسے بنی عباس کے دور میں وزیر آل محمد کہتے تھے۔ جس وقت اس کے تعلقات خلیفہ عباس سے خراب ہو گئے تو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ وہ مارا گیا۔ اس نے فوراً دو خط لکھے۔ ایک امام جعفر صادقؑ کو اور ایک عبداللہ محض کو اور دونوں کو بیک وقت دعوت دی اور کہا کہ میں اور ابو مسلم ابھی تک ان لوگوں کیلئے کام کرتے تھے اب اس گھڑی سے ہم آپ کیلئے کام کرنا چاہتے ہیں، آیئے اور ہمارا ساتھ دیجئے، ہم انہیں نابود کر دیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جس وقت وہ دو شخصوں کیلئے خط لکھتا ہے تو علامت یہ ہے کہ اس میں خلوص نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب خلیفہ عباسی سے اس کی تعلقات بگڑ گئے اس کے بعد اس نے یہ خط لکھا ہے۔ جب امام جعفر صادقؑ کے پاس خط پہنچا تو آپؑ نے پڑھا، پھر خط لانے والے کی آنکھوں کے سامنے خط آگ میں جلا دیا۔ اس شخص نے پوچھا خط کا کیا جواب ہے؟ آپؑ نے فرمایا: خط کا جواب یہی ہے۔ ابھی وہ واپس بھی نہیں پہنچا تھا کہ ابو سلمہ قتل ہو گیا اور اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے ابو سلمہ خلال کو جس نے انہیں دعوت دی تھی مثبت جواب کیوں نہیں دیا؟ منفی جواب کیوں دیا حالانکہ ابو سلمہ خلال صرف ایک شخص تھا دوسرے اس کی نیت خالص نہیں تھی اور تیسرے جب اس نے خط لکھا تھا اس وقت پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ خلیفہ عباسی بھی سمجھ گیا تھا کہ یہ شخص اس کے ساتھ سچا نہیں ہے اس لئے چند دن بعد اسے مروا ڈالا۔

اگر کوفیوں کے اٹھارہ ہزار خطوط مکہ اور مدینہ (خصوصاً مکہ) امام حسینؑ کے پاس جاتے اور امام حسینؑ مثبت جواب نہ دیتے تو تاریخ امام حسینؑ کو برا بھلا کہتی کہ اگر وہ کوفہ چلے جاتے تو یزید اور یزیدیت کی جڑ قلم ہو جاتی۔ کوفہ مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی تھی، کوفہ میں حضرت علیؑ نے پانچ سال تک زندگی بسر کی تھی اور وہاں ابھی تک حضرت علیؑ کی تعلیمات کے آثار باقی تھے، وہ یتیم جنہیں حضرت علیؑ نے بڑا کیا تھا اور وہ بیوائیں جن کی حضرت علیؑ نے سرپرستی کی تھی ابھی زندہ ہیں اور حضرت علیؑ کی آواز اس شہر کے لوگوں کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ امام حسینؑ نے بزدلی دکھائی اور ڈر گئے جو اس جگہ نہیں گئے، اگر چلے گئے ہوتے تو دنیائے اسلام میں انقلاب آ جاتا۔

یہ وجہ ہے جو اس مقام پر فرض اس قسم کا جواب دیتا ہے کہ وہ کہتے ہیں تو ہم آمادہ ہیں۔ امام فرماتے ہیں میں آمادہ ہوں۔ اس اعتبار سے امام حسینؑ کا فرض کیا ہے؟

کوفہ کے لوگوں نے مجھے بلایا ہے، میں کوفہ جا رہا ہوں، کوفہ والوں نے مسلم سے اپنی بیعت توڑ دی ہے، میں واپس جاتا ہوں، میں اپنے مقام کو جاتا ہوں، مدینہ یا کسی اور جگہ چلا جاتا ہوں تاکہ وہاں وہ لوگ جو چاہیں کریں یعنی اس سبب کے پیش نظر کہ ایک دعوت کے جواب میں ایک مثبت ردعمل ہے امام حسینؑ کا فریضہ مثبت جواب دینا ہے جب تک کہ دعوت دینے والے اپنی جگہ ثابت قدم رہیں۔ جس وقت وہ بدل گئے پھر اس لحاظ سے امام حسینؑ کا کوئی فریضہ نہیں ہے اور نہ تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ان دونوں عامل میں سے کون سادوسرے پر تقدم رکھتا تھا؟ کیا یہ پہلا عامل کہ امام حسینؑ نے بیعت سے انکار کر دیااور چونکہ بیعت سے انکار کر دی ااس لئے اہل کوفہ نے انہیں بلایایا کم سے کم وقت کے لحاظ سے ایسا ہوا یعنی بیعت سے انکار کئے ایک مہینہ سے زیادہ گزر جانے کے بعد اہل کوفہ کا دعوت نامہ پہنچا؟ یا معاملہ اس کے برعکس تھا؟ پہلے اہل کوفہ نے آپ کو بلایا تو امام حسینؑ نے دیکھا کہ اچھا انہوں نے اس وقت دعوت دی ہے تو مجھے بھی مثبت وجاب دینا چاہیے۔ معلوم ہے کہ جو شخص اتنے بڑے کام کیلئے امیدوار ہوتا ہے پھر اس کیلئے بیعت کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ انہوں نے اس لئے بیعت نہیں کہ اہل کوفہ کے مطالبے پر مثبت جواب دے چکے تھے۔ تاریخ کے مطابق ان دونوں عوامل میں س یکون ساپہلا ہے اور کیوں؟ اس لئے کہ پہلے ہی دن جب معاویہ مرا ہے امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ ہو چکا تھا بلکہ معاویہ مرنے سے پہلے مدینہ آچکا تھا اور اس نے چاہا تھا کہ جس حیلے اور مکاری سے ہو اپنی زندگی میں ہی امام حسینؑ اور دو تین اور لوگوں سے بیعت لے لے لیکن ان لوگوں نے یہ بات نہیں مانی۔ بیعت کے مطالبے کا مسئلہ اور اس سے انکار وقت کے اعتبار سے پہلا واقعہ ہے۔ خود یزید نے بھی جس وقت معاویہ مر گیا ہے اس خبر کے ساتھ ایک خط بھیجا تھا جو ایک تیز رفتار ہر کارے کی معرفت چند دن کے اندر اندر راونٹوں پر مدینہ پہنچ گیا تھا اور جس شخص نے والی مدینہ کو معاویہ کے مرنے کی خبر پہنچائی اسی نے وہ خط بھی اسے دیا تھا کہ: ’’خذ بالبعیۃ اخذا شدیدا‘‘ امام حسینؑ اور ان دو تین دوسرے آدمیوں سے سختی سے جس طرح سے بھی ہو بیعت لے لے، ابھی تک شاید کوفہ میں خبر نہیں پہنچی تھی کہ معاویہ مر گیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امام حسینؑ سے بیعت کا تقاضا کیا تھا، امام حسینؑ نے منع کر دیا تھا، وہ رضامند نہیں ہوئے، دو تین دن بعد پھر یہی گفتگو ہوئی۔ وہ لوگ آتے تھے کبھی نرم لہجے میں اور کبھی درشتی سے بات کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت نے مدینہ ہی چھوڑ دیا۔ امام حسینؑ ۲۷ رجب کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۳ شعبان کو مکہ پہنچ گئے۔ اہل کوفہ کا دعوت نامہ رمضان کو امام حسینؑ کو ملا یعنی بیعت کے مطالبے اور امامؑ کے انکار کو ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا اور مکہ میں امام کے قیام کو چالیس دن سے زیادہ گزر چکے تھے۔

اس لئے مسئلہ یہ نہیں ہے کہ پہلے انہوں نے دعوت دی بعد میں امامؑ نے انہیں سازگار جواب دیا اور چونکہ مثبت جواب دے دیا تھا اور ان کی طرف سے امیدوار بن چکے تھے پھر بیعت کرنا بے معنی تھا یعنی آپؑ نے اس لئے بیعت نہیں کہ اہل کوفہ کو مثبت جواب دے چکے تھے۔ نہیں، اہل کوفہ کی دعوت درمیان میں آنے سے پہلے آپ بیعت سے انکار کر چکے تھے اور فرما چکے تھے: میں بیعت نہیں کروں گا چاہے روئے زمیں پر میرے لئے کوئی ٹھکانہ باقی نہ رہے۔

یعنی اگر زمین کی تمام وسعتیں میرے لئے اس طرح تنگ کر دی جائیں کہ میرے رہنے کیلئے ایک نقطہ بھی موجود نہ رہے پھر بھی میں بیعت نہیں کروں گا۔

تیسرا عامل جسے دوسرے دو اسباب کی طرح تاریخ بیان کرتی ہے امر بالمعروف اور نہیع ن المنکر تھا جس کے نعرے کے ساتھ امام حسینؑ نے مدینہ سے سفر شروع کیا تھا اس لحاظ سے مسئلہ یہ نہیں تا کہ چونکہ وہ مجھ سے بیعت چاہتے ہیں اور میں اس کیلئے تیار نہیں ہوں اس لئے قیام کرتا ہوں بلکہ یہ تھا کہ وہ بیعت نہ بھی چاہیں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کے مطابق قیام کرتا ہوں اور یہ بھی مسئلہ نہیں تھا کہ چونکہ اہل کوفہ نے مجھے دعوت دی ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس لئے میں قیام کرتا ہوں۔ ابھی اہل کوفہ کی دعوت کو تقریباً دو مہینے باقی تھے۔ یہ ابتدائی دن تھے جن کا اہل کوفہ کی دعوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیائے اسلام کو منکرات نے گھیر رکھا ہے اس لئے میں دینی فریضے کے مطابق۔ شرعی اور خدائی ذمہ داری کے مطابق خود قیام کرتا ہوں۔

پہلے عامل میں امام حسینؑ مدافعت کرتے ہیں۔ لوگ ان سے کہتے ہیں کہ بیعت کیجئے! آپ فرماتے ہیں میں نہیں کرتا، وہ اپنا دفاع کرتے ہیں۔ دوسرے عامل میں امام حسینؑ سے تعاون کیا جاتا ہے ان کو مل کر کام کرنے کی دعوت دی گئی ہے، آپ نے مثبت جواب دے دیا ہے۔ تیسرے باب میں امام حسینؑ حملہ آور ہیں، یہاں انہوں نے حکومت وقت پر حملہ کر دیا ہے، اس سبب کے مطابق امام حسینؑ ایک انقلابی انسان ہیں۔ وہ انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔

ان عوامل میں سے ہر عامل امام حسینؑ کیلئے ایک قسم کا فرض واجب قرار دیتا ہے۔ یہ جو میں کہتا ہوں کہ اس تحریک کی کئی ماہیتیں ہیں وہ اسی لئے کہتا ہوں۔ بیعت کے عامل کے لحاظ سے امام حسینؑ کا سوائے بیعت نہ کرنے کے اور کوئی فریضہ نہیں ہے۔ اگر ابن عباس کی تجویز پر بھی عمل کرتے اور پہاڑوں میں چلے جاتے تو وہ اس فریضے پر عمل کر چکے ہوتے۔ اس فریضے کے انجام کے لحاظ سے امام حسینؑ کا یہ فرض نہیں تھا کہ کسی اور آدمی کو بھی اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دیں۔ انہوں نے مجھ سے بیعت چاہی میں بیعت نہیں کرتا، انہوں نے میری شرافت کا دامن آلود کرنا چاہا ہے میں نہیں کرتا۔ اہل کوفہ کی دعوت کے عامل کے لحاظ سے آپ کا فرض یہ ہے کہ انہیں مثبت جواب دیں اس لئے حجت تمام ہوئی ہے۔ ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ یہ اتمام حجت کس شکل میں ہوتی ہے۔ پھر مسئلہ امامت کیا ہوتا ہے؟ نہیں! مسئلہ امامت اس معنی میں نہیں ہے کہ امام کا کوئی شرعی فریضہ ہی نہ ہو۔ اتمام حجت اس بارے میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حضرت علیؑ خطبہ شقشقیہ میں فرماتے ہیں: ''لولا حضور...اولھا)''[۱]

اپنے زمانہ خلافت کے بارے میں کہتے ہیں: اگر لوگ حاضر نہ ہوتے اور لوگوں کے سامنے مجھ پر حجت تمام نہ ہوتی اور اگر خدا نے علماء اور داناؤں سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ جب لوگ اس طرح تقسیم ہو جائیں کہ پیٹ بھروں نے زیادہ سیر ہو کر کھالیا ہو اور فقیر بھوکے ہی رہ گئے ہوں تو اس قابل اعتراض حالت کے خلاف بھوکوں کی حمایت میں اور زیادہ کھانے والوں کے خلاف قیام کرو، میں عہدۂ خلافت قبول نہیں کرتا، میں ذاتی لحاظ سے اس کام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا لیکن یہ فریضے اور ذمہ داریاں میرے عہدے کی ذمے لگا دی گئی تھی۔

امام حسینؑ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اصولاً امام چونکہ امام ہوتا ہے، قابل تقلید ہوتا ہے، نمونہ ہوتا ہے، پیشوا ہوتا ہے، ہم امام کے عمل سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ فرائض کی تشخیص کس طرح کرنا چاہئے اور کس طرح عمل کرنا چاہئے۔ اہل کوفہ کی دعوت کے عامل کے لحاظ سے امام حسینؑ کا یہ فرض ہے کہ وہ کوفہ آئیں جب

۱۔ نہج البلاغہ خ ۳۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تک کہ وہ اپنے قول پر قائم ہیں۔ جس گھڑی سے انہوں نے اپنی پوزیشن بدل لی، اپنے قول سے پھر گئے، ہار گئے اور چلے گئے۔ پھر امام حسینؑ کا اس لحاظ سے کوئی فرض نہیں رہ جاتا۔ جس وقت زمام حکومت ہاتھ میں لینے کا مسئلہ ان کی طرف سے ختم ہو جاتا ہے تو پھر امام حسینؑ کا کوئی فرض نہیں رہتا لیکن امام حسینؑ کا وہ کام جو اس پر منحصر نہیں تھا یعنی اہل کوفہ کی دعوت ایک وقتی عامل تھا یعنی ایک ایسا عامل تھا جو ۱۵ رمضان سے شروع ہوا... بار بار خطوط آتے جاتے رہے، اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ امام حسینؑ کا وہ کام جو اس پر منحصر نہیں تھا یعنی اہل کوفہ کی دعوت ایک وقتی عامل تھا یعنی ایک ایسا عامل تھا جو ۱۵ رمضان سے شروع ہوا۔ بار بار خطوط آتے جاتے رہے، اس وقت تک جاری رہا، جب تک کہ امام حسینؑ کوفہ کے نزدیک یعنی عراق اور سعودی عرب کی سرحد تک نہیں پہنچ گئے۔ حر بن یزید ریاحی نے ملاقات کی، دوسری خبروں کے ساتھ قتل مسلم کی خبر بھی پہنچی پھر اہل کوفہ کی دعوت کا وجود ختم ہو گیا۔ اس نقطہ نظر سے امام کا کوئی فریضہ نہیں رہتا، اس لئے جب آپ اہل کوفہ سے بات کرتے ہیں آپ کے مخاطب اہل کوفہ ہیں، یزید اور حکومت وقت نہیں ہے۔ ان سست شیعوں سے کہتے ہیں: تم نے مجھے بلایا میں آگیا، تم نہیں چاہتے میں پلٹ جاتا ہوں... تم نے مجھے دعوت دی تھی۔

تمہارے بلاوے نے میرے لئے ایک فریضہ واجب کر دیا لیکن اب جو تم پشیمان ہو گئے ہو تو میں واپس جاتا ہوں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بیعت کروں گا۔ ہر گز نہیں! وہ عامل اور مسئلہ ہی دوسرا ہے۔ جیسا کہ آپؑ نے خود فرمایا ہے: چاہے تمام روئے زمین پر مجھے ایک نقطے کی بھی جگہ نہ ملے جہا ں میں پناہ لے سکوں (نہ تنہا تم مجھے جگہ نہیں دیتے) میں پھر بھی بیعت نہیں کروں گا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عامل کے لحاظ سے کہ امام حسینؑ کی نظر میں کوئی اور مدافع نہیں، یہ انہیں کسی کا تعاون حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ ایک ہجوم ہے، ایک انقلاب ہے۔ کس طرح؟ ان کے حساب سے یہ اپنی جگہ پر ہے۔

کتاب ''شہید جاوید'' کے مصنف نے اس مقام پر جو ایک غلطی کی ہے وہ میرے خیال سے یہ ہے کہ اس نے اہل کوفہ کی دعوت یک عامل کو حد سے زیادہ اہمیت دے دی ہے، جیسے اس نے سمجھ لیا ہو کہ اصلی اور بنیادی سبب یہی ہے۔ بیشک یہ اجتہادی اور استنباط کے نتائج ہیں، ٹھیک جو کوئی نتیجہ نکالتا ہے وہ غلطی بھی کرتا ہے، اس نے غلطی کی ہے۔ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا چاہتا، یہ اجتہادی غلطی بری ہے۔ ان اسباب میں سب سے چھوٹا سبب اثر کے اعتبار سے اہل کوفہ کی دعوت ہے، ورنہ اگر یہ بنیادی عامل ہوتا تو جس وقت امامؑ کو خبر پہنچی کہ کوفہ کی فضا بدل گئی ہے ت وامامؑ کو دوسری باتوں سے ہاتھ اٹھا لینا چاہئے تھا اور یہ کہنا چاہئے تھا بہت اچھا! اب جو ایسا ہو گیا ہے تو ہم بیعت کئے لیتے ہیں، اب ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بات نہیں کریں گے۔ اتفاق کی بات ہے کہ معاملہ بالکل الٹا ہے۔ امام حسینؑ کا سب سے زیادہ شور انگیز اور پر ہیجان خطبہ... کوفہ کی شکست کے بعد ہے۔

یہ مقام ہے جو نشاندہی کرتا ہے کہ امام حسینؑ کس قدر امر بالمعروف اور نہیع ن المنکر کے عامل پر زور دیتے ہیں اور کس حد تک اس فاسد حکومت پر حملہ کرتے ہیں۔ اس عامل کے لحاظ سے امام حسینؑ اس وقت کی فاسد حکومت پر ہجوم آور ہیں، انقلابی ہیں، راستے میں آپ کی نظر دو آدمیوں پر پڑتی ہے جو کوفہ سے آرہے ہیں۔ آپؑ ٹھہر جاتے ہیں تاکہ ان سے بات چیت کریں۔ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ امام حسینؑ ہیں، اپنا راستہ بدل لیتے ہیں۔ امام حسینؑ بھی سمجھ جاتے ہیں کہ وہ بات کرنا نہیں چاہتے، اس لئے اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ بعد میں آپؑ کے ایک صحابی نے جو پیچھے پیچھے آرہا تھا ان لوگوں کو دیکھ لیا، ان سے گفتگو کی، ان لوگوں نے مسلم اور ہانی کی شہادت سے متعلق کوفہ کے تکلیف دہ واقعات اسے سنائے اور بولے خدا کی قسم ہمیں امام حسینؑ کو یہ خبر سنانے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سے شرم آرہی تھی۔ وہ شخص جب بعد میں امام حسینؑ سے آکر ملا اور جس مقام پر امامؑ بیٹھے ہوئے تھے پہنچا تو بولا: میرے پاس ایک خبر ہے، آپ جس طرح اجازت دیں گے عرض کردوں گا۔ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو یہیں عرض کئے دیتا ہوں ورنہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں تخلیہ میں عرض کروں تو بطور خصوصی عرض کئے دیتا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا کہو! میں اپنے اصحاب سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔ ہم اسی طرح آپس میں یک رنگ ہیں۔ اس نے واقعہ سنایا کہ آپ جن دو لوگوں سے کل ملاقات کرنا چاہتے تھے لیکن جنھوں نے اپنی راہ بدل لی تھی میں نے ان سے بات چیت کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کوفہ سقوط کر گیا، مسلم اور ہانی قتل ہو گئے۔ آپؑ نے اس جملے تک سنا، پہلے آپ کی آنکھوں سے انسو جاری ہو گئے۔ اب دیکھئے کیا جملہ فرماتے ہیں: { من المومنین... تبدیلا } (۱) سبحان اللہ! دراصل اس موقع کیلئے قرآن سے اس سے زیادہ مناسب آیت آپ پیش نہیں کر سکتے۔ بعض مومنوں نے خدا سے جو عہد کیا وہ پورا کیا، انہیں میں سے جو اپنا وعدہ وفا کرنے والے ہیں بعض گزر گئے اور چلے گئے، شہید ہو گئے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کی باری آئے یعنی ہم صرف کوفہ کیلئے نہیں آئے ہیں۔ کوفہ سقوط کر چکا تو کر چکا۔ ہمارا سفر اہل کوفہ کی دعوت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے۔ یہ بھی ایک عامل تھا جس نے ہمارے لیے یہ فریضہ لازم کر دیا کہ ہم جلدی جلدی مکہ سے کوفہ کی جانب آئیں۔ ہمارا فرض اس سے بھی بڑا اور اہم ہے۔ مسلم نے اپنا عہد نبھایا اور ان کا کام ختم ہو گیا، انجام کو پہنچ گئے، وہ شہید ہو گئے، مسلم کا وہ مقدر ہم

)۱(۔احزاب: ۲۳۔

بھی اپنائیں۔

اس لحاظ سے کہ امامؑ ہجوم کرنے والے اور انقلابی تھے آپ کی منطق ہیں اور دفاع و تعاون کی منطق میں فرق ہے۔ دفاع کی منطق ایک ایسے آدمی کی منطق ہے جو بیش قیمت چیز رکھتا ہے، چور اسے چرانا چاہتا ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ڈھینگا مشتی کرے اور چور کو زمین پر دے مارے لیکن اس بات کی فکر نہیں کرتا کہ اسے مضبوطی سے پکڑ کر اندر چلا جائے تا کہ چور اسے نہ چھینے۔ اسے اس سے غرض نہیں کہ اس وقت اس کی طاقت کم ہے یا زیادہ، بات یہ ہے کہ وہ اسے چور سے بچانا چاہتا لیکن ایک حملہ آور شخص یہ نہیں چاہتا کہ وہ فقط اپنی ہی حفاظت کرے۔ وہ اسے اچک لے جانا چاہتا ہے اگر چہ اپنی شہادت کی قیمت پر ہی ہو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی منطق نے امام حسینؑ کی منطق کو شہید کی منطق بنا دیا۔ شہید کی منطق ان منطقوں سے الگ تھلگ ہوتی ہے۔

شہید کی منطق یعنی ایسے شخص کی منطق جو اپنے جامعہ کیلئے ایک پیغام رکھتا ہے اور یہ پیغام وہ اپنے خون کے سوا اور کسی چیز سے نہیں لکھنا چاہتا۔ دنیا میں بہت سے لوگوں کے پاس کہنے کی باتیں تھیں، پیام تھا، ان کھدائیوں میں جو دنیا میں چاروں طرف برابر جاری رہتی ہیں یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں بادشاہ یا عوامی صدر کا سنگی کتبہ اس مضمون کا ملتا ہے: میں فلاں ابن فلاں ہوں... میں وہ ہوں جس نے فلاں مقام کو فتح کیا تھا۔ میں نے دنیا میں کتنی عمر پائی، کتنی شادیاں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کیں، کتنا عیش کیا، کتنا کھایا پیا، کتنا ظلم و ستم کیا، پتھر پر لکھوا دیتے ہیں تا کہ مٹ نہ جائے لیکن انہیں پتھروں پر یہ بات بھی رہ جاتی ہے، لوگ بھول جاتے ہیں، زمین میں دفن ہو جاتا ہے ہزاروں سال کے بعد زمین میں سے نکلتا ہے اور نیا نیا عجائب گھروں میں رکھ دیا جاتا ہے۔

امام حسینؑ نے اپنا خونی پیغام لرزتی ہوا کی صفحہ پر لکھ دیا لیکن چونکہ خون اور سرخ رنگ سے ملا ہوا تھا دلوں پر کندہ ہو گیا۔ آج آپ عرب اور عجم کے لاکھوں کروروں افراد دیکھتے ہیں جو امام حسینؑ کے پیغام سے واقف ہیں: ''انی...الا برما''۔

جب آدمی شرمناک زندگی بسر کرنا چاہتا ہے، جب آدمی ظالم اور ستمگر کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے جب آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی صرف روٹی کھانے، پانی پینے، سونے اور ذلت اٹھانے کیلئے ہو تو ایسی زندگی سے ہزار بار موت بہتر ہے... یہ شہید کا پیغام ہے۔

امام حسینؑ جو حملہ آور ہیں اور جن کی منطق شہید کی منطق ہے جس دن اپنا پیغام کربلا کی زمین پر ثبت کر رہے تھے نہ وہاں کاغذ تھا نہ قلم تھا۔ ہوا کا یہی لرزتا ہوا صفحہ تھا لیکن ان کا یہ پیغام ہوا کے لرزاں صفحے پر کیوں باقی رہ گیا؟ اس لئے کہ دلوں کے صفحے پر فوراً منتقل ہو گیا۔ دلوں کے صفحے پر ایسا کندہ ہوا کہ پھر مٹنے والا نہیں ہے۔

ہر سال جب محرم آتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ پھر سے ابھرتے ہیں، از سر نو زندہ ہوتے ہیں، پھر کہتے ہیں: ''خط...الی یوسف''(۱) ہم پھر دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کا یہ پیغام ہے: ''الا...وطہرت''۔

تیس ہزار آدمیوں کے مقابلے میں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہے ہیں جن میں سے ہر ایک کندھے پر تلوار رکھے اور ہاتھ میں نیزہ لیے ہے باوجودیکہ آپ کے تمام اصحاب قتل ہو چکے ہیں اور آپ اکیلے رہ گئے ہیں آپ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں: یہ نالائق کا بیٹا نالائق، یہ حرام زادے کا بیٹا حرام زادہ یعنی یہ تمہارا امیر اور حاکم نے، اس عبید اللہ بن زیاد نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ حسینؑ دو کاموں میں سے ایک کام کا اختیار رکھتے ہیں یا تلوار یا ذلت... حسینؑ اور ذلت اٹھانا! ''ھیات منا الذلۃ''''ہم کہاں اور ذلت کہاں!''میرا خدا میرے لیے ذلت پسند نہیں کرتا... یہ شہید کا پیغام ہے، میرا خدا میرے لئے ذلت پسند نہیں کرتا۔ دنیا کے مومن، پاک نسلیں اور ذاتیں (لوگ قیامت کے دن تک آتے رہیں گے ار اس موضوع پر بات کریں رہیں گے) اور جو مومن بعد میں آنے والے ہیں کوئی ایک بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ ان کا حسینؑ ذلت اختیار کرے... میں اور ذلت اختیار کروں؟ میں حضرت علیؑ کی گود میں پل کر بڑا ہوا ہوں، میں جناب زہرا کی گود میں بڑا ہوا ہوں، میں نے جناب زہراؑ کا دودھ پیا ہے۔ میں اور ذلت اختیار کروں؟

آپ نے جس دن مدینہ سے سفر شروع کیا آپ مہاجم (حملہ آور) تھے۔ آپ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو وصیت نامہ لکھتے ہیں اس میں کہتے ہیں: ''انی ماخرجت...ابن ابی طالب علی السلام'' دنیا والے جان لیں کہ میں کسی جاہ اور منصب کا خواہاں، تخریب کار، مفسد اور ظالم نہیں ہوں، میرے اہداف یہ نہیں ہیں، میرا قیام اصلاح کرنے والا قیام ہے، میں نے قیام کیا ہے۔ میں نے خروج کیا ہے اس لئے کہ میں اپنے جد کی امت کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۔ مقتل خوارزمی ج۲ ص۵۔

میں امر بالعمروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔ محمد ابن حنفیہ کے نام خط میں نہ بیعت مانگنے کا نام ہے، نہ اہل کوفہ کی دعوت کا تذکرہ ہے کیونکہ اصل میں ابھی تک اہل کوفہ کا مسئلہ ہی سامنے نہیں آیا تھا۔

اس منطق میں یعنی ہجوم (حملے) کی منطق، شہید کی منطق، کسی اور منطق سے نہیں ہو سکتی۔ کس طرح؟ اگر امام حسینؑ کی منطق صرف دفاع (بچاؤ) کی منطق ہوتی، تو عاشور کی رات کو جب اپنے اصحاب کو رخصت کرتے ہیں (اس دلیل سے جو میں عرض کر چکا ہوں) بیعت اٹھا لیتے ہیں تاکہ وہ لوگ آگاہی کے ساتھ اپنا کام منتخب کر لیں۔ پھر جب وہ اپنے کام کا انتخاب کر لیتے ہیں تو انہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہ دیتے اور کہہ دیتے کہ شرعاً یہ بات جائز نہیں ہے کہ تم یہاں قتل کئے جاؤ۔

یہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہتا ہیں، مجھ سے بیعت چاہتے ہیں میرا فرض یہ ہے کہ میں بیعت نہ کروں مارا گیا تو مارا گیا یہ لوگ تمہیں نہیں مارنا چاہتے تو تم کیوں یہاں ٹھہرو؟ نہیں شرعاً یہ بات جائز نہیں ہے تم لوگ چلے جاؤ۔

نہیں! ایسا نہیں ہے...تاثر اور انقلابی منطق ہیں۔ اس شخص کی منطق میں جو مہاجم (قیام) کر رہا ہے اور اپنا پیغام اپنے خون سے لکھنا چاہتا ہے اس موج (انقلاب) میں جتنی وسعت اور پھیلاؤ پیدا ہو بہتر ہے چنانچہ جب آپ کے دوست اور خاندان والے اپنی آمادگی کا اعلان کرتے ہیں تو آپ ان کیلئے دعا کرتے ہیں کہ خدا تمہیں خیر دے، خدا تم سب کو اجر عطا فرمائے۔

عاشور کی رات میں حبیب ابن مظاہر اسدی کو کیوں بھیجتے ہیں کہ بنی اسد کے پاس جاؤ اور ہو سکے تو کچھ آدمی میرے پاس لے آؤ؟ مگر بنی اسد کل کتنے تھے؟ اب میں فرض کرتا ہو کہ حبیب ابن مطاہر گئے اور بنی اسد کے سو آدمی لے آئے تو یہ لوگ ان تیس ہزار کے مقابلے میں کیا کارنمایاں کر سکتے تھے؟ کیا حالات کو پلٹ سکتے تھے ہرگز نہیں! امام حسینؑ چاہتے تھے کہ اس منطق میں جو ہجوم (حملے) کی منطق، شہید کی منطق اور انقلاب کی منطق ہے اس کے دامن میں وسعت پیدا ہو۔ اپنے خاندان کو جو ساتھ لائے تھے تو اسی لئے لائے تھے کہ ان کے پیام کا ایک حصہ ان کا خاندان بھی لوگوں تک پہنچائے۔ خود امام حسینؑ نے کوشش کی کہ جب یہ قضیہ یہاں تک بڑھ گیا ہے تو جتنا زیادہ پرسوز ہو سکے ہو جائے۔ بیج اس لیۓ بوئے کہ دنیا میں ہمیشہ پھل اور میوہ دیتا رہے۔ کربلا میں کیسے کیسے مناظر اور کیسے کیسے واعات دیکھنے میں آئے جو واقعی نہایت حیرت انگیز ہیں! اب ہم دیکھیں کہ ان تینوں عامل میں یعنی اہل کوفہ کی دعوت کا عامل جو اس تحریک کو تعاون کی ماہیت دیتا تھا، تقاضائے بیعت کا عامل جو اس تحریک کو دفاعی ماہیت دیتا تھا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عامل جو اس تحریک کو ہجوم (حمیل) کی ماہیت دیتا تھا۔ کون سے عامل کی اہمیت دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ان اسباب کی اہمیت ایک ہی درجہ کے نہیں۔ ہر عامل ایک مقررہ درجے کی اہمیت رکھتا ہے اور اس تحریک کو اسی درجے کی اہمیت بخشتا ہے۔ اہل کوفہ کی دعوت کا عامل اس لئے کہ لوگوں نے اس شخص کیلئے آمادگی ظاہر کر دی ہے جو اس کام کیلئے نامزد ہو چکا ہے اور اس نے بھی بلا کسی تاخیر اپنی آمادگی کا اعلان کر دیا۔ بہت اہمیت کا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حامل ہے لیکن اس سے بھی زیادہ تقاضائے بیعت اور امام حسینؑ کا انکار، قتل ہو جانے پر آمادہ مگر بیعت سے انکار کا عامل اہمیت رکھتا ہے۔ تیسرا عامل جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اس بناء پر تیسرے عامل نے تحریک حسینی کو سب سے زیادہ اہمیت بخشی ہے۔ اس اہمیت کے متعلق جو کوئی عامل کسی تحریک کو عطا کرتا ہے اور اس اہمیت کے متعلق جو اس تحریک کا بانی اس عامل کو بخشتا ہے میں ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں:

بہت سی چیزیں چاہے وہ روحانیت کی ہوں چاہے مادّی امور میں سے ہوں انسان کیلئے اہم ہوتی ہیں، افتخار ہوتی ہیں، زینت ہوتی ہیں، زیور ہوتی ہیں، علم بے شبہ انسان کیلئے زینت ہے... عہدے اور مقامات خصوصاً خدائی عہدے اور مقامات انسان کیلئے فخر کا موجب ہوتے ہیں، اہمیت رکھتے ہیں، انسان کو وقار و منزلت بخشتے ہیں۔ وہ ظاہری چیز جو ان اہمیتوں کی نمائندہ ہے انسان کو اہمیت عطا کرتی ہے مثلاً کوئی شخص روحانیت کا لباس پہنتا ہے۔ بیشک روحانیت کا لباس صرف روحانی ہونے یعنی اسلامی معارف کا علم اور اسلامی تقویٰ رکھنے کی دلیل نہیں ہے۔ روحانی یعنی معارف اسلامی کا عالم اور اسلامی احکام پر عامل، یہ لباس اس کی علامت ہے کہ میں روحانی ہوں۔ اب اگر کوئی شخص حقیقت کے مطابق پہنے ہوئے ہے اور تو علامت صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں ہے۔ بہر حال یہ لباس اس وجہ سے کہ اسے ایسے لوگوں نے زیادہ پہنا ہے جن میں روحانیت کی معنویت اور حقیقت رہی ہے اس شخص کیلئے بھی جو اسے پہن لیتا ہے لازمی طور پر وجہ افتخار بن جاتا ہے۔ میں بھی جو اس لباس کے پہننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور تم جو مجھے نہیں پہچانتے کسی جلسے میں جب میرے سامنے آؤ گے تو اسی لباس کی بدولت جو تم مجھے پہنے دیکھو گے تو اسی ناواقفیت کے عالم یں بڑا احترام کرنے لگے گے... تو یہ لباس اس کیلئے افتخار ہے جو اسے پہن لیتا ہے، یونیورسٹی کے استاد کا لباس یونیورسٹی کے استاد کیلئے افتخار ہے، وہ جس وقت یہ لباس پہن لیتا ہے تو اس پر فخر کرتا ہے، عورت کیلئے زیور سجاوٹ کا ذریعہ ہے۔

تحریکوں میں بھی بہت سے عامل ایک تحریک کو اہمیت بخشتے ہیں۔ تحریکوں میں باہم بہت فرق ہوتا ہے۔ اگر اس میں عصبیت کی روح ہوت وہ تحریک کو ایک قسم کی اہمیت دیتی ہے اور اگر اس میں معنوی، انسانی اور خدائی روحیں ہوں تو اسے دوسری قسم کی اہمیت مل جاتی ہے۔ تحریک حسینی میں کارفرما تینوں عوامل نے اس تحریک کو اہمیت عطا کی بالخصوص تیسرے عامل نے لیکن کبھی کبھی وہ شخص جس نے اس قدر وقیمت کا تعلق ہوتا ہے ایک ایسی حالت پیدا کر دیتا ہے جو اس قدر وقیمت کو اور اہمیت بخشتی ہے۔ جس طرح وہ قدر وقیمتم اس شخص کو منزلت عطا کرتی ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس قدر وقیمت کی شان بڑھا دیتا ہے۔ جس طرح ایک روحانی شخص جب روحانیت کا لباس پہن لیتا ہے تو واقعی وہ لباس اس کیلئے باعث افتکار ہو جاتا ہے، اسے اس بات پر فخر کرنا چاہئے کہ یہ لباس اس کو پہنا دیا گیا ہے اور حقیقی روحانیوں نے بھی اسے مان لیا ہے لیکن ایک شخص اپنے کام کو روحانیت کے فرائض کی انجام دہی میں علم، تقویٰ اور عمل میں ایسے مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ وہ اس لباس کیلئے باعث افتخار بن جاتا ہے۔ ہم کہنے لگتے ہیں کہ روحانیت کا لباس وہ لباس ہے جو فلاں شخص بھی پہنتا ہے ایسا لباس ہے کہ اس نے بھی پہن رکھا ہے۔ اب ہم تاریخی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ یہ کہیں کہ جناب! یہ عبا اور عمامہ کیا چیز ہے؟ تو ہم کیا کہیں گے؟ ہم کہیں گے کہ بوعلی سینا نے بھی یہی لباس پہنا ہے جس پر تمام اسلامی ممالک فخر کرتے ہیں۔ عرب کہتا ہے کہ بوعلی سینا میرا ہے کیونکہ اس کی کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ ایرانی کہتا ہے کہ وہ میرا ہے کیونکہ وہ بلخی ہے اور بلخ قدیم سے ایرانی سرزمین چلی آ رہی ہے۔ روسی کہتے ہیں کہ وہ ہمارا ہے اس لئے بلخ اس وقت ہمارے ملک میں شامل ہے۔ ہر گروہ کہتا ہے کہ وہ ہمارا ہے اور تمام قومیں اس پر فخر کرتی ہیں۔ ابوریحان

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

البیرونی کا بھی یہی معاملہ ہے۔ت و بو علی اور ابوریحان اس لباس کیلئے باعث افتخار گزرے ہیں۔ شیخ انصاری، خواجہ نصیر الدین طوسی نے بھی لباس روحانیت سے افتخار پایا ہے اور لباس روحانیت کو خود بھی افتخار بخشا ہے۔یونیورسٹی کے ایک استاد کیلئے بھی یہی بات ہے۔کچھ لوگوں کیلئے استادی کا لباس باعث افتخار ہوتا ہے لیکن اس بات کا بھی امکان ہے کہ کسی استاد کی شان کو استادی کے کام، علم، تخصص اور تحقیق میں اتنی بلندی مل جائے کہ وہ استادی کے لباس کیلئے باعث افتخار بن جائے۔عورت کیلئے زیور زینت کا سبب ہوتا ہے لیکن کسی عورت کے سلسلے میں یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ سچ مچ یہ کہیں کہ اس کا چہرہ زیورات کو زینت بخشتا ہے۔

امیر المومنینؑ کے ایک صحابی ''صعصعہ ابن صوحان عبدی'' کا ایک جملہ بہت موزوں اور اچھا ہے۔جناب صعصعہ حضرت علیؑ کے خاص صحابی ہیں، حضرت علیؑ سے حساب میں تربیت پائے ہوئے خطیب بھی ہیں۔عرب کا اوّل درجے کا ادیب، حافظ کہتا ہے کہ صعصعہ ایک خطیب تھے اور ان کے خطیب ہونے کی بہترین دلیل یہ ہے کہ کبھی کبھی حضرت علی ابن ابی طالبؑ ان سے کہہ دیتے تھے کہ کھڑے ہو کر کچھ کلمے کہہ دو۔یہ صعصعہ وہی ہیں جنہوں نے حضرت علیؑ کی قبر پر بھی نہایت اعلیٰ اور پر سوز تقریر کی ہے۔

اس شخص نے امیر المومنینؑ کو آپؑ کی خلافت پر تین چار دلکش جملوں میں مبارباد دی تھی۔جس وقت امیر المومنینؑ خلیفہ ہوئے تو لوگ مبارک باد دینے آئے تھے۔ایک مبارک باد جناب صعصعہ نے بھی کہی تھی۔آپ نے کھڑے ہو کر امیر المومنینؑ کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''زینت الخلافۃ وما زانتک و رفعتھا و ما رفعتک وھی الیک احوج منک الیھا'' (۱) (ان تین چار جملوں کی قدر و قیمت دس ورق کے ایک مقالے کے برابر ہے) انہوں نے کہا اے علیؑ! آپ خلیفہ ہو گئے تو خلافت نے آپ کو کوئی زینت نہیں بخشی بلکہ آپ نے خلافت کو چار چاند لگا دئیے، خلافت نے تم کو اونچا نہیں کیا جو آپ خلیفہ ہوئے بلکہ آپ نے خلافت کے مقام کو بلند کر دیا۔اے علیؑ! آپ خلافت کے محتاج نہیں تھے بلکہ خلافت کو آپ کی ضرورت تھی یعنی اے علیؑ! میں خلافت کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آج اس کا نام آپ پر رکھا گیا ہے۔میں آپ کو مبارکباد نہیں دیتا کہ آپ خلیفہ ہو گئے، میں خلافت کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ خلیفہ ہو گئے آپ کو مبارکباد نہیں دیتا کہ آپ خلیفہ ہو گئے...اس سے بہتر نہیں کہا جا سکتا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عنصر نے حسینی تحریک کو قدر و قیمت بخشی لیکن امام حسینؑ نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو منزلت بخشی۔امر بالعمروف و نہی عن المنکر تحریک حسینی کو بلندی پر لے گیا لیکن امام حسینؑ نے اس اصل کو اس شکل میں اور اس طریقے سے جاری کیا کہ اس اصول کی شان بلند ہو گئی۔آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصل کے سر پر فخر کا تاج رکھ دیا۔بہت سے کہتے ہیں کہ ہم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔امام حسینؑ نے بھی دوسروں کی طرح پہلے صرف ایک ہی جملہ کہا تھا: ''اریدان...علیہ السلام'' خود اسلام کی بھی یہی بات ہے۔اسلام ہر مسلمان کیلئے افتخار کا باعث ہے لیکن ایسے مسلمان بھی ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنوں میں اسلام کا فکر ہیں، دین کی عزت ہے، دین کا شرف ہیں، اسلام کا شرف ہیں۔ہم لوگوں کا تعارف کراتے وقت اکثر ان میں یہ القاب دیتے ہیں لیکن سب لوگ تو ایسے نہیں ہیں، ایک بندہ کسی کے بارے میں ایسی بات کہے تو وہ محض جھوٹ ہے۔اگر میں کہوں کہ میں فکر اسلام ہوں اسلام کیلئے میرا وجود باعث افتخار ہے تو میں کون ہوں؟ مجھے یاد ہے کہ سات آٹھ سال پہلے مجھے شیراز دانش گاہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۹۔

میں تقریر کرنے کیلئے بلایا گیا تھا (وہاں کی دینی انجمن نے بلایا تھا)۔ وہاں استاد حتیٰ رئیس سبھی موجود تھے۔ وہاں کے ایک استاد کو میرا تعارف کرانے پر مامور کیا گیا جو پہلے وہاں طالب علم تھے، پھر انہوں نے امریکہ جاکر تعلیم حاصل کی اور ڈاکٹر ہو کر واپس آئے اور واقعی وہ ایک فاضل شخص بھی ہیں۔ وہ آئے اور منصۂ خطاب (روسٹرم) کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ (وہ جلسہ بھی اس جلسے کی طرح بہت بھرا ہوا اور باعظمت تھا) کچھ تعارف کرایا: میں فلاں شخص کو جانتا ہوں، حوزۂ قم ایسا، ویسا وغیرہ، اپنی باتوں کے آخر میں یہ جملہ بھی کہا:

میں یہ جملہ کمال جرأت سے کہتا ہوں: اگر دوسروں کیلئے روحانیت کا لباس باعث فخر ہے تو فلاں شخص لباس روحانیت کیلئے باعث افتخار ہے... اس بات سے میں جل گیا، میں کھڑے ہو کر تقریر کر رہا تھا۔

میں نے اپنی عبا پہلے پلیٹ کر منصۂ خطاب (روسٹرم) پر رکھ دی تھی، میں نے کچھ باتیں کیں۔ ان صاحب کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا: جناب وال! یہ کیا بات تھی جو آپ کی زبان سے ادا ہوئی؟ آپ سمجھتے بھی ہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں کیا چیز ہوں جو آپ کہتے ہیں کہ یہ شخص اس لباس کیلئے فخر کا باعث ہے،! باوجودیکہ میں اس وقت دانش گاہ کا بھی استاد تھ اور ایک اصطلاح سے دو زندگیوں والا تھا۔ میں نے کہا جناب! عمر بھر میں مجھے ایک ہی فخر نصیب ہوا ہے اور وہ یہی عمامہ اور عبا ہے، میں کیا چیز ہوں جو آپ کہتے ہیں کہ یہ شخص اس لباس کیلئے فخر کا باعث ہے! باوجودیکہ میں اس وقت دانش گاہ کا بھی استاد تھا اور ایک اصطلاح سے دو زندگیوں والا تھا۔ میں نے کہا جناب! عمر بھر میں مجھے ایک ہی فخر نصیب ہوا ہے اور وہ یہی عمامہ اور عبا ہے، میں کای چیز ہوں جو افتخار بن سکوں؟ یہ اسلام وہ ہے جسے جناب باوذر نے پالا ہے، عمار یاسرؓ اسلام کا افتخار ہیں، یہ اسلام وہ ہے جس کی پرورش عمار یاسر نے کی ہے... بو علی سینا اسلام کا افتخار ہیں، یہ اسلام وہ ہے جسے بو علی سینا کی ذہانت شگفتہ کیا ہے۔ خواجہ نصیر الدین اسلام کا افتخار ہے، صدر المتالٰہین شیرازی اسلام کا افتخار ہیں، شیخ مرتضیٰ انصاری اسلام کا افتخار ہیں، میر داماد اسلام کا افتخار ہیں، شیخ بہائی اسلام کا افتخار ہیں... اسلام بیشک افتکار رکھتا ہے یعنی اس نے ایسے ایسے فرزندوں کی تربیت کی ہے جنہیں دنیا شمار میں لاتی ہے اور سمار میں لانا بھی چاہئے کیونکہ یہ دنیا کے فرہنگ میں موثر نقش چھوڑ گئے ہیں۔ دنیا یہ نہیں کر سکتی کہ چاند کے کرہ کے ایک حصے کو خواجہ نصیر الدین کے نام سے مخصوص کرے اور چاند کے کرہ کے ایک حصے ک انام اس کے نام پر رکھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ چاند کے کرہ کے متعلق بعض انکشافات میں اس کا بھی دخل ہے۔ اسے کہنا چاہئے افتخار اسلام... ہم کون ہوتے ہیں؟ ہماری کیا اہمیت ہے؟ اگر ہمیں اسلام قبول کرے تو اسلام ہمارا افتخار ہگا۔ اگر اسلام یہ مان لے کہ وہ ہمارے سینے پر تمغے کی شکل میں آویزاں رہے تو ہم بہت ممنون بھی ہوں گے۔ کیا ہم اسلام کے سینے پر تمغہ بن گئے ہیں! ہم عالم اسلام کیلئے باعث شرم ہیں، ہم مسلمانوں کی اکثریت عالم اسلام کیلئے باعث شرم ہیں تو دوسرے تعارفوں کو چھوڑیئے اصلی تعارف یہ ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

امام حسینؑ کے بارے میں حق ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کو قدر و قیمت دیا، اعتبار بخشا، آبرو عطا کی، یہ اصول جو مسلمانوں کی آبرو ہے۔ یہ جو میں کہہ رہا ہوں کہ یہ اصول مسلمانوں کی آبرو ہے اور مسلمانوں کو وقار و منزلت عطا کرتا ہے یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں یہ قرآنی آیت کی عین تفسیر ہے: { کنتم خیر... عن المنکر } دیکھئے قرآن کیسی تعریف کرتا ہے! بخدا آدمی کو قرآن کی ان تعریفوں پر حیرت ہوتی ہے۔ ''کنتم خیر امۃ اخرجت للناس'' تم ایسے رہے ہو (''رہے ہو'' قرآن میں ایسے موقعوں پر یعنی تم ہو) تم سب سے اہم اور با وقار قوم ہو جو انسانوں کیلئے وجود میں آئی ہے لیکن وہ کون سی چیز ہے جس نے تمہیں اتنی منزلت بخشی ہے اور بخش رہی ہے کہ اگر وہ تمہارے پاس ہے تو تم اہم ترین قوم ہو؟ تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر'' اگر تمہارے پاس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو تو یہ اصول تم مسلمان قوم کو منزلت عطا کرے گا، تم اس وجہ سے اہم ترین امت ہو کہ تمہارے پاس یہ اصول موجود ہے (ابتدائے اسلام میں بھی ایسا ہی تھا) تمہیں اسی اصول نے اہمیت بخشی ہے۔ تو کیا جس دن یہ اصول ہمارے پاس نہیں رہے گا ہم بے وقار قوم بن جائیں گے؟... ہاں! یہی ہے لیکن امام حسینؑ نے اس اصول کو مقام و منزلت اور اہمیت عطا کی۔

بعض اوقات ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں لیکن ہم اس اصول نہ صرف اہمیت نہیں دیتے بلکہ اس کے مقام کو سو درجہ نیچے لے آتے ہیں۔ اس وقت عوام کے خیال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسے کہتے ہیں؟ بہت چھوٹے چھوٹے جزوی مسائل کو جنہیں نادرست مسائل نہیں کہتا (اگرچہ ان میں سے بعض نادرست بھی ہوتے ہیں) لیکن یہ جس وقت اپنے کل میں واقع ہوں تو مناسب ہیں مثلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگر کسی شخص کیلئے یہی ہو کہ جناب! آپ اپنی انگلی سے یہ سونے کی انگوٹھی اتار لیجیے، یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ صحیح بات ہے لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آدمی اور کوئی منکر ہی نہ دیکھے بجز اس ایک کے، بجز داڑھی کے مسئلے کے، بجز کوٹ شلوار سے متعلق مسائل کے۔ ایک صاحب کہتے تھے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ایک اور شخص کے بارے میں بہت بڑبڑا رہا تھا اور غصے میں اسے کافر اور فاسق تک کہہ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیا کیا ہے جو تم اسے اس قدر برا سمجھ رہے ہو (برا آدمی ملعون جہنمی)؟ اس نے جواب دیا: وہ مڑی ہوئی قمیص کا آدمی ہے یعنی اس کی قمیص کا لردار ہے (مضحکہ انگیز، نقل مجلس) اب جبکہ ہمارا نہی عن المنکر اس حد تک تنزل کر جائے تو ہم نے گویا اس اصول کو گرا دیا ہے، حقیر اور چھوٹا بنا دیا ہے۔ جو آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر سعودی ملک میں موجود ہیں انہوں نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آبرو ہی ختم کر دی ہے۔ بس ایک کوڑا ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں کہ کوئی کعبہ یا پیغمبر اکرمؐ کی ضریح کا بوسہ نہ لے۔ کیا یہ بھی کوئی نہی عن المنکر ہے!

لیکن امام حسینؑ کو دیکھئے! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا کام تھا جو بنیاد سے اسلام کی تمام نیکیوں پر نظر رکھتے تھے اور ان کی فہرست بتاتے تھے اور دنیائے اسلام کی تمام برائیوں پر بھی ان کی نظر تھی، وہ فرماتے تھے کہ دنیائے اسلام کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی برائی (منکر) خود یزید ہے ''فلعمری... بدین اللہ'' (۱) امام اور رہبر وہ شخص ہوتا ہے جو خود کتاب پر عامل ہو، خود عدالت قائم کرے اور خدا کے دین کا ماننے والا ہو۔ اس اصل کی راہ میں جو کچھ ہے اسے اخلاص سے پیش کرنا چاہئے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ کو موت سے سجایا۔ اس موت کو شکوہ اور جلال بخشا، جس دن گھر سے نکلے ہیں اسی دن سے اچھی موت کی باتیں کرتے ہیں، کتنی اچھی باتیں ہیں! ہر موت کو اچھا نہیں کہتے تھے... حق اور حقیقت کی خاطر موت کو اچھا سمجھتے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تھے۔ ''خط الموت...جید الفتاہ'' ایسی موت انسان کی ایسی ہی زینت ہوتی ہے جیسی زینت گلوبند کسی عورت کیلئے ہوتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ صاف واشعار ہیں جو آپؑ کربلا کی طرف آتے ہوئے راستے میں پڑھتے تھے جو غالباً خود انہیں کے ہیں یا ہو سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ حضرت علیؑ کے ہوں:

وان تکن الدنیا تعد نفیسۃ   فدار ثواب اللہ علی وانبل

''اگرچہ دنیا خوشنما، نفیس اور اچھی ہے لیکن دنیا جتنی حسین ہے اس سے زیادہ ہی حسین، نفیس اور خوشنما اور خوشنما خدا کا پاداش خانہ ہے''۔

وان تکن الاموال للترک جمعھا   فما بال متروک بہ المرء یبخل

''آخر جب مال دنیا چھوڑ کر چلا ہی جانا ہے تو انسان کیوں نہ اسے بخشش کرے، انسان کیوں نہ دوسروں کی مدد کرے، انسان کیوں نہ خیرات کرے''۔

وان تکن لابدان للموت انشات   فقتل امرء بالسیف فی اللہ افضل ۲)

''آخر کار جب اس بدن کو موت آنا ہی ہے تو خواہ بستر پر مریں، جنگ میں مریں، کسی بیماری

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۰۴ اس میں ذکر الداین بدین الحق ہے۔

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۲۱۳

سے مریں یا کسی جرثومے سے مریں، پھر انسان کیوں نہ اچھی موت مرے۔ پس انسان کا خدا کی راہ میں تلوار سے قتل ہونا بہت اچھا بلکہ سب سے اچھا ہے''۔

اب میں یہیں دعا کرتا ہوں اور آپ سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں:

اے خدا!

ہم تجھے قسم دیتے ہیں...

اے پروردگار...!

اسلام کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے ہمارے سینے کھول دے۔

اے پروردگار...!

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہمیں ان فریضوں اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کی توفیق دے جو تو نے ہمارے عہدوں پر عائد کی ہیں۔

اے پروردگار...!

اسلام کے دشمنوں کو ذلیل کر... ہمیں دنیا اور آخرت کی نیکیاں عطا فرما۔

ہمارے اموات کی مغفرت فرما اور ان پر اپنی رحمت نازل کر۔

رحم اللہ من قراء الفاتحہ مع الصلوات

Presented by: https://jafrilibrary.com